جلتے
بجھتے
دکھ
اسلم راہی

کچھ اس کہانی کے بارے میں

جلتے بجھتے لوگ کوئی فرضی، خیالی یا من گھڑت داستان نہیں۔ ایک سچی کہانی ہے جس کی راوی ایک بوڑھی خاتون ہے جسے لوگ پاگل کہتے تھے۔ پر وہ پاگل نہ تھی۔ حالات اور تمدن کو تقدس کا فریب دینے والوں کی ستائی ہوئی تھی۔ اکثر وہ سڑکوں پر بیٹھی رہتی تھی اور اپنے گرد کاغذ اور پرانے ڈبے جمع کر لیا کرتی تھی اس کی آنکھوں میں یخ بستہ اُداسی، روٹی کی بھوک اور چہرہ زنگ آلود ہوتا تھا جو اس بات کے غماض تھے کہ وہ ستائی ہوئی ہے۔ اس کی سانسوں کی تھکن، نگاہوں کا سکوت اور آنکھوں کے بھیگے موتی مجھے آج بھی یاد ہیں۔

کائی صدیوں کی طرح اُداس وُہ مُعمر خاتون اب نہ جانے کہاں کھو گئی ہے مجھے اب بھی اس کی تلاش ہے۔ گو کہانی کو سنوارنے کے لیے مجھے اپنی طرف سے بہت کچھ کرنا پڑا ہے اس کے باوجود کہانی کی بنیاد اور اصل ڈھانچہ وہی رہا ہے۔ تاہم کچھ مقامات اور ناموں میں مصلحت کے تحت تبدیلی ضرور کی گئی ہے۔

اس عورت اور کہانی کے اصل مقامات کی تلاش میں مہینوں گھومتا رہا اور اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس آوارگی کے دوران جو حادثات مجھے پیش آتے رہے وُہ بھی اس کہانی کا موضوع بنتے چلے گئے۔ اور اسی بنا پر کہانی میں فطرت کے کچھ رنگ بھرنے میں بھی کامیاب ہوا جب کہ میں منظر نگاری سے عموماً دور بھاگتا ہوں۔

ایک ایسے شخص جسے لوگ انسان نہ جانتے تھے اور ایک ایسی لڑکی جو مجرم نہ ہونے کے باوجود بھی مجرم گردانی گئی اس کہانی کے دو مرکزی کردار ہیں کہانی کیسی ہے؟ اور اس پر میں نے کس قدر محنت کی ہے۔ اس کا فیصلہ آپ خود پڑھ کر کریں اور بڑی غیر جانبداری اور بے باکی سے اس پر تنقید کریں۔ تا کہ میں اپنی آئندہ کہانیوں کو تنقید کی ان ہی خطوط پر سنوارنے کی کوشش کر سکوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کہانی پر بے لاگ تبصرہ کر کے مجھے مطلع کریں گے۔ اگر کسی کے حالات اس کہانی سے مطابقت رکھتے ہوں تو اسے ایک اتفاق سمجھا جائے۔

اسلم راہی ایم۔اے

۴۲ حیدر بلڈنگ موہنی لاہور

انتساب

قافلہ ارتقاءِ انسانیت سے
بھٹکے ہوئے اُن لوگوں کے نام جن
میں شعورِ محبت نہیں

اسلم راہی ایم۔اے

سورج افق کے دریچے میں شفق کے احمریں ہونٹ چوم کر غروب ہو گیا تھا۔ اندھیاری رات کے آنگن میں ان گنت ستارے ناچ اٹھے تھے۔ چاند نہ ہونے کی وجہ سے دھرتی کے پھیلے آنچل پر ظلمتوں کا نزول شروع ہو گیا تھا۔ بوجھل بوجھل اور تھکن زدہ سی چال کے ساتھ تیمور مینار پاکستان سے نکلا۔ سڑک عبور کر کے وہ بائیں ہاتھ سرکلر روڈ کی طرف مڑنا ہی چاہتا تھا کہ رک گیا۔ دائیں ہاتھ فٹ پاتھ پر کافی لوگ کھڑے تھے۔

واپس مڑ کر وہ بھی ان لوگوں میں آ کھڑا ہوا۔ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ سڑک پہ خون ہی خون ہو رہا تھا۔ فٹ پاتھ پہ ایک لاغر سا گدھا کھڑا تھا جس کا دایاں شانہ بری طرح چرا ہوا تھا اور گوشت نکل آیا تھا۔ گدھے نے اپنی وہ ٹانگ اٹھا رکھی تھی اور خون کی تیز دھار اٹھی ہوئی اس ٹانگ پر بہتی ہوئی پانی کے نل کی طرح سڑک کے فٹ پاتھ کی سرخ اینٹوں پہ گر رہی تھی۔ ذرا فاصلے پر چھوٹی سی ریڑھی کھڑی تھی جس کا ایک پہیہ اس سے جدا تھا۔ شاید ٹوٹ گیا تھا۔

گدھے کے قریب ہی ایک بوڑھا کھڑا تھا۔ جس کے پھٹے پرانے کپڑے خون آلود

تھے۔ سر پہ بوسیدہ سی جو صافی تھی اس کا چھوٹا سا وہ پلو جو نیچے لٹک رہا تھا بری طرح تار تار اور جھیر جھیر تھا۔ داڑھی ساری سفید، قامت خمیدہ، رنگ شکستہ اور بدن نزار تھا۔ تیمور کو یوں لگا جیسے وہ ——— وہ سطح آب پر کھڑا دھند کا کوئی ہیولہ ہو جو بین کرتا ہوا رو رہا ہو یا ——— یا ویران مرقد میں رکھا ہوا وہ کوئی برسوں پرانا مجسمہ ہو اور زمانے کی اذیت کوشی کے خلاف فریاد کناں ہو۔ تیمور نے ایک لڑکے سے پوچھا۔

کیسے ہوا یہ ایکسیڈنٹ؟

لڑکا ایک ہی سانس میں کہہ گیا۔

بس سے ٹکر ہو گئی تھی۔ بس والا بھاگ گیا۔ اس بوڑھے بیچارے کا گدھا زخمی ہو گیا ہے اور گاڑی شاید ٹوٹ گئی ہے۔ تیمور نے پھر بوڑھے کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش تھا حلقۂ زندان کی طرح۔ تیمور کو یوں لگا جیسے بوڑھا خاموشی کی زبان سے پکار پکار کر کہہ رہا ہو۔

معاشرے کے مفلوج فلسفہ دانو! انسانیت کا درد کہاں کھو گیا ہے۔

بیسویں صدی کی ظلمت کے فرزندو! مجھے تم سے کوئی شکوہ و شکایت کوئی حرف و حکایت نہیں ہے۔

تیمور اور زیادہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ گدھا اچانک چکرا کر گر گیا تھا اور پھر تھوڑی دیر کانپ کانپ کر دم توڑ گیا تھا۔ بوڑھا وہاں بیٹھ گیا تھا اس نے گدھے کا کان پکڑ لیا تھا اور اس کی آنکھیں یوں بھیگ گئی تھیں۔ جیسے رات کے چاک

سے کوئی سوتا پھوٹ پڑا ہو۔

جاڑے کی تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ قریبی درختوں کی سرد شاخوں پہ ہوا یوں چیخ رہی تھی جیسے کوئی سرکش روح بغاوت کے گیت گا رہی ہو۔ تیمور ریڑھی کی طرف بڑھا پہیہ ٹھیک تھا۔ صرف کیل نکلنے کی وجہ سے علیحدہ ہو گیا تھا دو آدمیوں کی مدد سے تیمور نے پہیہ اپنی جگہ جما کر سوراخ میں کیل لگا دی۔ جو وہاں قریب ہی پڑی تھی۔ تیمور وہاں سے ہٹ کر بوڑھے کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے بڑی ہمدردی سے کچھ اس انداز میں کہا جیسے جیسے وہ اس کا باپ ہو اگر نہ ہو تو کوئی رشتہ دار ضرور ہو۔

بابا اٹھو جو ہونا تھا ہو گیا۔

اس گریہ ناک اور گریبان دریدہ بوڑھے نے عجیب طرح سے اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں درد و رنگ شکستگی اور خستگی تھی۔ تاہم وہ کھڑا ہو گیا۔ تیمور اسے سہارا دے کر ریڑھی کے پاس لایا۔ اور دردمندی سے پوچھا۔

کہاں جاؤ گے بابا!

اس کی روتی ہوئی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔

کریم پارک۔

تم ریڑھی میں بیٹھو میں اسے کھینچتا ہوں۔

بوڑھا چونک پڑا اور اس کے قیمتی کپڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

تیمور نے زبردستی اسے ریڑھی میں بٹھایا اور خود وہ ریڑھی کھینچنے لگا۔ اس کا رخ سرکلر روڈ کی طرف تھا۔ وہ بے حد اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔

سرکلر روڈ پر وہ رنگ چمکتے ہوئے بڑے بڑے روشن بلب اسے یوں لگ رہے تھے گویا افق تا افق پھانسیوں کے جھولے لٹک رہے ہوں۔ یا ——— یا وہ غلیظ روحوں کے زہر بھرے ایاغ ہوں۔

موہنی روڈ کا موڑ مڑتے ہوئے تیمور نے بوڑھے سے پوچھا۔

تمہارا نام کیا ہے بابا!

رحیم —— آواز یوں تھی جیسے بربط کے سینے میں گیتوں کا دم گھٹ گیا یا نغمیں چیخ کا ڈھیر اور سر ہچکیاں بن گئے ہوں۔ چوک کے قریب ہی بوڑھے اور بھوکے بھکاریوں کی صدائیں بلند ہو رہی تھی۔ خستہ حال اور زنگ آلود آوازیں جیسے وہ مانگنے کی صدائیں بلند نہ کر رہے ہوں۔ بلکہ کروڑوں غریبوں کی روح کا نغمہ گا رہے ہوں۔

کریم پارک کی سڑکوں پر ریڑھی کھینچنا مشکل ہو گیا تھا جگہ جگہ کیچڑ اور غلاظت تھی بوڑھا نیچے اتر گیا تھا اور اب ریڑھی کھینچنے میں تیمور کی مدد کر رہا تھا۔ ایک مکان کے سامنے وہ رک گئے۔ پاکستان کے دل لاہور کی وہ غلیظ ترین لبستی تھی۔ وہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ رات سنسان تھی اور فضا کی سانس بوجھل تھی۔ ہر سمت یخ بستہ سی اداسی تھی جیسے چار سو ستم خوردہ ادبار ناچ رہے ہوں۔ چھوٹے چھوٹے بلب ویران مزاروں پر جلتے دیئے دکھائی دے رہے تھے۔ کہیں کہیں بڑے بڑے کوٹھی نما مکانات بھی تھے جن کے ملیح چہرے خوب رنگ روغن ہو رہے تھے۔

بوڑھے رحیم نے ایک دروازے پر دستک دی۔ اور ساتھ ہی تیمور سے مخاطب ہوا۔

تمہارا نام کیا ہے بیٹے!

وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

تیمور

کسی نیک باپ کی اولاد ہو۔ ورنہ اس دور میں جبکہ انسانیت کا خون ارزاں داموں بک رہا ہے شعور محبت کہاں؟

تیمور نے بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

آپ پڑھے لکھے بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ہاں منشی فاضل ہوں۔ پرائمری سکول میں کبھی استاد تھا۔ عرصہ ہوا ریٹائر ہو چکا ہوں۔

بچے کتنے ہیں؟

تیمور کے اس سوال پر بوڑھے رحیمو کے چہرے پر تیرگی کا ایک ہیجان امڈ کھڑا ہوا۔ بے شمار بریدہ سے رنگ اس کے چہرے پر آمد و رفت کر گئے۔ پھر بڑی یاس سے کہا۔

میری کوئی اولاد نہیں۔ ایک بیوی ہی بیوی ہے جس کا نام نوراں ہے بس

اس کے علاوہ آتش و آہن کے اس سیلاب میں میرا کوئی سہارا اور رفیق نہیں
تیمور کا سر جھک گیا اور دکھ سے اس نے کہا ۔

مجھے ——— وہ خاموش ہو گیا۔ دروازہ کھلا تھا اور بوڑھی نوراں دروازہ پر کھڑی بڑی پریشانی سے رحیمو کی طرف دیکھ رہی تھی جس کے کپڑے خون آلود تھے وہ یوں لگ رہی تھی گویا اس کی ہستی ہی چاک ہو کر رہ گئی ہو ۔

گدھا کہاں ہے اور یہ تمہارے کپڑے خون آلود کیوں ہیں ؟

رحیمو کا سر قدرے جھک گیا تھا۔

گاڑی بس سے ٹکرا گئی تھی ۔ گدھا مر گیا ہے۔ پھر اس نے تیمور کی طرف اشارہ کیا۔ یہ نیک دل انسان گاڑی کھینچ کر یہاں تک لے آیا ہے ۔

نوراں ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ تیمور نے بڑے ادب سے کہا ۔

اچھا بابا ! میں اب جاتا ہوں !

نوراں کی گھائل نغموں کی سی آواز سنائی دی ۔

اندر آجاؤ بیٹے ! ایک اجنبی کو بابا کہہ کر پکار رہے ہو اس گھر کو بھی اپنا ہی سمجھو۔ رحیمو نے تیمور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

آؤ بیٹے !

دونوں اندر داخل ہوئے ۔ مکان کیا تھا۔ یا مخانہ اور تیرہ سا ایک گھروندہ تھا جس کے اندر روشنی اور تیرگی کی ستیزہ کاری تھی ۔ کچھ ایسے لگتا تھا جیسے ان جھونپڑی نما مکانوں میں ضمیرِ ارض سو گیا ہو۔ چھوٹے چھوٹے دو کمرے تھے ۔ ایک میں وہ دونوں

جا کر ایک کھاٹ پر بیٹھ گئے ۔ نوراں دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی ۔ کمرے کی روشنی میں بوڑھے رحیمو نے پہلی بار غور سے تیمور کی طرف دیکھا وہ خوب دراز قد اور بھرے ہوئے مضبوط اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا اور رنگ سانولا تھا ۔ مگر چہرہ۔ کچھ بھی نہیں عام سی بلکہ نہایت ہی معمولی شکل تھی ۔ اور پھر اس پر فرط اور اضافہ یہ کہ چہرے پر ان گنت اور کراہت ناک چیچک کے داغ تھے۔ ایسا چہرہ جسے بدصورت اور زشت رو ہی کہا جا سکتا تھا۔ مجموعی طور پر یہ کہ اگر دنیا بھر کے بدصورتوں کی فہرست تیار کی جاتی تو تیمور ان میں سے اگر پہلی نہ تو دوسری یا تیسری پوزیشن پر ضرور ہی ہوتا ۔

بوڑھے رحیمو نے تیمور کی بدصورتی کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر سلسلہ کلام شروع کیا ۔

کہاں رہتے ہو بیٹا !

تیمور کا مختصر سا جواب تھا ۔ راوی پارک ۔ مگر بابا گدھا مر جانے کے بعد اب تم کیا کرو گے ۔ وہ شاید بوڑھے رحیمو کو دوسرے موضوع کی طرف لانا چاہتا تھا

بوڑھے رحیمو نے ایک لمبا سانس لیا ۔

کچھ کرنا ہی ہو گا ۔ آگ اور خون کے اس ہیجان میں اپنا بڑھاپا گھسیٹتے ہوئے محنت اور مزدوری کرنا ہو گی ۔ تیمور کا سر جھک گیا اور وہ افسردہ دکھائی دے رہا تھا

بوڑھے رحیمو نے آہ بھر کر کہا ۔

بیٹے ! یہ جہاں دکھ اور سکھ کا درپن ہے ۔ شور اور آہ و بکا کا ایک طوفان

ہے۔ بوڑھا رحیمو کچھ جذباتی ہوگیا۔ یہ قافلہ ارتقاع انسانی خونیں منزلوں کی طرف رواں ہے یہ ——— یہ دنیا پاپ کا ایک مندر ہے بیٹے! جس کے اندر اہل ثروت سونے کے بھگوان بن کر بیٹھے ہیں جو غریبوں کے خون کی قربانی تو لیتے ہیں مگر ان کے بہتے ہوئے آنسو نہیں پونچھتے — تم اس بستی ہی کو لو اس کریم پارک ہی کو دیکھو اس میں تمہیں رنگین ساڑھیوں کی جھلک بھی دکھائی دے گی۔ اور غریبوں کے بے کفن لاشے بھی نظر آئیں گی۔

تیمور رو دیا تھا۔ منہ دوسری طرف کرکے وہ اپنی آستین سے آنسو پونچھ رہا تھا۔ رحیموں کی آنکھیں بھی نمناک تھیں اور اس کا سر جھک گیا ہوا تھا۔ قبل اس کے دونوں میں سے پھر کوئی بولتا۔ نوراں اندر آئی۔ وہ کھانے کے برتن اٹھائے ہوئے تھی جو اس نے ایک طرف رکھ دیئے۔ کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی چٹائی اٹھا کر اس نے فرش پر بچھائی اور اس پر کھانا رکھنے کے بعد ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوتے کہا۔

اٹھو کھانا کھاؤ!

رحیمو کھڑا ہوگیا اور تیمور سے کہا۔

اٹھو بیٹا کھانا کھالو۔

تیمور بھی کھڑا ہوگیا۔ تم کھالو بابا! مجھے بھوک نہیں۔ میں اب چلتا ہوں۔

نوراں نے بڑے پیار سے کہا۔

انکار نہ کرنا بیٹے! میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

تیمور، بوٹ اتار کر چپ چاپ چٹائی پر بیٹھ گیا۔ پھر شاید اسے خیال گزرا اور نوراں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

ماں! جب بیٹا ہی کہہ چکی ہو تو آؤ ہمارے ساتھ ہی بیٹھ کر کھاؤ۔

نوراں نے بڑی سادگی سے کہا۔

کھانا تھوڑا ہے بیٹے! میں اپنے لیے بعد میں اور پکا لوں گی۔ دونوں باپ بیٹا کھاؤ۔ تیمور کھڑا ہوگیا۔ جلدی جلدی بوٹ پہنے۔ اور باہر بھاگ گیا نوراں اسے پکارتے ہوئے روکتی رہ گئی۔ بوڑھا رحیموں بھی جلدی جلدی اٹھا اپنے پھٹے پرانے جوتے پہنے اور تیمور کے پیچھے باہر لپکا۔ پر تیمور تو مکان سے نکل کر تاریکی میں روپوش ہوگیا تھا۔ سڑک پر بھاگتا ہوا وہ ایک تنور پر آکر رک گیا تھا۔ جلدی جلدی جیب سے پیسے نکالے۔ تین روٹیاں خریدیں اور پھر اپنی پوری رفتار کے ساتھ وہ واپس دوڑ رہا تھا۔ ہانپتا ہوا وہ مکان میں داخل ہوا۔ کمرے میں رحیموں اور نوراں پریشان کھڑے تھے۔ تیمور کو دیکھتے ہی نوراں نے بے تابی سے پوچھا کہاں چلے گئے تھے بیٹا!

تیمور نے رومال میں بندھی ہوئی روٹیاں دکھائیں

روٹیاں لایا ہوں ماں! اب تم ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ گی نا۔ نوراں نے کوئی جواب نہ دیا تاہم اس کی آنکھوں میں دور دور تک پیار ہی پیار اور ممتا ہی ممتا تھی ——— ممتا ——— ایسا جذبہ جس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی۔

تینوں نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد انھوں نے چائے بھی پی۔ تیمور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتا رہا۔ پھر اجازت لی اور دوبارہ آنے

کا وعدہ کر کے پیدل چلتا ہوا وہ موہنی روڈ آیا اور حیدر بلڈنگ میں داخل ہو
جن میں سب کرائے دار ہی رہتے ہیں۔ دوسری منزل کا ایک کمرہ اس نے کھو
جسے باہر سے تالا لگا ہوا تھا۔ اندر کھاٹ تھی جس پر معمولی سا بستر تھا۔ ایک کر
اور میز پر چند کتابیں۔ الماری میں کچھ کپڑے اور ایک طرف کچھ برتن پڑے تھے
اس نے لباس تبدیل کیا اور بستر میں گھس کر سو گیا۔

دوسرے روز صبح سویرے جب کہ ابھی اندھیرا ہی تھا۔ وہ حیدر بلڈنگ میں اپنے کمرے سے نکلا۔ پیدل چلتا ہوا وہ سرکلر روڈ پر آیا۔ بوڑھے راوی کا پل پار کیا اور راوی پارک کی ایک بہت بڑی کوٹھی میں داخل ہوا۔ گیٹ پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے اسے جھک کر سلام کیا اور وہ سر جھکائے اندر چلا گیا۔

کوٹھی کا احاطہ کم از کم دو کنال پر مشتمل ہوگا جس کے وسط میں چھوٹی سی مصنوعی پہاڑی بنی ہوئی تھی جس پر پتھروں کے بیچ بیچ قسم قسم کے پودے اپنا رنگ جمائے ہوئے تھے۔ پہاڑی کے عین اوپر پانی کا ایک فوارہ تھا۔ کوٹھی کے ایک کونے میں سرونٹس کوارٹر تھے جن میں سے ایک کے اندر بوڑھا چوکیدار نیاز رہتا تھا اور دوسرے کوارٹر میں خاکروب رحمت مسیح اپنی جوان سال بیٹی نیلو کے ساتھ رہتا تھا۔ دونوں باپ بیٹی کوٹھی کی صفائی کے علاوہ باہر کا کام بھی کرتے تھے۔

تیمور نے پتلون کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ کوٹھی کا ایک دروازہ

کھولا اور اس کمرے میں داخل ہوگیا۔ اندر فوم کے گدے والے پلنگ پر
شنیل کی سُرخ پھولوں والی چادر بچھی تھی اور اسی سے میچ کرتا ہوا تکیہ
رضائی تھی۔ ایک طرف کتابوں کی شیلف اور کپڑوں کی الماری تھی۔ دیواروں
پر ڈیکوریشن پیس اور تصویریں تھیں۔
فیلڈپیس کی طرف قدآدم آئینہ تھا اور اس کے دائیں جانب میز کے قریب
پیڈسٹل فین اور اتنا ہی اونچا ایک چھتری دار لیمپ تھا۔ ہر چیز پر گرد تھی
تھی۔ تیمور بڑے غور سے ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ کوٹھی میں سکوت
تھا شاید اس کے مکین ابھی تک سوئے ہوئے تھے یا اگر جاگ گئے تھے
اپنے اپنے کام میں لگے تھے۔

اپنے کوارٹر سے باہر نل پر منہ دھوتی ہوئی نیتو نے تیمور کو کمرے میں
داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ وہ اٹھی بھاگتی ہوئی اپنے کوارٹر میں گئی اور ایک
بوڑھی عورت کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے باپ رحمت مسیح سے کہا۔

ابا! تیمور بھیا آئے ہیں۔ کہو تو یہیں بلا لاؤں۔ ان کا ایک خط بھی ہمارے پاس
پڑا ہے۔ اسی بہانے چائے بھی پلا دیں گے۔ چار دن بعد آئے ہیں خبر نہیں
کچھ کھایا پیا بھی ہے یا نہیں

رحمت نے حقے کی نلی منہ سے نکالتے ہوئے کہا

جاؤ بلا لاؤ مجھ سے کیوں پوچھتی ہو

نیتو جب بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تو اس بوڑھی عورت نے رحمت سے

تیمور کون ہے جس کا ہماری نیتو کو اتنا خیال ہے
دیوار ہی کوٹھی والوں کا بیٹا ہے اور نیتو کا بھیا بنا ہوا ہے
بھیا نے حیرت سے پوچھا
قریب کوٹھی والوں کا بیٹا ہے تو کہ چار روز بعد کہاں سے لوٹ رہا ہے اور اسے
ے کا پوچھنے کی کیا تک ہوئی
ت نے دکھ سے کہا
گ اس سے نفرت کرتے ہیں
ں؟
سے زیادہ بدشکل ہے
باپ کی مرضی کے خلاف کام کرتا ہے
کے دو سینما ہیں باپ اور بڑا بھائی چاہتے ہیں کہ سینماؤں میں بلیک چلتی رہے
کر یہ بلیک کرنے والوں کو مارتا ہے۔ باپ سمگلنگ کرتا ہے اور یہ منع کرتا ہے
تی چیزیں باہر لے جاکر غریبوں میں بانٹ آئے گا۔ باپ کی جیبوں اور ماں
وں سے روپے نکال کر ضرورت مندوں میں تقسیم کرے گا اُنھوں نے
شادی کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن بدشکل ہونے کی وجہ سے کوئی بڑا
رشتہ نہیں دیتا۔ جب کہ اپنے سے چھوٹے خاندان میں رشتہ کرنا یہ اپنی ہتک

سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اس سے نفرت کرتے ہیں۔

وماں باپ دونوں ہی اسے مارتے ہیں۔ اس سے بڑا ایک بھائی ہے وہ ماں باپ کا
خیال ہے اس کا ایک چچا ہے۔ سرگودھا میں رہتا ہے بس وہ اس سے محبت کرتا ہے
اس نے اسے اپنا بیٹا بنایا ہوا ہے۔ وہ یہاں نہیں آتا اپنے بھائی سے ناراض ہے
تیمور سے اس کی خط و کتابت ہے۔ اس نے باہر کرائے پر کہیں کمرہ لیا ہوا ہے
جب یہاں اس کا دل گھبراتا ہے تو کئی کئی دن باہر گزار آتا ہے۔ ایم۔ اے۔ بی۔
کیا ہوا ہے اور سکول میں نوکری کی کوشش کر رہا ہے اس کی ماں اکثر اسے مار
ہے اور طعنہ دیتی ہے کہ تم انسان نہیں ہو۔ جانور ہو۔ حیوان ہو۔ احمق اور وحشی
لہٰذا وہ خود بھی لوگوں سے کہہ دیتا ہے کہ میں انسان نہیں ہوں لوگ کہتے ہیں
کسر نفسی کا شکار ہے پر میں کہتا ہوں اس نے ارادتاً اپنی نفی کرنا شروع کر
ہے۔ جب کبھی غصے میں ہوتا ہے تو پھر دیکھنے والا ہوتا ہے کوٹھی میں برتن
توڑ پھوڑ شروع کر دیتا ہے اور پھر خوب پٹتا ہے اس کے علاوہ ——————

رحمت خاموش ہو گیا کیونکہ نیلو تیمور کے ساتھ کوارٹر میں داخل ہوئی تھی اور
کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے تیمور سے کہا

بھیا یہ میری پھوپھی ہیں۔ سب اکوٹھ میں رہتی ہیں۔ ہمیں ملنے پرسوں کی یہاں
ہوتی ہیں

تیمور نے بڑھیا کو سلام کیا اور زمین پر رحمت کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ نیلو
بڑے پیار سے کہا

اٹھ کر کھاٹ پر بیٹھو بھیا

وہ اچھی طرح پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا۔ یہیں ٹھیک ہے

بڑھیا نے بھی کہا۔ کھاٹ پر بیٹھ جاؤ بیٹے! یہاں تو مچھر بہت ہیں

تیمور نے دکھ سے کہا

میں انسان نہیں ہوں اماں! میرے لیے ایسی جگہ ہی مناسب ہے

نیلو بیچاری اداس ہو گئی۔ برتنوں کی الماری میں رکھا ہوا ایک سفید
لفافہ اس نے اٹھایا اور تیمور کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

بھیا! آپ کا ایک خط آیا ہوا ہے میں نے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

تیمور نے لفافہ کھولا اور خط پڑھنے لگا اور مسکراتے ہوئے خط تہ کر کے
جیب میں ڈال لیا۔ نیلو نے تجسس سے پوچھا

کیا خط ہے بھیا!

مجھے نوکری مل گئی ہے سکول میں

نیلو مسکرا دی

پکی ہے بھیا!

نہیں کچی ہے۔ این۔ ڈی۔ وی۔ پی N-D-V-P کے تحت ملی ہے شاید کبھی پکی ہو
جائے تنخواہ کیا ہو گی

اس محکمے میں صرف وظیفہ ملتا ہے ۳۲۵ روپے مہینے کے مل جایا کریں گے
چائے دوں بھیا پیو گے؟

اگر بنی ہے تو دے دو ضرور پیونگا

نیتو نے چائے کا ایک پیالا بھرا اور تیمور کو تھماتے ہوئے چھوٹا سا ایک پراٹھا بھی اس نے تیمور کے سامنے رکھتے ہوئے کہا

آپ کھائیں بھیا! اتنی دیر تک میں آپ کا کمرہ صاف کر آؤں۔ بڑا گندا پڑا ہے۔ وہاں نیتو ہرن کی طرح چھلانگتی ہوئی کوارٹر سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد ایک بڑی پرکشش شخصیت کی خاتون جو ایک قیمتی ساڑھی پہنے ہوئے تھی کمرے میں داخل ہوئی۔ رحمت اور بڑھیا اسے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ وہ تیمور کی امی راحت تھی۔ تیمور نے اس کی آمد کا کوئی نوٹس نہ لیا تھا۔ راحت غصے میں آگے بڑھی۔ تیمور کے ہاتھ سے چائے کا پیالہ چھین کر ایک طرف پھینک دیا اور پھر اس کا کان پکڑ کر اوپر اٹھایا اور کھینچتی ہوئی باہر لے گئی۔ تیمور بالکل خاموش تھا جیسے اس میں روح ہی نہ ہو یا وہ کوئی مجسمہ ہو جسے جہاں چاہے رکھ دیا جائے۔

راحت اسے کان سے پکڑ کر کوٹھی کے کوریڈور میں لے گئی۔ جہاں اس کے ابو کامران اور بڑا بھائی آصف کھڑے تھے۔ راحت نے اسے ان کے پاس لا کھڑا کیا اور لگاتار تیمور کے منہ پر طمانچے مارنے لگی کامران اور آصف خاموش کھڑے دیکھتے رہے

راحت جب مارتے مارتے تھک گئی۔ تو تیمور نے ایک ستون کا سہارا لے لیا اور بڑے دکھ سے کہا

بس ؟ اب میرا جرم بھی بتا دیں جس کی یہ سزا ملی ہے

راحت ہانپ رہی تھی ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے کہا۔

تم انسان نہیں ہو۔ بے شرم۔ ذلیل اور غلیظ ہو۔ تمہیں شرم نہ آئی بھنگیوں کے ہاں سے ناشتہ کرتے ہوئے تیمور بے حد سنجیدہ ہو گیا۔

کیا وہ ہماری طرح انسان نہیں ہیں؟ اور ان کے ناشتے کی چیزیں میں ہم جیسی نہیں ہیں؟

راحت زور سے چلائی۔

بکواس نہ کرو۔ انسانوں انسانوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔

تیمور نے بڑے دکھ سے پوچھا۔

کیا بھنگیوں کے ہاں سے کھانا اس لیے تمہارے ہاں معیوب ہے کہ وہ ٹٹی اور موت اٹھاتے ہیں۔

راحت غصے میں پھنکاری۔

ہاں۔

تیمور نے غصے میں چلا کر کہا۔

اس طرح تو پھر تم بھی ہم دونوں بھائیوں کی ٹٹی موت اٹھاتی رہی ہو جب ہم بچے تھے تو پھر ہم تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیوں کھائیں تمہیں بھی انسانوں کی اسی لائن میں کیوں نہ کھڑا کر دیں جس لائن میں تم بھنگیوں کو کھڑا کر رہی ہو۔ قبل اس کے تینوں میں سے کوئی بولتا تیمور کہتا چلا گیا۔

تم ——— تم لوگ اجلے چہروں کے پیچھے سیاہ مل رکھنے والے ہو۔ پھولوں کی پیاس انگاروں سے بجھانے والو! کلیوں کا مکھڑا ہو سنے والے بھنوروں تم لوگ معاشرے

کے کاغذی پھول ہو۔ تمہارا ذہن ہر وقت گندے خیالات تراشتا ہے ۔ تم دل کے شہر کو پھونک کر خاکستر کر دیتے ہیں۔ تم چاہتے ہو کہ کلیاں زبان نہ کھولیں۔ غنچے خاموش رہیں اور گل چیں اپنا کام کرتے رہیں۔ تم لوگ معاشرے کے خونی بھیڑیے ہو۔ سماج کے ناسور ہو جو انسانیت کے راستے میں گندی غلیظ دیواریں کھڑی کرتے ہیں

کامران نے اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا۔

بکواس بند کرو۔

تیمور اپنا گال سہلانے لگا اور دکھ سے کہا۔

تم لوگ مجھ سے اس لیے نفرت کرتے ہو کہ میں بدشکل ہوں اگر خوبصورتی اور حسن ہی انسانیت کا معیار اور انسان ہونے کی دلیل ہے تو یہ حسن تم لوگوں کو طوائفوں کے کوٹھوں میں بھی ملے گا۔ کلبوں میں ننگی ناچتی ہوئی اور سرعام اپنی عزت کا سودا کرنے والی اونچی سوسائٹی کی لڑکیوں میں بھی ملے گا۔ جواب دو کیا خوبصورتی ہی سب کچھ ہے۔ اگر سیرت کا کوئی مقام نہ ہوتا ۔ تو ہمارے حضور پاک اور ابوجہل میں کوئی فرق نہ ہوتا اپنے ذہن میں کدورت کی گرد رکھنے والو مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں شاید میرے مقدر کا خدا ہی سویا ہوا ہے

وہاں سے ہٹ کر وہ اپنے کمرے میں آیا۔ دروازے کے پاس نیتو کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا اور وہ رو رہی تھی ۔تیمور اُسے کھڑا دیکھتا رہا اور نیتو کے آنسو بہہ بہہ کر فرش پر گرتے رہے ۔تیمور آگے بڑھا اور نیتو کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

تم کیوں روتی ہو میری پگلی بہن ! یہ تو دور ہی آپا دھاپی کا ہے ان کی سوچوں اور میری سوچوں میں فرق ہے ۔ یہ لوگ تو شعور محبت سے ہی نا آشنا ہیں پھر ان کے سلوک پر رونا کیسا ۔ اس گھر میں سب کچھ ہے ۔ مگر درد کا مداوا زخموں کا مرہم اور دکھوں کا علاج نہیں ۔ چلو اپنا کام کرو۔

نیتو نے اپنے میلے آنچل سے آنسو پونچھ لیے اور دوبارہ کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ تیمور اندر ہی بیٹھ گیا۔ نیتو صفائی ختم کر کے چپ چاپ اور اُداس اُداس سی چلی گئی ۔ تیمور بھی اُٹھا۔ دروازہ کو تالا لگا کر جب وہ لان میں صفائی کرتی ہوئی نیتو کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

سکول جاؤ گے بھیا!

تیمور نے رکے بغیر جواب دیا۔

آج تو جمعہ ہے کل سے جانا شروع کروں گا۔

تیمور سیدھا باورچی خانے میں آیا۔ وہاں اس کی امی گھر کی بوڑھی ملازمہ کو ناشتے کے متعلق ہدایات دے رہی تھی، تیمور اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا اور دھیمی سی آواز میں کہا۔

امی ! مجھے سو روپیہ چاہیئے!

راحت مڑھی اور اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میرے پاس تمہارے لیے ایک پیسہ نہیں ۔ اور پھر تم جیسے جانوروں کو پیسے

کی کیا ضرورت ہے؟ جانور تو گھاس چر کر اور گندے کیچڑ میں لیٹ کر گزارہ کر لیتے ہیں۔

تیمور کا رنگ غصے میں سُرخ ہو گیا تھا۔ اچانک ہی اس نے کراکری کی الماری پر ہاتھ رکھا پھر اسے زور کا دھکا دیا اور باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔ الماری فرش پر گری اور قیمتی برتن چھناکے کے ساتھ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ راحت باورچی خانے سے باہر نکلی اور شور کرنے لگی۔

تمہارا کچھ نہ رہے تیمور! نہ مرتے ہو نہ ہمارے پیچھے سے اترتے ہو۔ تیمور نے کوئی اثر نہ لیا اور کار کے گیراج میں داخل ہو گیا۔ راحت پھر چلائی۔

گاڑی نہ لے کر جانا۔ ایک تمہارے ابو اور ایک آصف لے کر جائے گا۔

تیمور نے بھی چلا کر جواب دیا۔

ایک ہی گاڑی میں دونوں چلے جائیں گے میرا بھی کوئی حق ہے۔ اس نے کار سٹارٹ کی اور کوٹھی سے باہر نکل گیا۔

تیمور نے جونہی بوڑھے راوی کا پُل پار کیا اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس سے ذرا آگے جاتی ہوئی ایک کار سامنے سے آنے والے ایک ٹرک سے بری طرح ٹکرا گئی۔ زوردار ایک دھماکہ ہوا تھا اور کار دوہری ہو کر رہ گئی تھی۔ تیمور نے اپنی کار وہاں لا کر سڑک کے کنارے کھڑی کر دی تھی اور ایکسیڈنٹ ہونے والی کار کی طرف لپکا تھا۔ ٹرک کا ڈرائیور کلینر اور وہاں سے گزرتے ہوئے کئی لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے اور کار کے اندر پھنسے ہوئے لوگوں کو نکالنے لگے تھے۔

ان میں ایک مرد جو ادھیڑ عمر کا تھا اور کار چلا رہا تھا مر چکا تھا پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دو عورتیں تھیں۔ دونوں ماں بیٹی دکھائی پڑتی تھیں۔ ماں کم اور بیٹی زیادہ زخمی تھیں تاہم دونوں ہی بیہوش ہو چکی تھیں۔ لڑکی اتنی وجیہہ اور حسین تھی کہ اس سے آنکھ ملائی نہ جا سکتی تھی۔ لڑکی کی آنکھیں گو بند تھیں لیکن یہ اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا تھا کہ ایسی بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھیں بہت کم دیکھی جاتی ہیں۔ بالکل اس یمنی ہرن کی سی آنکھیں جس کی ناف سے کستوری بنتی ہے۔

مرد کی لاش اس بری طرح پھنس گئی تھی کہ کار کا حصہ کاٹے بغیر نکالا نہ جا سکتا تھا۔ تاہم ان دونوں ماں بیٹی کو نکال کر تیمور کی کار میں ڈالا گیا تیمور ان دونوں کو ہسپتال لے گیا دونوں کو ابتدائی طبی مرحلے سے گزرنے کے بعد ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔ اور تیمور باہر ہی بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

کافی دیر بعد ایک لیڈی ڈاکٹر باہر آئی اور تیمور سے مخاطب ہوئی

ماں کی حالت تو خطرے سے باہر ہے اور وہ ہوش میں آ چکی ہے تاہم اس کی بیٹی ابھی تک بے ہوش پڑی ہے۔ اسے خون کی ضرورت ہوگی۔ کیا آپ اس کا بندوبست کر سکتے ہیں۔

تیمور کھڑا ہو گیا۔

میں ہی میں ہوں ڈاکٹر۔ اگر میرا خون اس سے میچ کرتا ہے۔ تو جتنا چاہے

نکال لیں۔

آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے۔

تیمور نے سنجیدگی سے کہا۔

اگر مجھے کوئی انسان سمجھے۔ تو میرا ان سے وہی رشتہ ہے جو ایک انسان کا دوسرے انسان سے ہوتا ہے۔

ڈاکٹر نے بڑی ہمدردی سے کہا۔

جو آپ کو انسان نہ سمجھے وہ خود انسان نہیں۔ اس دور میں کون دوسروں کے لیے ایسی قربانی دیتا ہے۔

تیمور نے موضوع بدل دیا۔

تو پھر آپ خون لے لیں۔

ہاں آئیے میرے ساتھ۔

تیمور کا خون اتفاق کہیے یا اس لڑکی کی خوش قسمتی کہ اس سے میچ کر گیا اور تیمور سے خون نکال کر اس لڑکی کو لگا دیا گیا۔ تیمور پہلے کی طرح باہر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

تیمور کو وہاں انتظار کرتے دو گھنٹے اور گزر گئے۔ اتنے میں وہی لیڈی ڈاکٹر پھر آئی تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے قدرے مسکرا کر کہا۔

لڑکی اس وقت خطرے سے باہر ہے اور ہوش میں آ چکی ہے اس کی ماں اور وہ خود دونوں آپ کو اندر بلا رہی ہے۔

تیمور نے سپاٹ سے لہجے میں کہہ دیا۔

میں اندر جا کر کیا کروں گا۔

آخر آپ ان کے محسن ہیں وہ آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں گی۔

تیمور نے اور زیادہ سنجیدگی سے کہا۔

اول تو میں انسان ہی نہیں ہوں۔ اور اگر ہوں تو پھر بھی بیسویں صدی کا انسان نہیں۔ جو معمولی کام کر کے وزنی شکریہ وصول کرتا ہے۔ شاید یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں دو صدیاں بعد میں پیدا ہوا ہوں پھر میں ان دونوں سے کیا کہوں۔ کیونکہ وہ اٹھ کر باہر تو آ نہیں سکتیں۔

آپ انہیں کہہ دیں میرے لیے سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ وہ دونوں ٹھیک ہو گئی ہیں۔

اچھا آپ نے جانا نہیں میں ان سے بات کر کے ابھی آتی ہوں لیڈی ڈاکٹر اندر چلی گئی۔ اور چند ثانیے بعد دوبارہ باہر آئی اور سو سو کے پانچ نوٹ تیمور کی طرف بڑھا دیئے۔ یہ لڑکی کی ماں نے دیئے ہیں۔

تیمور نے حیرانگی سے پوچھا۔

کاہے کے لیے؟

آپ ان دونوں کو اپنی گاڑی میں یہاں جو لائے ہیں اور پھر ان کے لیے خون بھی دیا ہے۔

تیمور جذبات میں آ گیا

ڈاکٹر! انسانی خون کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔ وہ ایک جذبہ ہے جس کے تحت میں نے خون دیا ہے اور ایسے جذبے بیچے نہیں جاتے۔

آپ بہت بلند انسان ہے۔

لوگ تو مجھے انسان نہیں سمجھتے۔

جو آپ کو انسان نہیں سمجھتے وہ خود انسان نہیں ہیں اگر آپ یہ روپے نہیں رکھتے تو اپنا نام بتا دیں ان دونوں نے اپنے نام بتائے ہیں اور آپ کا نام بھی پوچھا ہے ماں کا نام شاہینہ اور بیٹی کا نام مونا ہے۔

تیمور کا سر جھک گیا۔

ڈاکٹر نے اسے چونکا دیا۔ کیا سوچنے لگے؟

میرا کوئی نام نہیں۔ مجھے آپ گمنام جانیئے۔ اور پھر حیوانوں کے بھی کبھی نام ہوتے ہیں

لیڈی ڈاکٹر بیچاری الجھ کر رہ گئی۔ تاہم اس نے آخری حربہ آزمایا۔

آپ ذرا میرے آفس میں آیئے

تیمور اس کے پیچھے ہو لیا۔ چلیئے

دونوں آفس میں آکر بیٹھ گئے۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک کاغذ اور قلم تیمور کی طرف بڑھا دیا۔ آپ اس کاغذ پر ان کے لیے کوئی پیغام اور اپنا پتہ لکھ دیں۔ وہ بعد میں آپ سے مل کر اپنے جذبات کا اظہار کر لیں گی۔

تیمور نے کاغذ قلم سنبھال لیے۔

آپ مجبور کرتی ہیں تو لکھ دیتا ہوں۔ پھر اس نے کاغذ پر لکھنا شروع کر دیا۔

"میں کوئی رشتی نہیں پیکر خاکی ہوں مجھے آپ ایسی کشتی کا مسافر سمجھ لیں جس کا کوئی ناخدا نہیں۔ یا آسمان سے ٹوٹا ہوا ایسا ستارہ جو صبح کی گرد میں کھو گیا ہو۔ میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میری تلاش بالکل یوں ہے جیسے کوئی ہوا کے گزر جانے والے جھونکے کو پکڑنے کی خاطر اس کے پیچھے بھاگتا رہے۔ ایک گمنام مسافر"

کاغذ تیمور نے ڈاکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ اور قلم میز پر رکھ دیا۔ ڈاکٹر نے پڑھا اور تیز چتونوں سے تیمور کی طرف دیکھا۔ آپ نے اپنا نام پتہ تو لکھا ہی نہیں۔

تیمور کھڑا ہو گیا۔ اور جذبات میں ڈوبی ہوئی تیز آواز میں کہا۔

ڈاکٹر! اگر آپ مسلمان ہیں تو آپ کو قرآن جیسی عظیم کتاب کی قسم آپ ان دونوں کو میرے حلیئے تک کے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ میں اپنے آپ کو عیاں نہیں کرنا چاہتا۔ تیمور آفس سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر بھی اٹھ کر باہر آئی اور اسے جاتا دیکھتی رہی۔ جب وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ تو اس کا سر جھک گیا۔ وہ واپس مڑی اور وہ پانچ سو روپے کے ساتھ وہ تیمور کا لکھا ہوا کاغذ ان ماں بیٹی کے پاس لے گئی۔

ہسپتال سے نکل کر تیمور نے کار ایک سینما کے سامنے کھڑی کر دی۔ جمعہ ہونے کی وجہ سے سپیشل شو شروع ہونے والا تھا سینما میں کوئی عریاں اور جلسی انگریزی فلم لگی ہوئی تھی اس لیے بہت رش سے رہی تھی۔ اور سینما کی حدود

سے باہر تک لمبی لمبی قطاریں بنائے تماشائی کھڑے تھے۔ تیمور سینما میں د
ہوا۔ اندر سینما کے منتظمین سے ایک ہاتھ میں یکہ بانوں والا چابک پکڑے
ہوئے اور اسے تماشائیوں کے سروں اور پیٹھ پر زور زور سے برسا کر ا
انہیں لائینں سیدھی رکھنے کی تلقین کر رہا تھا۔

تیمور جب سینما میں داخل ہوا تو ملازم آگے بڑھ بڑھ کر سلام کرنے لگ
شاید یہ اِن کا اپنا سینما تھا۔ تیمور اس ملازم کے پاس گیا جو تماشائیوں کو چابک
مار مار کر ان کی لائنیں درست کر رہا تھا۔ تیمور نے اس سے چابک لے لیا اور
میں کہا تم لائنیں کیا سیدھی کرتے لاؤ۔ میں تمھیں سیدھی کر کے دیتا ہوں۔ تیمور نے
چابک سنبھالا اور اس ملازم پر بری طرح برسانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ
چلا چلا کر کہتا بھی جا رہا تھا۔

سور کے بچے! تماشائی پیسے دے کر ٹکٹ خریدتے ہیں اور ان ہی پیسوں سے
تمھیں تنخواہ ملتی ہے۔ تم اس طرح ان پر چابک برسا رہے ہو۔ جیسے ٹکڑوں کے
بجائے تم انہیں اپنے باپ کے گھر سے خیرات دے رہے ہو۔ ملازم ہاتھ
جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔ لیکن تیمور برابر اسے مار رہا تھا۔ سینما کا مینجر یہ سب
دیکھ رہا تھا اور اس نے گھر پر تیمور کے ابو کو فون کر دیا تھا تماشائی تیمور کے
میں زور زور سے نعرے لگانے لگے تھے اور خود ہی نظم و ضبط سے کام لیتے
ہوئے انھوں نے لائنیں سیدھی کر لی تھیں۔

تیمور ہاتھ میں چابک پکڑے منیجر کے پاس آیا اور بڑے غصے میں کہا۔

مجھے پانچ سو روپیہ دے دو اور ابو کے کھاتے میں لکھ دو۔ منیجر نے ڈرتے ڈرتے
پانچ سو روپیہ دے دیا۔ روپے جیب میں ڈالتے ہوئے تیمور نے پھر کہا۔
کتنے بلیو پرنٹ دکھا رہے ہو آج؟

دو!

اطلاع کر دوں پولیس کو؟

پولیس کیا کرے گی۔

میں سڑکوں پر نکل کر عوام سے کہہ دوں گا۔

عوام خود بلیو پرنٹ دیکھنے آتے ہیں۔

تیمور نے غصے میں کہا۔

یہ عوام نہیں۔ چند تماشبین ہیں۔ اصل عوام وہ جو برائیوں کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس روز یہ
حرکت میں آئے ایسے سینماؤں کو آگ لگا دیں گے جن کے اندر بے حیائی اور فحاشی کا کھیل
کھیلا جاتا ہے۔

اتنے میں ایک کار سینما میں داخل ہو کر رکی اور اس میں تیمور کے ابو کامران
اور بھائی آصف اترے۔ تیمور آفس سے باہر آیا۔ کامران نے اسے کان سے پکڑ لیا
اور دوبارہ منیجر کے کمرے میں لے گیا۔ منیجر کو باہر نکال کر انھوں نے آصف سے دروازہ
بند کر دینے کو کہا اور پھر غصے میں چلاتے ہوئے تیمور سے پوچھا۔

تم یہاں کیا لینے آئے؟

تیمور نے بے ساختہ کہہ دیا۔

آپ ہر روز دونوں سینماؤں میں کیا لینے آتے ہیں۔

تم نے ملازم کو کیوں مارا؟

وہ تماشائیوں کو کیوں مار رہا تھا۔

کامران نے اس کے منہ پر زور سے دو طمانچے دے مارے۔

سور کے بچے! تمہارا کوئی کام سیدھا بھی ہے۔ تمہارا ضمیر ہی نہیں ہے۔ جس گھر سے کھاتے ہو اسے برباد کرتے ہو۔ تم غدار ہو تیمور نے بھرپور غصے کا اظہار کیا

آپ بلیو پرنٹ چلواتے ہیں۔ گندم چاول اور پتہ نہیں اور کیا کیا سمگل کرتے ہیں کہ کام اپنے ضمیر کے علاوہ۔ قوم اور وطن عزیز سے غداری نہیں ہے؟

کامران نے بری طرح تیمور کو مارنا شروع دیا۔ آصف بھی آگے بڑھ کر اس کو بری طرح مارنے لگا تھا۔ تیمور ان پر ہاتھ اٹھائے بغیر خاموشی سے پٹتا رہا۔ جب وہ لڑکھڑا کر کمرے کے ایک کونے میں گر گیا تو ان دونوں نے اسے چھوڑ دیا۔ تھک جانے کے باعث اونچے سانس لیتے ہوئے کامران نے چلا کر کہا دفعہ ہو جاؤ یہاں سے اور اب گھر میں داخل نہ ہوتا۔ میں تمہیں عاق کر دوں گا کہ میرے لیے نقصان کا باعث ہو۔

بڑی مشکل سے اٹھتے ہوئے تیمور نے دکھتی ہوئی آواز میں کہا۔

تم دونوں نے آج جو مجھے اتنا مارا ہے۔ یہ ظلم ہے۔ اگر خدا ہے اور وہ یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو وہ ایک دن تم سے اس کا بدلہ ضرور لے گا۔

تیمور لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا۔ جس کار میں آیا تھا اس میں بیٹھا اور سینما سے

نکل گیا وہ سیدھا گھر آیا۔ کوٹھی کا بیرونی دروازہ بند تھا۔ چوکیدار کو آواز دے کر یا ہارن بجا کر گیٹ کھلوانے کے بجائے اس نے گاڑی بڑی تیز رفتار سے گیٹ کے ساتھ ٹکرا دی۔ لوہے کا دروازہ دھماکے کیساتھ کھل گیا اور اس کا ایک پٹ ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی ماں راحت باہر نکلی تھی اور ٹوٹا ہوا گیٹ دیکھ کر اسے گالیاں دینے لگی تھی۔

کار گیراج میں کھڑی کر کے تیمور کوٹھی میں آیا اور جو چیز بھی اس کے سامنے آئی اس نے اس کی توڑ پھوڑ شروع کر دی۔ راحت نے اسے روکنے کی بہتری کوشش کی لیکن وہ تو غصے میں بے قابو ہو چکا تھا اور چلا چلا کر کہہ رہا تھا۔

میں ہر چیز توڑ دوں گا۔ پھونک دوں گا اس گھر کو جس کے اندر انسان نہیں بستے۔

راحت نے ناچار ٹیلیفون کر کے کامران اور آصف کو بلا لیا تھا۔ تیمور نے سب سے پہلے کامران کے کمرے میں توڑ پھوڑ کی پھر آصف اور آخر میں راحت کے کمرے کی ہر چیز کو اس نے مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔ تینوں کمرے یوں لگ رہے تھے جیسے بلوائیوں نے کسی دوکان کو بری طرح لوٹ لیا ہو۔

جب وہ راحت کے کمرے کی توڑ پھوڑ میں لگا ہوا تھا۔ باہر کار رکنے کی آواز سنائی دی۔ کمرے سے نکل کر وہ باہر آیا۔ کامران اور آصف کار سے اتر کر اس کی طرف ہی آ رہے تھے تیمور نے ہاتھ میں پتھر کے دو ڈیکوریشن پیس پکڑ رکھے تھے۔ جو اس نے کامران اور آصف

کو دکھاتے ہوئے کہا۔

اگر تم دونوں میں سے پھر کسی نے مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو یہ مار کر سر پھوڑ دوں گا۔

کامران نے کوٹ کے نیچے سے پستول نکال لیا۔

میں تمھیں گولی مار دوں گا۔

تیمور نے بے دھڑک ہو کر جواب دیا۔

پہلے گولی ماریں اپنے اس ضمیر کو جو آپ سے ہر برا فعل کراتا ہے۔ باپ کو اولاد کے لیے نمونہ ہونا چاہیئے تاکہ اولاد اس کی پیروی کرے۔ جو باپ اولاد کے سامنے برا فعل کرتا ہو۔ ایسی اولاد بگڑے گی نہیں تو اور کیا کرے گی!

قریب کھڑی راحت نے غصے میں چیختے ہوئے کہا

بکواس نہ کرو تیمور! تم اپنے ابو سے مخاطب ہو۔

تیمور نے اس سے بھی زیادہ زور سے کہا۔

باپ سمجھ کر ہی اتنی نرمی سے بات کر رہا تھا۔ ورنہ ایسا کوئی اور گنہگار اور قوی مجرم میرے سامنے کھڑا ہوتا تو میں اس کا جسم نوچ لیتا۔ جس طرح ان دونوں نے آج مجھے مارا ہے۔ میں آگے سے ہاتھ اٹھا کر اپنا جی ٹھنڈا کر سکتا تھا۔ لیکن باپ اور بھائی کے رشتے کو ذہن میں رکھ کر خاموشی سے مار کھاتا رہا تھا۔

کامران غصے میں پستول ہلاتا ہوا آگے بڑھا۔

فضول بکواس نہ کرو۔ میں تمھیں عاق کرتا ہوں۔ چلے جاؤ یہاں۔ اب اس گھر میں تمہا

کوئی حق نہیں تیمور ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ جیب سے اپنے کمرے کی چابی نکالی اور اسے کامران کے قدموں پر پھینکتے ہوئے کہا یہ رہی میرے کمرے کی چابی۔ میں خود ہی اب یہاں رہنا نہیں چاہتا۔ جہاں انسان کی عزت نفس نہیں وہاں رہ کر ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ میں اس کے اندر رہ کر اور آپ سب کو ایک کامیاب انسان بن کر دکھاؤں گا۔ آپ کوئی میرے خدا نہیں ہیں کہ مجھ سے میرا رزق چھین لیں گے۔

تیمور سر جھکائے۔ کوٹھی سے باہر نکل گیا۔ دور ———— اپنے کوارٹر کے کونے میں کھڑی نیتو بری طرح رو رہی تھی۔

دو ہفتے گزر گئے تھے۔ تیمور نے سکول کی سروس جائن کر لی تھی اور وہ بڑی باقاعدگی سے پڑھانے جاتا تھا۔ گھر سے شاید اس نے ناطہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا اور پھر کامران نے اسے عاق جو کر دیا تھا۔ اس کا عاق نامہ اخبار میں بھی چھپ گیا تھا اور اس نے وہ اخبار سے پھاڑ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا اب اس نے اپنی رہائش مستقل طور پر مونہی روڈ کی حیدر بلڈنگ میں ہی رکھ لی تھی جہاں اس نے پہلے سے ہی ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔

جمعہ کے روز وہ اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس کی نظر اشتہاروں پر پڑی کسی کو راوی پارک میں ٹیوشن کی ضرورت تھی۔ ایف اے کی کسی لڑکی کو انگلش اور فارسی پڑھانا تھی انٹرویو کے لیے دو بجے کا وقت تھا اور ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا تیمور نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے۔ اخبار سے ان کا پتہ نوٹ کیا اور راوی پارک کی طرف چل دیا۔

ایک بے حد خوبصورت کوٹھی میں وہ داخل ہوا۔ اس وقت پونے دو بج رہے تھے جونہی گیٹ سے وہ اندر داخل ہوا کوٹھی کے ملازم نے اسے

روک کر پوچھا آپ ——— ؟ تیمور نے اس کی بات کاٹ دی ٹیوشن کے لیے آیا ہوں۔

ملازم اسے اندر لے گیا لان میں پہلے بھی کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شاید وہ بھی اسی ٹیوشن کے لیے آئے تھے۔ تیمور بھی ان میں جا کر بیٹھ گیا اور ملازم ان کا نام پوچھ کر اندر چلا گیا۔ ٹھیک دو بجے انٹرویو شروع ہوا۔ ملازم باری باری نام پکار کر امیدواروں کو اندر لے جاتا۔ انٹرویو دے چکنے والوں میں کچھ لوگ باہر نکل گئے اور کچھ دوبارہ اپنی سیٹوں پر آ کر بیٹھ گئے۔

آخر میں تیمور کی باری آئی۔ ملازم اسے ایک کمرے میں لے گیا سامنے میز پر معزز اور اعلیٰ شخصیت کی ایک خاتون بیٹھی تھی اور اس کے پہلو میں دائیں طرف دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ تیمور انہیں پہچان گیا۔ خاتون اور لڑکیوں میں ایک وہی تھیں جن کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور جن کے لیے تیمور نے ہسپتال میں خون دیا تھا وہ ——— وہ شاہینہ اور مونا دونوں ماں بیٹی تھیں دوسری لڑکی خبر نہیں کون تھی شاید ان کی کوئی رشتہ دار ہو۔ مونا پٹاخہ بنی بیٹھی تھی۔ اس کی بے پناہ خوبصورتی اور شخصیت میں ایسا نکھار تھا جیسے وہ کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہو اس کی بڑی بڑی سیاہ غزالی آنکھیں جیسے ——— جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچ لینے کے عمل میں ہو۔ شاہینہ نے اسے بیٹھنے کو کہا اور وہ ان کے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

آپ کا نام تیمور ہے؟ شاہینہ نے پوچھا

جی ہاں۔ مدہم سی آواز میں تیمور نے کہا

آپ کی تعلیم؟

ایم اے بی ایڈ

رہتے کہاں ہو؟

موہنی روڈ

شاہینہ نے پھر سوال کیا

زندگی کیا ہے

تیمور نے بے ساختہ کہا

زندگی ایک تاریک اور طویل شب کی سی ہے اور موت اس کی سحر ہے

انسانیت کا معیار کیا ہے؟

انسانیت کا معیار حسنِ سیرت اور دوسروں کے لیے قربانی ہے۔ شمع اپنے آپ فنا کر کے اوروں کو روشنی دیتی ہے۔ لوبان خود تو جل جاتا ہے لیکن محفل کو خوشبو دے جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اپنے اپنے کردار کی وجہ سے چاہی جاتی ہیں انسان بھی اگر باہم ایک دوسرے کے لیے ایسی قربانی دیں تو جو چیز حاصل ہو وہ انسانیت کا معیار ہے۔

شاہینہ مسکرا دی تھی۔ مونا بھی خوش دکھائی دے رہی تھی

شاہینہ نے پھر پوچھا

سکولوں کے استاد بدنام کیوں ہو گئے ہیں اور ان کی پہلے جیسی عزت کیوں نہیں

اس لیے کہ وہ خداوندان مکتب سے تاجران ہوس بن گئے ہیں۔

اس ویرانہ حیات کی تلخیاں اگر کسی انسان کو چڑچڑا بنا دیں تو اس سے کیسا سلوک کرنا چاہیئے

بے لوث محبت اور سلیقہ دلنوازی سے ایسے شخص کو پھر اس کی پہلی حالت پر لایا جا سکتا ہے

شاہینہ نے ملازم سے کہا

باہر جو لوگ بیٹھے ہیں انہیں کہہ دو چلے جائیں۔ ہم نے جسے رکھنا تھا رکھ لیا ملازم باہر چلا گیا تو اس نے پھر تیمور سے پوچھا۔

ٹیوشن کا کیا لینگے آپ؟

جو دے دیں گے لے لیا کروں گا۔

تو پھر سنو! اس نے مونا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میری لڑکی ہے اس کا نام مونا ہے اسے آپ نے پڑھانا ہوگا۔ ساتھ ہی اس نے دوسری لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ عرشی ہے مونا کی کلاس فیلو ہے۔ دو ہفتے قبل مونا کے ابا کار کے ایکسیڈنٹ میں مر گئے ہیں۔ یہ ایک ایسا صدمہ ہے جسے یہ برداشت نہیں کر سکی۔ اور اس غم نے اسے چڑچڑا بنا دیا ہے۔ بات بات پر دوسری سے جھگڑ پڑتی ہے۔ پڑھائی کے دوران اگر یہ کبھی آپ سے زیادتی کر جائے تو کیا میں امید رکھوں آپ برداشت کر جائیں گے

تیمور کی گردن جھک گئی

میں تو خود دونوں جہانوں کا مجرم ہوں۔ میں جینا جانتا ہوں۔ اور تلخ سے تلخ تر باتیں جذب کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔

میں آپ کی مشکور ہوں۔ اس کے علاوہ آپ کو ہمارا ایک اور کام بھی کرنا ہوگا وہ بھی کہہ دیں۔

مونا کے ابا کا جب ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تو ہم دونوں ماں بیٹی بھی اس کار میں تھیں اور زخمی ہو گئی تھیں۔ اللہ کا کوئی نیک انسان ہم دونوں کو ہسپتال لے گیا۔ وہاں اس نے مونا کے لیے خون کی بوتل بھی دی ورنہ شاید میری بچی بچ نہ سکتی۔ وہ شخص شاید اپنے آپ کو عیاں نہیں کرنا چاہتا جس لیڈی ڈاکٹر کو اس نے خون دیا تھا اسے کہہ گیا تھا کہ میرے متعلق کچھ نہ بتائیں۔ اس نے اپنا نام تک نہیں بتایا۔ ہمیں اپنے اس محسن کی تلاش ہے۔ اور اس سلسلے میں آپ بھی ہماری مدد کریں گے۔ کیونکہ مونا کے ابو کے مرنے کے بعد ہم دونوں ماں بیٹی اکیلی رہ گئی ہیں۔ میرا کوئی بیٹا نہیں اس لیے یہ کام آپ ہی کو سونپ رہی ہوں۔ ویسے اس کے لیے ہم نے اخباروں میں اشتہار بھی دے رکھے ہیں۔

تیمور کی گردن جھکی رہی

میں مقدور بھر آپ کی مدد کروں گا۔ لیکن تلاش کیوں کر کیا جا سکے گا جب کہ آپ کے پاس اس نام پتہ اور حلیہ تک ہی نہیں

شاہینہ کے بجائے اس بار مونا نے روتی ہوئی آواز میں کہا

ہمارے پاس ان کی صرف تحریر ہی ہے

تیمور نے مونا کی طرف دیکھا

مجھے دکھائیں وہ تحریر

مونا نے اپنے گلے میں لٹکتے ہوئے سنہری لاکٹ کا ڈھکن کھولا اور تہہ کیا ہوا ایک کاغذ تیمور کو تھما دیا۔ تیمور نے کاغذ کھول کر پڑھا۔ اس کی اپنی تحریر تھی۔

"میں کوئی رشی نہیں۔ پیکر خاکی ہوں۔ مجھے آپ کشتی کا مسافر سمجھ لیں جس کا کوئی ناخدا نہیں۔ یا آسمان سے ٹوٹا ہوا ایسا ستارہ جو صبح کی گرد میں کھو گیا ہو میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ میری تلاش بالکل یوں ہے جیسے کوئی ہوا کے گزر جانے والے جھونکے کو پکڑنے کی خاطر اس کے پیچھے بھاگتا رہے۔ ایک گمنام مسافر

تیمور نے ایک بار اونچی آواز میں دکھ سے کہا

ایک گمنام مسافر۔ اور کاغذ مونا کو لوٹا دیا

مونا کی پھر روتی ہوئی آواز سنائی دی

ہاں ہمیں اسی گمنام مسافر کی تلاش ہے

تیمور نے براہ راست مونا سے پوچھا

کب سے پڑھنا شروع کریں گی؟

مونا نے کاغذ تہہ کر کے اپنے لاکٹ میں رکھتے ہوئے کہا

جب بھی آپ شروع کر سکیں

میری طرف سے تو ابھی شروع کر لیں

شاہینہ کھڑی ہو گئی اور باہر نکلتے ہوئے مونا سے کہا

پہلے کتابیں لے آؤ بیٹی اور پڑھ لو

مونا دوسرے کمرے سے جا کر کتابیں لے آئی عرشی اور وہ دونوں تیمور کے سامنے میز پر بیٹھ گئیں۔ مونا نے انگلش کی کتاب کھولتے ہوئے کہا

انگلش مجھے پہلے چیپٹر سے شروع کرا دیجئے۔ فارسی کی کتاب تھوڑی بہت میں نے پڑھی ہوئی ہے آپ پہلے لیسن کی ریڈنگ کریں۔ پہلے آپ کی ریڈنگ درست کراؤں گا۔ بعد میں ترجمہ کراؤں گا۔

مونا نے پہلا لیسن HIS FIRST FLIGHT (اس کی پہلی پرواز) پڑھنا شروع کیا۔ اور تیمور بیچ بیچ میں بول کر ریڈنگ درست کراتا رہا۔ مونا جب ساڑھے چار صفحوں کے لیسن کی ریڈنگ کر چکی تو تیمور نے پہلے اسے لیسن کا لفظی ترجمہ کرایا اس کے بعد میں کہانی پہلے اردو میں اور اس کے بعد انگلش میں اسے اپنے الفاظ میں سنائی یہ ایک سمندری بگلے کی کہانی ہوتی ہے۔ جو سمندر کنارے پر ایک چٹان پر بیٹھا ہوتا ہے اور اڑنے سے ڈرتا ہے اور ہوا میں اڑتے اس کے ماں باپ اور بہن بھائی اسے بھی اڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

تیمور جب اردو کے بعد انگلش میں دہرا کر کہانی سنا چکا تو اس نے پوچھا

کچھ سمجھ آئی آپ کو کہانی کی؟

مونا نے اثبات میں سر ہلا دیا

اب فارسی کی کتاب نکالو اور کھولو جہاں سے شروع کرنا ہے

فارسی میں مونا کے کہنے پر تیمور نے اسے فارسی کے مشہور شاعر سعدی کی ایک نظم پڑھائی اور کھڑا ہو گیا

میں اب چلتا ہوں

مونا بھی کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر رکیئے میں ابھی آئی

تیمور پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ عرشی بھی اٹھی اور مونا سے اجازت لے کر چلی گئی مونا تھوڑی دیر بعد واپس لوٹی۔ اس کے ایک ہاتھ میں شیشے کا جگ تھا جس میں گرم دودھ تھا اور دوسرے میں گلاس تھا۔ دونوں چیزیں اس نے تیمور کے سامنے رکھ دیں

پیجئے!

تیمور کھڑا ہو گیا

نہیں نہیں۔ میں ... نہیں پیوں گا۔ آپ کی مہربانی آپ بیٹھ کر پئیں میں چلتا ہوں۔

مونا کا رنگ پیلا ہو گیا۔ اس نے بڑی تیزی سے کہا

دودھ ہم نے بازار سے نہیں منگوایا۔ ہماری اپنی بھینس ہے اور یہ گھر کا دودھ ہے۔ آپ نے اگر نہ پیا تو ——— تیمور دوبارہ بیٹھ گیا اور اس کی بات کاٹ کر کہا آپ ناراض نہ ہوں لائیے میں پی لیتا ہوں۔ مونا نے اسے گلاس بھر کر دیا اور اس نے پی لیا۔ مونا جب دوبارہ بھرنے لگی تو تیمور نے گلاس ایک طرف کر دیا

بس آپ کی مہربانی! جتنی ضرورت تھی میں نے پی لیا ہے۔ آپ یہ بتائیں کل سے میں کتنے بجے پڑھانے آیا کروں۔

مونا نے دودھ کا جگ میز پر رکھتے ہوئے کہا

آپ کتنے بجے آسانی سے آسکتے ہیں

میری آسانی کو چھوڑیں آپ بتائیں کتنے بجے آجایا کروں

کالج سے آنے کے بعد ایک گھنٹہ آرام کرتی ہوں۔ اس کے بعد کالج کا کچھ کام کر کے میں میوزک سکول جاتی ہوں اور پانچ بجے وہاں سے لوٹتی ہوں۔ پانچ بجے کے بعد آپ جس وقت چاہے آجایا کریں

تیمور نے بڑی حیرت سے پوچھا

آپ میوزک سکول کیا کرنے جاتی ہیں

ڈانس سیکھتی ہوں۔ مونا نے مسکرا کر کہا تھا

تیمور اور زیادہ حیرت میں ڈوب گیا

آپ ڈانس سیکھتی ہیں؟ مگر کیوں؟

مونا نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا

بس یہ میری ماں کی خواہش ہے اور میں اپنی ماں کی خواہش کو اپنی خواہش سمجھتی ہوں

تمہارے ابا بھی منع نہ کرتے تھے

وہ بھی میری ماں کے فیصلے کو اپنا فیصلہ سمجھا کرتے تھے

تیمور نے کچھ نہ کہا۔ واپس مڑا اور باہر نکل گیا

سکول سے نکل کر مونہی روڈ کی طرف جاتے ہوئے تیمور جب داتا دربار
ائیں جانب والی سڑک پر دربار کے ساتھ سے گزر رہا تھا تو اچانک اضطراری
سی حالت میں ایک جگہ رک گیا۔ سامنے روٹیوں کی ایک دوکان پر ان گنت
ب لوگ لائن بنائے کھڑے تھے اور کئی مخیر حضرات ان میں روٹیاں تقسیم
ہے تھے۔

لائن میں کھڑے ان لوگوں میں بوڑھا رحیموں بھی تھا۔ وہ ——————
ارہ پھٹی ہوئی قمیض اور بوسیدہ سا تہ بند باندھے ہوئے تھا۔ قمیض اور تہ بند
نوں ہی گرد سے لتھڑے تھے اور سر پر گرد سے لتھڑے کی ہی رسی کی سی باریک
ی باندھ رکھی تھی وہ بھی لائن میں دوسرے تباہ حال لوگوں میں کھڑا تھا۔

سب لوگ روٹیاں حاصل کرنے کے لیے شور کر رہے تھے۔ گویا
مدقوق چہروں اور بھوکی نگاہوں والے انسان ماحول خشت باری میں شیشہ گری کرنے
بوک اور آفات کی بلائیں کرنے وقت سے پہلے جاگ اٹھے ہوں۔ روٹیاں
ٹنے والے بار بار ان خزاں زدہ انسانوں کو لائن سیدھی رکھنے کو کہتے کبھی کبھی

کسی سے ناراض ہوتے اور گالی گلوچ بھی کرتے پر لائن تھی کہ بار بار ٹوٹ جا[تی]
بھوک آداب کے سانچوں میں کہاں ڈھلتی ہے اور پھر ناداروں کی عزت
غریبوں میں شرافت کیسی؟ بھوک سے دم توڑتے ان ڈھانچوں کی لائن سِ[یدھی]
نہ ہو سکی۔

کچلے مسلے پھولوں کی طرح وہ بے رنگ و بو انسان لائن میں ایک
دوسرے سے آگے ہو جانے کی جدوجہد میں یوں لگ رہے تھے،
وہ ظلمتِ شب کے کسی درماندہ کاروان کے مسافر ہوں۔ یا
وہ فریبِ مشیت کا شکار ہو کر اپنی کسی کھوئی شے کو تلاش کرتے ایک دوسرے
کی عنان چھین لینا چاہتے ہو۔ تیمور کھڑا ہو کر انہیں دیکھتا رہا۔

آہستہ آہستہ لائن کے اندر رینگتا ہوا جب رحیمو لائن میں آ[گے]
تک چلا گیا تو اپنے سر سے اس نے کورے لٹھے کی صافی اتار لی۔ اور جتنی
[روٹ]یاں ملیں وہ اس نے اس صافی میں باندھ لیں۔ لائن سے نکل کر جب وہ
ایک طرف ہٹنے لگا تو اس کا پاؤں کسی دوسرے شخص سے ٹکرایا اور وہ
منہ کے بل گندے پانی کی نالی کے قریب پکی سڑک پر گر گیا۔ تیمور بھاگ کر
بڑھا اور رحیمو کے شانے پکڑ کر اسے اوپر اٹھایا۔ رحیمو نے جونہی تیمور کو دیکھا
مسکراتے ہوئے پوچھا کہا۔

تیمور بیٹے تم؟

رحیموں کی حالت زار پر تیمور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جنہیں

منہ دوسری طرف کر کے پونچھ لیا اور پھر رحیمو سے پوچھا

چوٹ تو نہیں آئی بابا!

رحیمو نے دکھیا سے لہجے میں کہا

زندگی میں اس سے . . . بڑی بڑی چوٹیں کھائی ہیں بیٹے! یہ تو معمولی سا ایک حادثہ
ہے جو مجھ بوڑھے کے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتا

تیمور نے اس کا بازو پکڑ لیا

چلیئے گھر چلیں

رحیموں اس کے ساتھ ہو لیا۔ چلو بیٹے!

داتا دربار سے آگے جا کر تیمور نے دکھتے ہوئے لہجے میں پوچھا آپ
وہاں روٹیاں لینے کیوں چلے گئے؟

کھلی ہوئی آواز میں رحیمو نے جواب دیا

کیا کروں بیٹا! آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اپنے پاس معمولی سی پونجی ہے اگر کہیں لگ
گئی تو میں بالکل ہی ننگا ہو جاؤں گا۔ یہیں سے نوراں اور اپنے لیے روٹی لے جاتا
ہوں اور گزارہ کر لیتے ہیں۔

تیمور خاموش ہو گیا۔ باقی راستہ دونوں نے خاموشی سے کاٹا۔ تیمور اپنے
کمرے میں جانے کے بجائے رحیمو کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ وہ دونوں مکان میں
داخل ہوتے ہوتے گلی میں ہی رک گئے۔ دائیں طرف چوک میں بہت سے لوگ جمع تھے
مکانوں کی چھتوں پر بھی بے شمار مرد اور عورتیں کھڑے تھے۔ تیمور نے رحیمو سے پوچھا

ادھر کیا ہو رہا ہے بابا!

رحیموں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

وہ دونوں لڑ رہے ہوں گے

کون دونوں

وہ دونوں بدمعاش۔ ان میں سے ایک ہمارے محلے کا ہے۔ منصور اس کا نام ہے۔ یہاں محلے میں جوا بھی کھلاتا ہے۔ بڑا مانا ہوا جواری ہے لیکن اس کے کچھ امتیاز صفات بھی ہیں۔ دوسروں کی عزت کو اپنی عزت اور محلے کی ہر لڑکی کو اپنا بہن سمجھتا ہے۔ اپنی استطاعت کے مطابق غریبوں کی مدد بھی کرتا ہے۔ وہ سامنے نکڑ والا مکان اسی کا ہے۔ ماں باپ مر چکے ہیں اور اکیلا رہتا ہے اور اپنے مکان کے اندر ہی جوا کراتا ہے اور دوسرا کون ہے۔ تیمور نے پوچھا۔

وہ ساتھ والے محلے کا بدمعاش ہے۔ خنجر زنی اور چوری کی وارداتوں میں کئی بار جیل جا چکا ہے اس کا نام امجد ہے اور وہ منصور کا الٹ ہے۔ راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا ہے۔ پتہ نہیں پولیس بھی اسے کچھ نہیں کہتی۔ کم از کم مہینے میں ایک دو بار یہ دونوں اس طرح آپس میں لڑتے ہیں اور دونوں نے آپس میں معاہدہ کر رکھا ہے کہ جب دونوں میں سے جو بھی ہار گیا وہ بدمعاشی ترک کر دے گا۔

تیمور نے دعا کے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا

خدا کرے دونوں ہی ہار جائیں اور بدمعاشی ترک کر دیں۔ آؤ بابا ہم بھی ادھر ہی چل کر دیکھوں تو کیسے ہیں وہ بدمعاش۔ دونوں چوک پر آ گئے اور دوسرے

لوگوں کے اندر کھڑے ہو کر وہ ان دونوں بدمعاشوں کو لڑتے ہوئے دیکھنے لگے۔ دونوں کے کپڑے کیچڑ سے لتھڑے ہوئے ہونے کے علاوہ پھٹ بھی چکے تھے اور دونوں زیادہ دیر تک لڑنے والے مرغوں کی طرح ہانپ اور جھوم رہے تھے پھر تیمور کے دیکھتے ان دونوں کے بدمعاش ساتھیوں نے انہیں چھڑا دیا امجد اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے محلے چلا گیا اور منصور اس نکڑ والے مکان میں داخل ہو گیا۔

رحیموں اور تیمور وہاں سے مڑے اور گھر داخل ہوئے۔ دائیں جانب والے کمرے میں بوڑھی نوراں چٹائی پر بیٹھی تھی اس کے سامنے کچھ باسی روٹیاں پڑی تھیں جن کے وہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہی تھی شاید سکھانے کے لیے۔ تیمور نے اسے سلام کیا اور اس کے پاس ہی چٹائی پر بیٹھ گیا۔ نوراں نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور شفقت سے پوچھا اتنے دن تم نے چکر ہی نہیں لگایا بیٹا!

تیمور کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کاش میری ماں بھی مجھے اسی طرح پیار کرتی۔ نوراں نے پھر اسے چونکا دیا۔

چپ کیوں ہو بیٹے! کہاں رہے اتنے دن؟

تیمور نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

بس مصروف رہا ماں!

رحیموں بھی ان دونوں کے پاس بیٹھ گیا اور اس نے بھی تیمور سے پوچھا اس دن تم اس قدر جلدی میں بھاگ گئے۔ کہ تم سے کھل کر بات کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

نوراں روز مجھ سے تقاضہ کرتی رہی ہے کہ جاؤ تیمور کا پتہ کرو۔ مگر مجھے تمہارے ٹھکانے کا علم ہی نہ تھا کہاں ڈھونڈتا تمھیں۔ ہماری کوئی اولاد نہیں اس لیے نوراں تمہارے اخلاق سے متاثر ہو کر تمھیں اپنا بیٹا سمجھنے لگی ہے۔

تیمور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

مجھے تو میرے حقیقی ماں باپ بھی اپنا بیٹا نہیں سمجھتے۔ نفرت کرتے ہیں مجھ سے

نوراں نے پریشانی سے پوچھا

لیکن کیوں۔

میں بدشکل ہوں

نوراں کہیں کھو سی گئی

بدقسمت ہیں وہ ماں باپ شکلوں میں کیا رکھا ہے۔ اگر یہ کوئی عیب ہے بھی تو تمہارا اخلاق اور سیرت اس کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔ تم رہتے کہاں ہو بیٹا!

تیمور نے اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کر لیں

موہنی روڈ

کسی جگہ ؟

سیدر بلڈنگ میں

لیکن اس عمارت میں تو سب کرایہ دار رہتے ہیں

میں نے بھی وہاں کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے

اپنے گھر کیوں نہیں رہتے

تیمور کی گردن پھر جھک گئی۔

ماں باپ نے مجھے گھر سے نکال کر عاق کر دیا ہوا ہے

رحیموں اور نوراں دونوں کی گردنیں جھک گئی تھیں۔ نوراں کے چہرے سے ں ظاہر ہو رہا تھا جیسے ابھی رو پڑے گی۔ رحیموں کی آنکھوں میں بھی نمی بڑھتی جا ہی تھی۔ تیمور نے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے پوچھا۔

پ نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا کہ آپ لوگ پہلے کہاں رہتے تھے۔ یوں کہ یہ مکان جس میں آپ دونوں رہ رہے ہیں نیا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے

رحیموں نے اپنا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں موٹے وٹے آنسو تھے۔ لرزتی ہوئی آواز میں اس نے کہا

ہم دونوں تو تم سے بھی زیادہ بدقسمت ہیں بیٹے!

لیکن کیسے ؟

میرا آبائی گھر۔ اندرون شہر محلہ لٹھ ماراں میں ہے۔ اس دنیا میں لے دے کے ایک چھوٹا بھائی رہ گیا تھا۔ پر میری یا اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ بچپن میں ہی کہیں کھو گیا تھا۔ بڑا تلاش کیا پر نہیں ملا۔ تیمور نے اسکی بات کاٹ کر پوچھا محلہ لٹھ ماراں کہاں ہے۔

موچی گیٹ اور اکبری منڈی دونوں طرف سے راستہ جاتا ہے۔ اور اندرون شہر کے مشہور معروف لال کنوئیں کے پاس ہے۔

ہاں ہاں سمجھ گیا میں

میرے آباؤ اجداد مغلیہ دور سے وہاں رہتے آ رہے ہیں۔

ہم بھی اپنے اکلوتے لڑکے کے ساتھ وہیں رہتے تھے۔ لیکن شادی
بعد بیٹا بیٹا نہ رہا۔ بدل گیا۔ بس بیٹے کو میں اور نوراں نے دن رات خدا
حضور دعائیں مانگ کر حاصل کیا تھا اور جسے پالنے میں ہم نے محنت کر
دن رات ایک کر دیا تھا اس نے پہلے بیوی کے کہنے پر ہم دونوں پر سخ
شروع کی۔ پھر گالی گلوچ پر اتر آیا اور بعد میں اس نامراد کا ہاتھ بھی نو
مجھ پر اٹھنا شروع ہو گیا ——— رحیموں کچھ دیر رک گیا کیونکہ نو
سسکیاں لے لے کر رونے لگی تھی اس کی آنکھوں سے گرتی آنسو کی لڑیاں چٹائی
گرنے لگی تھیں۔ رحیموں نے دم لیا اور پھر کہنا شروع کیا۔ میرے پاس کچھ
تھا میں وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور یہاں مکان بنا کر رہنے لگا۔

میں اب بھی اس محلے جاتا ہوں۔ بیٹے سے ملنے نہیں۔ اپنی پرانی یا
سے ملنے اس محلے بیری کا ایک بہت بڑا درخت ہے۔ جو اب بھی موجود
یہ بیری پانچ سو سال پرانی ہے۔ اسی بیری کے تلے میرا بچپن بیتا تھا۔ وہیں
اپنے ہمجولیوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ اس بیری کے بوڑھے درخت سے
باپ دادا میری دادی اور ماں کی یادیں وابستہ ہیں۔ اسی بیری کے تلے میرے
دادا کا بچپن کھیلتے ہوئے گزرا تھا اور محلے کی بوڑھیاں اس کے نیچے بیٹھ
پرانے وقتوں کی باتیں اپنی بیٹیوں اور بہوؤں کو سنایا کرتی تھیں۔ بس اس بیری
درخت کو میں دیکھنے جاتا ہوں۔ میں نے اس درخت سے ایک نف
رشتہ قائم کر رکھا ہے۔ جب میں اس بیری کے تلے جا کر بیٹھتا ہوں اور ا

کے تنے کو چھوتا ہوں تو مجھے انجانا سکون ملتا ہے۔

پہلے جب میں نے آپ سے پوچھا تھا تو آپ نے کہا تھا کوئی اولاد نہیں؟

میں سب کو یوں ہی بتاتا ہوں۔ وہ بیٹا جو بیٹا نہ رہا اسے اولاد سمجھنے سے کیا حاصل؟

تیمور نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو سو روپیہ نکال کر رحیمو کی طرف بڑھایا یہ رکھ لو بابا اس سے اپنے مکان کے باہر آرام سے بیٹھ کر سبزی لگا لیا کرو۔ چار پیسے کی آمدنی شروع ہو جائیگی۔ آئندہ میں آپ کو مزدوری کرتے نہ دیکھوں آپ کی عمر آرام کرنے کی ہے۔

رحیمو شرمسار سا ہو گیا

رہنے دو بیٹے! تمہاری مہربانی

یہ آپ کو لینے ہوں گے

نہیں بیٹے میں نہیں لوں گا۔ تم خود دھکے کھانے پر مجبور ہو۔ یہ تم پر بوجھ ہوگا۔

تیمور نوراں سے مخاطب ہوا۔

ماں کیا میں تمہارا بیٹا ہوں؟

نوراں خوش ہو گئی اور تیمور کی پیشانی چوم لی۔

آج سے تم میرے بیٹے ہو

تیمور نے دو سو روپے کے نوٹ اس کی گود میں پھینک دیئے۔ تو پھر آپ کو یہ آپ کا بیٹا دے رہا ہے۔ یہ آپ کو لینا ہوں گے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور کھڑا ہو گیا۔

نوراں نے اسے روکا

بیٹھو بیٹے کھانا کھا کر جانا

تیمور مسکرایا۔ بابا جو روٹیاں لایا ہے۔ وہ مشکل سے تم دونوں کے لیے کافی ہونگی

میں اور پکا لیتی ہوں بیٹے!

تیمور باہر نکل گیا۔ نہیں میں چلتا ہوں ماں!

پھر کب آؤ گے

جب بیٹا بن گیا ہوں تو اب آتا ہی رہوں گا: اس کے ساتھ ہی وہ مکان سے باہر نکل گیا۔

مونا کی کوٹھی کے سامنے عرشی رکشہ سے اتری اور اندر داخل ہو کر سیدھی مونا کے کمرے میں گئی۔ وہ اندر میز پر بیٹھی شاید ڈائری لکھ رہی تھی عرشی کو دیکھتے ہی مونا نے فوراً ڈائری بند کر دی اور اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔ عرشی نے جھپٹا مار کر اس سے ڈائری چھین لی۔

سچ بتاؤ کیا لکھ رہی تھی۔

مونا نے بڑی بیتابی سے کہا

دیکھو عرشی! ڈائری واپس کرو۔ ورنہ ناراض ہو جاؤں گی

عرشی پیچھے ہٹ گئی اور ڈائری کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔

پہلے دیکھوں گی تم کیا لکھ رہی تھی۔ پھر لوٹاؤں گی۔ ایک صفحے پر وہ رک گئی۔ وہاں تیمور کے نام کے علاوہ کچھ اور نام بھی لکھے تھے اور سب ناموں کے نیچے کچھ نمبر دیئے ہوئے تھے۔ تیمور کے خانے میں نفی سے [illegible] دوسروں کے خانوں میں مختلف نمبر لگے ہوئے تھے جب کہ صفحے کے بالکل اوپر کل نمبر ۱۰۰ لکھا ہوا تھا۔

عرشی نے بڑی جستجو سے پوچھا

یہ تم ان ناموں کو کیسے نمبر دے رہی ہو

مونا شرم سے کچھ پیلی سی ہو گئی

یہ میری ہابی ہے جس مرد سے بھی واسطہ پڑتا ہے میں اسے نمبر دینا شروع کردیتی ہوں
کل نمبر میں نے ۱۰۰۰ رکھے ہوئے ہیں جو مرد ایک ہزار میں سے نو سو تک نمبر لے گیا
میں اس سے شادی کر لوں گی۔

عرشی نے مونا کا کان پکڑ کر پوچھا

اور اس گمنام کا کیا بنے گا جس کی تمھیں تلاش ہے

مونا چونک سی پڑی

ارے ہاں اس کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ ہم نے اخبارات میں جو اشتہارات
دیئے تھے اس کے جواب میں انھوں نے ہمیں خط لکھا ہے کہ وہ کچھ مجبوریوں
کے باعث ہمیں مل نہ سکے انھوں نے لکھا ہے وہ دو تین دن تک ہمیں
آئیں گے۔

کہاں سے خط آیا ہے؟

یہیں لاہور ہی سے۔

جب وہ مل گیا ہے تو پھر اوروں کو ڈائری میں نمبر دینے کی کیا تک ہے

مونا نے ذرا مایوس سا ہو کر کہا

پتہ نہیں وہ کس عمر کے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ شادی شدہ ہوں۔

اس کا خط کہاں ہے

امی کے پاس ہے؟

کہاں ہے امی

وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہیں

اس نے خط میں اپنا نام بھی لکھا ہے؟

ہاں فراست نام ہے اس کا

ڈائری میں تیمور کے ساتھ جو تم نے دوسرے نام لکھے ہیں یہ کون ہیں
ایسے لوگ جن سے مجھے کالج اور میوزک سکول میں واسطہ پڑتا ہے اور ان کو تم نے اتنے
اتنے نمبر دیئے ہیں۔ جب کہ تیمور کو تم نے نفی سو دیے ہیں۔ ایسا کیوں ہے
تیمور کی شکل نہیں دیکھی تم نے چیچک کے داغ جیسے چہرے پر سینکڑوں مکھیاں بیٹھی
ہوں۔ رنگ سیاہ اور شکل بھی بدصورت۔ میں نے ان کا نام ہی ڈائری میں
نہ لکھنا تھا لیکن ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر ان کا نام میں نے مقابلے میں
لکھ دیا ہے۔ اس کے سو نمبر اس کی بدصورتی کی وجہ سے میں نے پہلے سے کاٹ
لیے ہیں اب دوسروں کے ایک ہزار کے مقابلے میں اسے سو نمبر زائد
لینا ہوں گے۔

نمبر کس کس چیز کے دیتی ہو؟

بہت کچھ دیکھتی ہوں۔ مثلاً اچھی عادتوں کے اخلاق اور سیرت کے اٹھنے
بیٹھنے کھانے پینے بولنے پہننے اور انسانی جذبوں کے۔

میں تو تم سے ملنے آئی تھی

کیوں؟

چار دن کے لیے گھر جا رہی ہوں

کیوں؟

امی نے بلایا ہے ان کی صحت کچھ ٹھیک نہیں۔ کالج میں میری ایپلی

خود ہی لکھ کر دے دینا دے دوں گی

ڈانس کر آئی ہو؟

ہاں

تیمور آج پڑھانے نہیں آیا

ان کا وقت تو ہو گیا ہے بس آنے والے ہوں گے۔ وقت کے سخت پابند ہیں ا

بھی دکھی انسان ہیں

وہ کیسے

ایک روز باتوں باتوں میں ان سے چند سوال کر بیٹھی اور انھوں نے مجھے ا

متعلق کھل کر بتا دیا۔ ان کے ماں باپ مر چکے ہیں۔ اکیلے ہیں۔ اپنا کوئی مکان

نہیں۔ موہنی روڈ کی حیدر بلڈنگ کے کمرہ نمبر ۴۲ میں کرائے پر رہتے

بہت اچھا اخلاق ہے ان کا

لیکن تم نے ان سب باتوں کے اپنی ڈائری میں نمبر تو نہیں د

کل ہی تو انھوں نے اپنے متعلق بتایا تھا۔ اور آج میں ان کے نمبر لگانے

تھی کہ اوپر سے تم آ گئیں اور میں رک گئی۔

کتنے دن ہو گئے انہیں پڑھاتے ہوئے

آج ایک ماہ اور دو دن ہو جائیں گے

کچھ پیسے دیئے اسے؟

آج دوں گی

کتنے؟

امی دو سو روپیہ دے گئی ہے

کافی ہیں۔ سرشی کھڑی ہو گئی۔ اچھا میں چلی

بیٹھو کچھ کھا پی کر جاؤ

نہیں واپسی پر کھاؤں گی اور وہ چلی گئی۔ مونا نے پھر ڈائری کھولی۔ تیمور کے خانے میں کچھ نمبر لگائے اور بیٹھ کر مطالعہ کرنے لگی۔ کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ تیمور کمرے میں داخل ہوا اور مونا کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ مونا نے گھڑی دیکھتے ہوئے پوچھا

آج آپ کچھ لیٹ آئے ہیں

تیمور نے لمبا سانس لیا تھک گیا ہوں۔

ایک نئی ٹیوشن مل گئی ہے۔ اس کی وجہ سے آجکل کچھ دیر ہو جاتی ہے

آپ استاد لوگ واقعی لالچی ہوتے ہیں۔ ٹیوشن جتنی ملے پڑھاتے جائیں گے اپنی جان اور صحت تک کی بھی پرواہ نہ کریں گے

تیمور شرمندہ سا ہو گیا

ایسی کوئی بات نہیں۔ میرے پاس صرف تین ہی ٹیوشن ہیں
تین کیا کم ہیں۔ اکیلے آدمی ہیں آپ کیا کریں گے اتنا روپیہ؟
مجھ جیسے قلاش اور خانہ خراب انسان کے پاس روپے کہاں

کیوں؟ کتنی تنخواہ ہو گی آپ کی

کچھ بھی نہیں؟

وہ کیسے؟

میں N.D.V.P (این۔ ڈی۔ وی۔ پی) کے تحت کام کر رہا ہوں۔ مہینہ گزرنے کے بعد جب تنخواہ لینے این۔ ڈی۔ وی۔ پی کے آفس میں گیا تو پتہ چلا کہ وہاں لوگوں کو پچھلے سات سات ماہ سے کوئی تنخواہ ہی نہیں ملی۔

آپ کو بھی کوئی نہیں ملتی تنخواہ

نہیں

تو پھر کیسے گزارہ کرتے ہیں

بس ان ٹیوشنوں پر

کسی مستقل آسامی کے لیے اپلائی کرتا تھا؟

کئی بار کر چکا ہوں۔ لیکن کوئی انٹرویو کے لیے بلاتا ہی نہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے خیر چھوڑیے ان باتوں کو آپ کتاب کھولیں اور اگلا سبق شروع کریں۔ مونا نے چپ چاپ کتاب کھول لی۔ تیمور نے پہلے انگلش کا ایک آدھا چیپٹر اور نظم پڑھائی اور پھر فارسی کی ایک کہانی اچھی طرح پڑھانے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔

میں اب چلا۔

مونا بھی کھڑی ہو گئی۔ ایک منٹ رکیے میں ابھی آئی۔ وہ دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی۔ تیمور پھر بیٹھ گیا تھوڑی ہی دیر بعد مونا واپس آئی اور سو سو کے دو نوٹ تیمور کے سامنے رکھ دیئے۔

آپ کی ٹیوشن

تیمور نے روپے جیب میں ڈال لیے۔ مونا پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ ایک خوش خبری بھی سناؤں آپ کو تیمور نے یوں ہی پوچھ لیا

کیا؟

وہ گمنام مسافر جس کی ہمیں تلاش تھی۔ مل گیا ہے

تیمور نے چونک کر پوچھا

کیا ——— یا ——— یا

انھوں نے ہمیں خط لکھا ہے۔ ہمارے ان اشتہاروں کے جواب میں جو ہم نے اخبارات میں چھپوائے تھے امید ہے پرسوں یا اترسوں وہ ہمارے ہاں آئیں گے ان کے آنے پر یہاں ایک عظیم پارٹی اور جشن کا انتظام کیا جائے گا

تیمور کی گردن جھک گئی اور وہ کچھ سوچنے لگا

مونا نے اسے پھر چونکا دیا۔ کہاں ڈوب گئے

تیمور نے آہستہ آہستہ گردن اوپر اٹھاتے ہوئے کہا

آپ لوگوں کے پاس کیا ثبوت ہو گا کہ وہ وہی ہے جس نے آپ کے لیے خون دیا تھا

اور جس کی آپ کو تلاش ہے

مونا نے غصے کا اظہار کیا

پڑھے لکھے ہو کر آپ نے کیسی جاہلوں والی بات کی ہے

جاہلیت کی تو ایسی کوئی بات ہی نہیں

آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے

میرا خیال تو یہی ہے

مونا کا چڑچڑا پن پوری طرح عود کر آیا

تو پھر آپ بکواس کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر کوئی اور آپ نے بکواس کی تو طمانچے مار کر منہ لال کر دوں گی آپ میرے اس محسن کے خلاف بول رہے ہیں جس نے بڑ نئی زندگی دی ہے۔

تیمور پھر بول پڑا

اس کا ثبوت کیا ہو گا

مونا نے پوری قوت سے چلا کر کہا

بکواس بند کیجئے اور دفع ہو جائیے یہاں سے۔ جیسی آپ کی شکل گندگی کا ڈھیر ہے دل ہی آپ کی باتیں بھی بیہودہ ہیں۔ آپ کا تعلق کس نیچ خاندان سے ہے۔ شاید میں آپ کو سمجھنے میں غلطی کی ہے ——— مونا خبر نہیں کیا کیا کہتی ر لیکن تیمور اس سے آگے کچھ نہ سن سکا تھا۔ کیونکہ وہ غصے کی حالت میں اُٹھ باہر نکل گیا تھا۔

مونا کی کوٹھی سے نکل کر تیمور تھوڑی دور ہی گیا ہو گا کہ اسے اپنے سامنے فاصلے پر نیتو آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا۔ اس نے بھی تیمور دیکھ لیا تھا اور مسکراتی ہوئی آ رہی تھی۔ تیمور کے قریب آتے ہی اس نے پوچھا

کیسے ہو بھیا!

تیمور بھی مسکرانے لگا تھا۔ دیکھ لو جی رہا ہوں

گھر گئے تھے؟

نہیں یہاں اپنے ایک دوست کے ہاں گیا تھا

کہاں رہ رہے ہیں؟

یہیں اسی شہر میں؟

پورا پتہ بتایئے نہ تاکہ جب میں نے ملنا ہو آپ سے مل سکوں

تم اوروں کو بھی بتا دوں گی؟

کیا آپ کو اپنی بہن سے ایسی امید ہے

موہنی روڈ کی حیدر بلڈنگ کے ۲۴ نمبر کمرے میں رہتا ہوں۔ اچھا میں اب چلا

تیمور آگے بڑھ گیا۔ نیتو بھی اپنی راہ چل دی۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر تیمور کو لیتی تھی۔ گویا وہ اس کا سگا بھائی ہو اور اس سے چھنا جا رہا ہو۔

موناکو ٹیوشن پڑھانا تیمور نے چھوڑ دیا تھا۔ بے عزتی کر کے گھر سے
نکال جو دیا گیا تھا۔ سکول میں آج جب وہ دسویں کو اردو پڑھانے کے لیے
کلاس میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا۔ ٹیچر کی کرسی اور میز دونوں فرش پر ادھر ادھر
الٹے پڑے تھے۔ اور کلاس کے تختہ سیاہ پر اس کے خلاف نعرے لکھے
ہوئے تھے۔ تیمور نے ایک بار کلاس کا جائزہ لیا پھر اس کی نظریں بلیک بورڈ
پر جم کر رہ گئیں اور وہ وہاں لکھے ہوئے نعرے پڑھنے لگا

سکھ شاہی بند کرو!

ظالم اساتذہ مردہ باد۔ مظلوم طالب علم زندہ باد

ساری دسویں کے داخلے بھجواؤ!

بیٹھکی بند کرو۔ طالب علموں کی لوٹ کھسوٹ بند کرو

چندہ بازی کو روکا جائے

تیمور نے مانیٹر کی طرف دیکھا وہ کھڑا ہو گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنی صفائی پیش کی۔

سر! یہ ساری حرکت طاہر علوی کی ہے۔ دوسرے پیریڈ میں بھی اس
یہی حرکت کی تھی اور مار بھی کھائی تھی۔ میں روکتا ہوں لیکن مجھے مارنے کو آتا
.. مانیٹر آگے بڑھ کر میز اور کرسی سیدھے کرنا چاہیے لیکن تیمور نے
ے روک دیا۔ خود اس نے میز اور کرسی سیدھے کیئے بلیک بورڈ پر لکھے
ئے نعرے بھی ڈسٹر سے صاف کیئے۔ پھر کلاس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی
ے اس نے کہا

طاہر علوی کھڑے ہو جائیں

پتلے سے بدن اور معصوم چہرے والا ایک لڑکا خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

تیمور پھر بولا

آگے آؤ

طاہر آگے بڑھ کے تیمور کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں مانیٹر بولا

سر! چھڑی لاؤں؟

تیمور نے سر کے اشارے سے اسے منع کر دیا اور طاہر سے پوچھا

آپ یہ حرکتیں کیوں کرتے ہیں طاہر!

طاہر نے منہ بسورتے ہوئے کہا

یہ احتجاج ہے سر! ہم انصاف مانگتے ہیں

کیسا احتجاج؟ کیسا انصاف!

سر! جب حکومت نے فیس معاف کر دی ہے تو سکول میں ہمیں کیوں

لوٹا جاتا ہے۔ سکول ٹائم کے بعد زبردستی پوری کلاس کو روک کر پڑھایا جاتا اور ہر لڑکے سے دس روپے وصول کئے جاتے ہیں اور لوٹنے کے اس طریقے کا نام دیا گیا ہے۔ اگر کوئی لڑکا پیسے نہ دے تو اس کی جیبوں تک کی تلاشی جاتی ہے۔

تیمور نے بڑی تشویش سے پوچھا

کون پڑھاتا ہے بیٹھکی

سکول کا ہر استاد کسی نہ کسی کلاس کو سکول ٹائم کے بعد بیٹھکی پڑھاتا ہے لڑکوں کی کھال اتارتا ہے۔ دسویں کی دونوں کلاسوں کو انگلش اور حساب سکول کے بعد بیٹھکی پڑھاتے ہیں دونوں کلاسوں میں ڈیڑھ سو لڑکا ہے۔ اور سے زبردستی ہر ماہ دس روپے وصول کیے جاتے ہیں جو لڑکا نہ دے اسے سکول خارج کرنے یا داخلہ نہ بھجوانے کی دھمکی دی جاتی ہے۔

ہیڈ ماسٹر سے بات کی ہے؟

ہیڈ ماسٹر سے کیا بات کریں سر! وہی تو ہمیں انگلش پڑھاتے ہیں اور کا آدھا حصّہ وصول کرتے ہیں تیمور سوچوں میں کھو گیا۔ اچھا بیٹھ جاؤ میں کروں گا۔

دوسرے روز طاہر نے تیمور کے پیریڈ سے پہلے میز کرسی الٹ کر بورڈ پر لکھ دیئے تھے۔ دوسرے روز بھی تیمور نے خود ہی میز کرسی اٹھائے اور بورڈ بھی صاف کیا۔ طاہر شاید تیمور کے اس اخلاق سے متاثر ہو گیا تھا کہ

بگاڑا ہوا کام خود ٹھیک کرنے کی زحمت کرتے ہیں لہٰذا اِس پر کچھ نفسیاتی اثر ہوا اور اس نے کم از کم تیمور کے پیریڈ میں شرارتیں بند کر دیں۔

تیسرے روز تیمور کا پیریڈ خالی تھا۔ وہ جب دسویں کلاس کے سامنے سے گزر کر سٹاف روم کی طرف جا رہا تھا تو اس نے دیکھا عربی پڑھانے والے مولوی صاحب طاہر کے ہتھوں پر زور زور سے بید مار رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ چلاتے بھی جا رہے تھے۔

باغی! نافرمان!

بدمعاش! غنڈہ!

شراک ہوم کے بچے تجھے روز نئی شرارتیں سوجھتی ہیں

مارنا بند کرتے ہوئے مولوی صاحب نے پوچھا

کب بند کرو گے یہ شرارتیں؟

طاہر نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں بغلوں کے اندر دبا کر تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے کہا بیٹھکی بند ہو جائے سر!

مولوی صاحب نے بیزاری سے کہا

جو بیٹھکی پڑھاتے ہیں ان کی سینہ کوبی کرو۔ میرا دماغ کیوں چاٹتے ہو

تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا

کیا ہوا مولوی صاحب

انھوں نے بڑی عاجزی سے کہا

اس طاہر کے بچے نے ناک میں دم کر رکھا ہے ماسٹر صاحب
پیار سے سمجھائیں لٹھ بازی کیوں کر رہے ہیں

یہ قوم ہی ڈنڈے کی ہی جناب! یہاں پیار کو کون مانتا ہے مولوی صاحب کمرے
باہر آ کر تیمور کے پاس کھڑے ہو گئے اور دکھ سے کہا

آج کل سکولوں کے ماحول کا خدا ہی حافظ ہے۔ اُستاد اپنے قابلِ احترام پیشے سے
گر کر لوٹ ماری پر اتر آئے ہیں۔

تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا

اور آپ نے بید ماری شروع کر دی ہے

مولوی صاحب نے اپنی وکالت کی

چھڑی کے بغیر بچے نہیں پڑھتے

نہیں مولوی صاحب مجھے آپ سے اختلاف ہے۔ آجکل بی ایڈ میں بچوں کی
نفسیات، گائیڈنس اور ایڈمنسٹریشن کے مضمون اس لیے پڑھائے جاتے ہیں کہ
اُستاد بہتر طور پر بچوں کے ذہنی رجحان کو سمجھ کر ان کی بہتر اور صحیح رہنمائی کریں۔ چھڑی
کے زور سے پڑھانا پرانا اور فرسودہ طریقہ ہے۔ ہر عمل سے کچھ آوازیں وابستہ ہوتی
ہیں۔ پڑھائی بھی ایک عمل ہے اس میں اگر تھوڑا بہت شور ہو تو در گزر کرنا پڑتا ہے۔ کلاس
میں قبرستان کا سا سکوت تو ہو نہیں سکتا۔ میں اسے سمجھاتا ہوں۔

طاہر مسکراتا ہوا باہر آیا۔ اور تیمور کے قریب آ کر کہا
سر! میں جانتا ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ شرارتیں

نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے ساتھ اپنی بات کرتا ہوں میرا صرف ایک بھائی ہے اور
والدہ ہے اور مشکل سے گزارا ہوتا ہے ہم یہ اوپر کے اخراجات برداشت نہیں
کر سکتے ———— طاہر کہتے کہتے رک گیا۔ ایک لڑکا بھاگتا ہوا آیا تھا اور
تیمور سے کہا سر! باہر دو عورتیں آپ کو بلا رہی ہیں۔

طاہر کلاس میں چلا گیا۔ تیمور باہر آیا۔ سکول کے گیٹ کے ایک طرف مونا
ی کار کھڑی تھی اور اس میں مونا اور اس کی امی شاہینہ بیٹھی تھیں۔ تیمور ان کے قریب
لیا اور شاہینہ کو سلام کہہ کر خاموشی سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ شاہینہ دکھتے لہجے
میں کہا ہم سے روٹھ گئے ہو بیٹے!

تیمور نے آہستہ آہستہ گردن اُوپر اٹھائی

جی نہیں

پھر اتنے روز سے مونا کو پڑھانے کیوں نہیں آ رہے۔ میں نے تمھیں
ابھی تھا کہ مونا اپنے چڑچڑے پن کی وجہ سے اگر کوئی زیادتی کر جائے تو
داشت کر جانا۔

تیمور نے کچھ بھی نہ کہا اور گردن پھر جھکا لی

شاہینہ پھر بولی
جس گمنام مسافر کی ہمیں تلاش تھی وہ مل گیا ہے۔ اور آج ہی ہمارے ہاں آیا
ہ۔ کل اس کی خوشی میں ہم ایک پارٹی کا بندوبست کر رہے ہیں۔ جس میں آپ بھی
ل ہوں گے تیمور چونک اٹھا

کب آیا وہ؟

آج ہی دس بجے کے قریب آیا ہے۔ تم آج مونا کو پڑھانے آؤ گے نا؟

تیمور نے اس بار سر اوپر اُٹھا کر ایک عزم کے ساتھ کہا

میں ضرور آؤں گا۔

شاہینہ نے مونا کو چلنے کے لیے کہا۔ مونا نے کار سٹارٹ کر کے جب چ

تو شاہینہ نے دروازے سے مُنہ نکال کر پھر کہا

ضرور آنا بیٹے بھول نہ جانا

گیٹ کی طرف جاتے ہوئے تیمور نے کہا

بے فکر رہیے میں اپنے وقت پر ضرور آؤں گا

شام پانچ بجے جب وہ پڑھانے گیا تو مونا ایک خوبصورت نوجوان کے س لان میں کرسی پر بیٹھی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس آواز دی۔

ادھر ہی آجائیے!

تیمور دائیں طرف مڑا اور ان دونوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اس لڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مونا نے تعارف کرایا۔ ان سے ملیے یہ ہیں وہ مسافر جن کی ہمیں تلاش تھی ان کا نام فراست ہے۔ پھر اس نے اس نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا اور یہ میرے ٹیوٹر ہیں۔ تیمور ان کا نام ہے۔ فراست نے کھڑ ہو کر تیمور سے ہاتھ ملایا پھر مونا سے کہا۔

تم پھر پڑھ لو جا کر

مونا کھڑی ہو گئی

آپ یہیں بیٹھیں گے؟

میں اندر کمرے میں جا کر بیٹھتا ہوں۔

چلیے پھر میں بھی پڑھ کر وہیں آتی ہوں پھر شاپنگ کے لیے بازار چلیں گے۔ تیمور کے ساتھ وہ اپنے کمرے میں آئی۔ اور پڑھنے لگی۔ تیمور بے حد سنجیدہ تھا جیسے وہ بہت بڑی الجھن میں پڑ گیا ہو۔ جب وہ اسے پڑھا چکا تو مونا کھڑی ہوئی اور غزل خواں نگاہوں سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ ناراض ہو کر چلے گئے تھے میں اپنی اس روز کی زیادتی کی معافی مانگتی ہوں۔ شاید آپ اب بھی مجھ سے ناراض ہیں تیمور نے سر جھکا لیا اور دکھ سے کہا۔

لوگ تو مجھے انسان ہی نہیں سمجھتے۔ کافر اور زندیق جانتے ہیں۔ جانور اور حیوان کہہ کر پکارتے ہیں۔ بھلا حیوان بھی کبھی انسانوں سے ناراض ہوتے ہیں۔

مونا نے بڑی نرمی سے کہا

لوگ آپ کو غلط سمجھتے ہیں۔ آپ یقیناً بہت بلند کردار ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھے میں آپ کے لیے دودھ لاتی ہوں۔ جانا نہیں

مونا جب باہر نکل گئی۔ تو تیمور بھی کمرے سے باہر آیا اور سیدھا اس کمرے کی طرف گیا جس میں فراست بیٹھا ہوا تھا۔ مونا نے اسے دیکھ لیا تھا اور وہ بھی دودھ کا گلاس لیے ادھر ہی چلی گئی تھی۔

تیمور بڑی تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اور قہر آلود نگاہوں سے فراست کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تم کون ہو؟ کہاں سے آئے اور یہ سارا فراڈ تم نے کیوں کھیلا ہے؟

فراست بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحہ مونا ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے کمرے میں داخل ہوئی اور غصّے میں چلا کر تیمور سے کہا

یہ کیا بدتمیزی ہے۔ آپ یہاں کیوں آئے؟

تیمور نے آگے بڑھ کر فراست کا گریبان پکڑ لیا۔

سور! مُنہ سے کچھ بولو۔ خاموش کیوں ہو۔ کیا تم نے مونا کو خُون دیا تھا؟ —— مونا تیزی سے آگے بڑھی دودھ کا گلاس بائیں ہاتھ میں لیکر دائیں ہاتھ سے اس نے خوب زور دار طمانچے تیمور کے مُنہ پر دے مارے۔

کمینے! تم نے ان کا گریبان کیوں پکڑا۔ لوگ ٹھیک ہی تمھیں انسان نہیں سمجھتے تم حیوان جانور۔ کمینے اور ذلیل ہو۔ اپنی جانوروں جیسی شکل دیکھو۔ تم —— تیمور نے اپنا الٹا ہاتھ مونا کے منہ پر دے مارا اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی دُور جا گری۔

دودھ کا گلاس اِس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گرا اور چور چور ہو گیا۔

تیمور نے پھر فراست کا گریبان پکڑ لیا اور زوردار ایک تھپڑ اِس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا حرام خور! دھوکے باز! تم نے کہاں؟ کس جگہ اور کس ڈاکٹر کو مونا کے لیے خون دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کس نے خون دیا۔ میں تمھیں اس لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گا جس نے خُون لیا تھا۔ سچ سچ بتا دو ورنہ مار مار کر الو بنا دوں گا۔ مونا کھڑی ہو گئی تھی اور تیمور کی باتیں بڑی حیرت

سے سن رہی تھی۔

تیمور نے غصّے میں لگاتار فراست کو مارنا شروع کر دیا

سچ سچ بول دو۔ ورنہ میرے ہاتھوں مر جاؤ گے۔ کیا تم نے مونا کو خون دیا تھا اُس نے مدھم آواز میں کہا

نہیں

مونا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمرے سے باہر شاہینہ اور گھر کے ملازم بھی اکٹھے ہوئے تھے اور حیرت اور پریشانی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے

تیمور نے پھر پوچھا

تم نے اس معصوم لڑکی سے دھوکہ کیوں کیا؟

فراست نے گھٹنے پکڑ لیے

غلطی ہو گئی۔ معاف کر دو

تیمور نے مارنا بند کر دیا اور مونا کی طرف دیکھتے ہوئے غصّے میں چلا کر کہا

سنبھالو اب اپنے عاشق کو۔ تمھیں اگر اتنی ہی محبت کرنی آئی ہوئی ہے تو باہر سڑک پر کھڑے ہو کر زور زور سے چلاؤ۔ لوگو! میں محبت کرنا چاہتی ہوں۔ تمہارا حسن اس قابل ہے کہ لوگوں کی لائن بندھ جائے گی۔ خدا نے تمھیں ذہن دیا ہوا ہے اپنا برا بھلا اور دوست دشمن پہچانو

مونا کی گردن جھک گئی تھی اور وہ شرمندہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ تیمور کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک دم مونا جیسے چونک پڑی اور فراست کی

طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے ملازموں سے کہا۔

یہ دھوکہ باز ! اور حرامی ہے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دو۔ پھر وہ تیمور کے پیچھے بھاگی وہ کوٹھی کے گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ مونا نے چلا کر اسے پکارا۔

رُک جایئے!

لیکن تیمور رکا نہیں۔ مونا اسے پکارتی ہوئی گیٹ تک آئی۔ لیکن تیمور تو سڑک پر دُور جا چکا تھا۔ مونا سر جھکائے واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئی ملازموں نے فراست کو مار مار کر کوٹھی سے باہر پھینک دیا تھا۔

کالج کے گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے مونا نے اپنے ساتھ چلتی ہوئی عرشی سے کہا عرشی! ہوسٹل کے بجائے میرے ساتھ چلنا ہے

عرشی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

کوئی خاص بات ہے آج ؟

ہاں ایک ڈرامہ کھیلنا ہے

کیسا ڈرامہ

وہ جس شخص نے ہمیں خط لکھا تھا کہ میں گمنام مسافر ہوں وہ دھوکہ باز اور جھوٹا ثابت ہوا

وہ کیسے ؟

جس روز وہ ہمارے ہاں آیا۔ تیمور نے اس سے بات کی اسے مار اچھی اس طرح وہ مان گیا کہ میں نے خون نہیں دیا شاید وہ ہمارے اشتہار اخبار میں پڑھتا تھا اور ہمارے ساتھ کوئی چال چلنا چاہی۔

پھر اب کیا کرنا چاہتی ہو؟

تیمور کی اس روز کی بات چیت سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس
نے ہی مجھے خون دیا تھا۔ پہلے دونوں ہسپتال چلتی ہیں۔ وہاں سے اس ڈاکٹر کو
ساتھ لے کر گھر چلیں گے جس نے میرے لیے خون حاصل کیا تھا۔ تم گھر
پر لیڈی ڈاکٹر کے پاس رہنا اور میں آ کر تیمور کو لے جاؤں گی۔ اور دا
پتہ چل جائے گا کہ خون دینے والا تیمور ہی تھا یا کوئی اور

اگر تیمور ہوا تو کیا تم اس سے شادی کرنا پسند کرو گی

کیوں نہیں؟

اس کی شکل؟ جسے تم گندگی کا ڈھیر کہا کرتی ہو

میں انکی شکل کو بھول جاؤں گی اور انہیں ایسا پیار دوں گی کہ وہ اپنے ہر
اور دکھ کو بھول جائیں گے

عرشی نے خدشہ ظاہر کیا

اگر تیمور نے تمھیں اپنے دل میں جگہ نہ دی پھر؟

مونا کچھ اداس ہو گئی

ہاں یہ تو ہے۔ میں ان پر اپنی محبت کا اظہار نہ کروں گی جب مجھے اطمینا
ہو جائے گا کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں تو میں کھل کر اپنی محبت کا
اظہار کر دوں گی۔ اس دوران میں انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی
رہوں گی اگر کامیاب ہو گئی تو میری خوش قسمتی ہو گی۔ ورنہ میں پوری زندگی شاد
نہ کروں گی اور انکی پرستش کرتی رہوں گی۔

عرشی نے پھر ٹھوکر لگائی

ایسی ہستی کی پرستش جس کے متعلق تم کہاں کرتی تھی کہ اس کا چیچک کے داغ بھرا
چہرہ ایسا ہے جیسے ہزاروں مکھیاں بیٹھی ہوں۔

مونا فوراً سنجیدہ ہو گئی

اب ان کے متعلق ایسے الفاظ استعمال نہ کرنا

عرشی اس کا کان پکڑ لیا

تکلیف ہوتی ہے کیا؟

مونا کہیں دور سے بولی

ہاں

سامنے ہی مونا کی کار کھڑی تھی۔ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور مونا
نے ڈرائیور کو ہسپتال چلنے کو کہا۔ ڈرائیور نے کار چلا دی اور ہسپتال کے
اندر لا کھڑی کی۔ مونا عرشی کے ساتھ باہر نکلی اور ایک وارڈ کے آفس
میں داخل ہوئی۔ اندر وہی لیڈی ڈاکٹر بیٹھی مریضوں کی ہسٹری شیٹس دیکھ
رہی تھی جس نے تیمور سے مونا کے لیے خون لیا تھا۔ مونا کو دیکھتے ہی وہ بڑی
خوش اخلاقی سے پیش آئی

آؤ مونا۔ آج کیسے بھول ہو۔ اس نے سامنے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ بیٹھو۔

مونا اور عرشی دونوں بیٹھ گئیں

لیڈی ڈاکٹر اپنی سیٹ سے اٹھی۔ میں تمھارے لیے چائے منگواؤں۔ مونا

نے اسے پکڑ کر بٹھا دیا جائے گھر چل کر بیٹھیں گے۔ میں آپ کو لینے پہلے

ہوں۔

کیوں؟

اسی گمنام مسافر کو پہچاننے کے سلسلے میں جس نے مجھے خون دیا تھا

کیا تم نے اسے تلاش کر لیا ہے

ایک شخص پر شک تو ہوا ہے۔ ان دنوں وہ میرے ٹیوٹر ہیں۔ اب

فیصلہ تو آپ ہی اسے پہچان کر کر سکتی ہیں

اس وقت کہاں ہے وہ؟

پہلے آپ کو گھر چھوڑ کر اسے لینے جاؤں گی۔ تاکہ آپ اپنا فیصلہ

ساتھ جانے سے انکار نہ کیجئے گا۔ آپ جانتی ہیں یہ میری زندگی

کا مسئلہ ہے

میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں

تو پھر آئیے!

تینوں اٹھ کر باہر آئیں اور گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ مونا نے لیڈی ڈ

گھر لا کر اس کمرے سے ملحقہ ایک کمرے میں بٹھایا جس کے اندر

کر تیمور سے پڑھتی تھی۔ ملازمہ سے مونا نے کھانا لانے کو کہا اور پھر

مخاطب کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر جاتی ہوئی بولی

سرشی! تم ڈاکٹر کو کھانا کھلاؤ اور خود بھی کھا لو۔ میں بعد میں کھاؤ

میں تیمور کو لے آؤں۔

مونا نے خود گاڑی سٹارٹ کی اور کوٹھی سے باہر نکل گئی۔ مونہی روڈ کی

ر بلڈنگ کے سامنے اس نے کار کھڑی کی۔ عمارت کی سیڑھیاں چڑھی اور ۴۲ نمبر

کے دروازے پر دستک دی۔ کمرے کے اندر سے تیمور کی آواز سنائی دی۔

اندر آ جائیے!

مونا نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ کمرے کے وسط میں تیمور چٹائی

بیٹھا پیاز اور پودینے کی چٹنی بنا رہا تھا۔ مونا جب اندر داخل ہوئی تو لمحہ بھر

لیے چونکا۔ پھر پہلے کی طرح چٹنی بنانے لگا۔ مونا سے اس نے

ئی بات نہ کی تھی۔ مونا آگے بڑھی اور بستر پر بیٹھتی ہوئی بولی

کیا کر رہے ہیں

تیمور نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا

مونا بستر سے اٹھ کر اس کے سامنے چٹائی پر بیٹھ گئی

میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟

تیمور نے غصے میں کہا

میرے پاس تمہاری باتوں کا کوئی جواب نہیں

میں آپ کو لینے آئی ہوں میرے ساتھ چلیے

کسی اور کو ٹیوٹر رکھ لو۔ میں اب تمہارے ہاں نہیں جاؤں گا۔

میں تو لے کر جاؤں گی

تیمور نے طنزاً کہا

اب پولیس کے حوالے کرنا ہوگا

مونا قہقہہ لگا کر ہنس دی

میرے ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرنے کی جرات

کر سکتا۔ مونا نے تیمور کا بازو پکڑ لیا اٹھئے چلیں۔

تیمور نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا

میں نہیں جاؤں گا

مونا نے تیمور کے پاؤں پکڑ لئے۔ معاف کر دیں۔ اب بھی آپ اگر میرے

جانے پر رضامند نہ ہوئے تو میں سمجھوں گی کہ آپ اوروں کو اپنے آپ سے حقیر

میں اور آپ کو انسانوں سے نفرت ہے تیمور نے دکھ سے کہا۔

میں خود انسان نہیں ہوں۔ میں انسانوں سے نفرت کیا کروں گا۔

میری زندگی تو اس تباہ حال خیمے کی سی ہے جو طوفانوں میں پھٹ کر بکھر گیا ہو۔

دنیا میں اجنبی ہوں۔ جائیے چلی جائیے۔

آپ کا یہاں کیا کام؟

مونا بیچاری کہیں کھو کر رہ گئی

مجھے کسی کی تلاش لائی ہے

تیمور انجان بنا رہا

کس کی تلاش

مونا جذبات میں ڈوب گئی

ان پرندوں کی تلاش جو لیموں کی شاخوں میں اپنی آزاد صبحوں کی ابتدا کرتے
ہیں۔ ایسے ٹھکانے کی جستجو جہاں امن پسند فاختاؤں کا بسیرا ہو

میں وحشت کا ایک خار زار اور خزاں زدہ انسان ہوں۔ میں کسی کو کیا دوں گا
مجھے تنہا چھوڑ دو۔

آپ کی وساطت سے مجھے بہت کچھ مل سکتا ہے روشنیوں سے معمور ایک گھر
جس میں محبت کی بازگشت ہو۔ فراست کو مارتے وقت آپ نے کہا تھا کہ آپ اس شخص
کو جانتے ہیں جس نے مجھے خون دیا تھا۔

تیمور کھڑا ہو گیا

میں آپ کو کچھ نہیں دے سکتا۔ تیمور باہر نکل گیا۔ بلڈنگ کے سامنے علی احمد
تنور والے کے پاس وہ گیا۔ اور دو روٹیاں رومال میں لپیٹ کر لے آیا۔ مونا
خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تیمور نے پانی کا جگ اور گلاس پاس رکھے اور چٹائی پر بیٹھتے
ہوئے اس نے ہلکی سی آواز میں مونا سے کہا

کھانا کھا لو!

مونا نے رومال میں لپٹی ہوئی روٹیاں سیدھی کیں اور لقمہ توڑتے ہوئے کہا
مزیدار کھاؤں گی

دونوں خاموشی کے ساتھ کونڈے کے اندر ہی لقمے لگا لگا کر پیاز اور پودینے
کی چٹنی سے کھانا کھانے لگے۔ روٹیاں جب ختم ہو گئیں تو تیمور کھڑا ہو گیا۔

ٹھہریں اور روٹیاں لاتا ہوں

مونا نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا

آپ میرے ساتھ چلئے۔ کھانے کی یہ کمی وہاں پوری کرلیں گے۔ اب اگر

آپ نے جانے سے انکار کیا تو مونا آپ کے کمرے کی دیواروں سے

ٹکرا کر یہیں مرجائیں گی۔

تیمور شاید ہار مان گیا۔

میں نے پہلے کریم پارک جانا ہے۔ تم جاؤ میں پانچ بجے تمہارے پاس آجاؤں گا

کریم پارک کس کے پاس؟

وہاں میرے منہ بولے ماں باپ رہتے ہیں

پہلے آپ میرے ساتھ چلئے۔ پھر میں خود آپ کو گاڑی میں کریم پارک چھوڑ آؤں گی

باہر بادل امڈ رہے ہیں اور بارش بھی ہونے والی ہے

تو کیا ہوا میں گاڑی لاتی ہوں

تم گاڑی میں چل کر بیٹھو۔ میں کپڑے بدل کر آتا ہوں

مونا مسکرا دی۔ اور دعا کے انداز میں دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے

دل میں کہا اللہ تیرا شکر ہے۔

مونا کار میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔ تیمور بھی ڈریس تبدیل کر کے نیچے آیا۔ مونا نے

کار کا اگلا دروازہ کھول دیا اور تیمور چپ چاپ اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مونا نے

کار سٹارٹ کردی۔ وہ بے حد خوش دکھائی دے رہی تھی۔

گھر آ کر اس نے تیمور کو اسی کمرے میں بٹھایا۔ جہاں وہ پہلے بیٹھ کر

پڑھا کرتی تھی۔ خود وہ ساتھ والے کمرے میں آئی۔ وہاں لیڈی ڈاکٹر اور عرشی بیٹھی

تھیں۔ مونا نے ڈاکٹر سے کہا میں نے انہیں کمرے میں بٹھا دیا ہے۔ آپ

دروازے کے پردے کی اوٹ میں ہو کر دیکھیں یہ وہی ہیں جنہوں نے میرے لیے

خون دیا تھا۔

ڈاکٹر اٹھی۔ پردے کے پیچھے اپنا آپ سمیٹ کر اس نے دیکھا۔ پھر

واپس مڑی اور مونا سے کہا

یہ تو وہی ہے

مونا خوشی میں پھول کی طرح کھل اٹھی۔ عرشی نے اس کے چٹکی لیتے ہوئے کہا

مبارک ہو!

مونا کی خوشی بے پناہ تھی۔ آپے سے باہر ہوتے ہوئے اس نے پوچھا

آپ لوگوں نے کھانا کھا لیا؟

ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ہم نے کھانا کھا لیا ہے۔ مجھے اب اجازت دو۔ بہت دیر ہو

گئی۔ عرشی بھی بول پڑی۔ میں بھی چلتی ہوں مونا باہر چل دی۔

آیئے پھر۔ ڈرائیور کو اس نے گاڑی نکالنے اور لیڈی ڈاکٹر اور عرشی

کو گھر چھوڑ آنے کو کہا۔ ڈرائیور نے گاڑی نکالی اور وہ دونوں بیٹھ کر چلی گئیں۔

ملازم کو اپنے اور تیمور کے لیے کھانا لگانے کو کہا۔ پھر اس نے اپنی کتابیں سنبھالیں

اور تیمور کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اور چہکتے ہوئے کہا پہلے کھانا کھاتے ہیں، بیں پڑھیں گے۔

تیمور نے کرسی پر پہلو بدلا

میں تو نہیں کھاؤں گا

مونا نے اپنی زمرد ریز پلکیں تیزی سے جھپکاتے ہوئے پوچھا

کیوں نہیں کھائیں گے

کھانا میں کھا تو آیا ہوں

وہ کوئی کھانا تھا۔ وہ روٹیاں اور تھوڑی سی چٹنی جس میں ایک دوا تے کھائی تھی آپ کا تو اس سے کچھ بھی نہ بنا ہوگا۔

تیمور نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ ملازمہ کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے دروازے پر آئی اور مونا سے پوچھا

کھانا یہیں لے آؤں بیٹی! یا ڈائننگ روم میں لگاؤں

مونا نے میز سے کتابیں اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے

یہیں لے آؤ اماں! ملازمہ جب کھانے کے برتن لگا کر چلی گئی تو مونا

چلئے شروع کیجئے۔

آپ کھائیے۔ مجھے اگر ایسے کھانوں کی لت پڑ گئی۔ تو اپنی چٹنی پھر میرے کو نہ بھائیگی کوئی بات نہیں۔ روز یہاں سے کھا لیا کریں۔ مونا نے تیمور کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ شروع کیجئے نا تیمور نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر دونوں کھانا کھا

لگے۔ باہر بادل بری طرح گرج رہے تھے اور کہیں کہیں پانی کی بوند بھی گر رہی تھی۔

کھانے کے بعد تیمور نے مونا کو پڑھایا اور جب وہ جانے کے لیے کھڑا ہوا تو مونا نے اسے روک لیا

کہاں؟

اب میں چلوں

ٹھہریئے میں دودھ لاتی ہوں۔

آج نہیں پیوں گا۔ میرے پیٹ میں جگہ نہیں رہی

وہ تو لینا ہوگا

ضد نہیں کرتے

اچھا نہ پیجئے۔ چلئے میں آپ کو گاڑی میں چھوڑ آتی ہوں

آپ تکلیف نہ کریں میں چلا جاؤں گا

کوئی تکلیف نہیں

آپ کی امی خفا ہوں گی

اوّل تو امی گھر ہی نہیں۔ باہر گئی ہوئی ہیں۔ اگر ہوں بھی تو میرے کاموں میں وہ دخل اندازی نہیں کرتیں۔ آپ ذرا ٹھہریں میں کتابیں رکھ آؤں۔ مونا دوسرے کمرے میں گئی۔ وہاں اپنی کتابیں رکھیں۔ پھر اپنی ڈائری کھولی اور وہ صفحات نکالے جن میں وہ تیمور کو نمبر لگاتی تھی۔ مونا نے دوسروں کے نام کاٹ دیئے اور تیمور

کے خانے میں ۱۰۰۰۱ لکھ کر اس نے موٹے حروف میں لکھ دیا PASSED

تیمور کمرے سے نکل کر بیرونی گیٹ کے پاس آکھڑا ہوا تھا۔ مونا اپنا پرس ہلاتی ہوئی کمرے سے نکلی اور گیراج کی طرف چل دی۔ اتنے میں تیمور کی نظر کوٹھی کے باہر سڑک کے اس پار ایک بوڑھے پر پڑی جو گھاس پر کسی کے پھینکے ہوئے باسی چاول اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا جنھیں شاید ساتھ کی کوٹھی والوں نے وہاں پھینکا تھا۔

تیمور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ ساٹھ ستر سال کا وہ بوڑھا جس کے کپڑے میلے اور پھٹے ہوئے تھے اور کمزور بازو کانپ رہے تھے۔ گھاس پر بکھرے ہوئے چاول اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا۔ تیمور اس کے سر پر آکھڑا ہوا۔ اس نے تیمور کی موجودگی کا کوئی اثر نہ لیا آخر تیمور نے اسے پکارا۔

بڑے میاں! کیا کر رہے ہیں؟

اس نے صرف ایک نگاہ تیمور پر ڈالی پھر سر جھکاتے ہوئے کہا

پیٹ کا دوزخ بھر رہا ہوں۔ مونا گاڑی گیٹ سے باہر کھڑی کر کے تیمور کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی

تیمور پھر بولا

یہ باسی چاول کسی نے پھینک دیئے ہیں۔ شاید خراب ہو گئے ہوں گے۔ آپ بیمار ہو جائیں گے

بوڑھے نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا

باسی تو یہ ان کے لیے ہیں جنھوں نے پھینکے یا ان کے لیے جنھیں دولت کا پجاری کہا جا سکتا ہے۔ ہم جیسوں نے تو پیٹ بھرنا ہے۔ رہی بیماری تو وہ بھی ٹوٹ کر ہم جیسوں پر حملہ نہیں کرتی ہے۔ اگر بیمار ہو جاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا اب تک ختم ہو چکا ہوتا اور زندگی کے اس تکلیف دہ دور سے نہ گزرنا پڑتا غریبوں کی زندگی کے آخری دور کا یہی تو حاصل حیات ہے ٹھوکریں کھا کر گزار دیں۔

تیمور نے جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالا اور بوڑھے کی طرف بڑھا دیا

یہ رکھ لو بڑے میاں! میرے پاس اس وقت یہی ہیں۔

بوڑھے نے غور سے تیمور کی طرف دیکھا

بھکاری سمجھ کر دے رہے ہیں؟

دکھ سے تیمور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا

نہیں۔ ایک بے بس، مجبور اور ضرورت مند انسان سمجھ کر

بوڑھے نے نوٹ لے لیا

پھر میں رکھ لوں گا۔ میں نے ابھی تک بھیک مانگنا شروع نہیں کی۔ ابھی مجھ میں روح باقی ہے۔ مونا نے بھی اپنے پرس سے سو روپے کا ایک نوٹ نکالا اور بوڑھے کی طرف بڑھاتے گھٹی گھٹی اور رندھی آواز میں کہا

یہ بھی رکھ لو بڑے میاں

بوڑھے نے نوٹ لیتے ہوئے احسان مندی سے کہا

تم شاید میاں بیوی ہو۔ اللہ تمھیں اتفاق اور نیک اولاد دے۔ مونا شرما کر پیچھے ہٹ گئی۔ تیمور نے جواب دیا۔

ہم میاں بیوی نہیں ہیں بڑے میاں!

بوڑھا کھڑا ہو گیا

پھر تم دونوں نے ابھی شادی کرنا ہو گی۔ فکر نہ کرو جلدی ہو جائے گی۔ مونا کار میں جا کر بیٹھ گئی۔ بوڑھا ایک طرف چل دیا۔ تیمور کار کے پاس آیا اور پچھلا دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھنا چاہا اتنے میں مونا نے کار کا اگلا دروازہ کھول دیا۔ اور پیار بھری آواز میں کہا

آگے آجایئے! بچاری کو تیمور سے محبت ہو گئی تھی——محبت؟—— جو آگ کی طرح تپش دیتی ہے اور خواہش کی طرح اندر ہی اندر سلگتی ہے اور پھر محبت ماورائے فکر و ننگ ہے۔

تیمور نے دروازہ پکڑ کر جھانکتے ہوئے کہا

کریم پارک جس جگہ جانا ہے۔ آپ کو اس کا علم نہیں۔ آپ سیکنڈ سیٹ پر آجائیں میں خود گاڑی چلاتا ہوں

مونا نے اچنبھے پن سے پوچھا

آپ گاڑی چلا سکیں گے؟

کیوں نہیں چلاؤں گا۔ آپ مجھے اتنا ہی بھدو سمجھتی ہیں۔ میرے پاس باقاعدہ ڈرائیونگ لائسنس ہے مونا نے کانوں کو ہاتھ لگائے

توبہ توبہ میں ایسا سمجھ سکتی ہوں

مونا اٹھ کر سیکنڈ سیٹ پر آگئی۔ تیمور نے سٹیرنگ پر بیٹھتے ہوئے پھر کہا

میں آپ کو ایک تکلیف تو دینا بھول ہی گیا

مونا نے پیار بھری نگاہوں سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

وہ کیا بات ہے۔ جو آپ بھول گئے تھے۔ مونا کی جوان اور کنواری آواز اللہ——جیسے خوابیدہ سے قہقہوں کا جلترنگ——آواز——جیسے پربت کا جگر چیر کر کوئی جھرنا پھوٹ پڑا ہو۔ یا زمین کی محبت میں تڑپ کر کوئی ستارہ ٹوٹا ہو۔

تیمور نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا

ہم سب استادوں کو ہلال احمر کی طرف سے ٹی بی کے مریضوں کی مدد کے لیے ایک ایک روپے کی ٹکٹوں کی چار چار کاپیاں ملی ہیں۔ باقی استادوں نے زبردستی لڑکوں کو تھما دیں۔ میں نے اسے دیں جس نے خوشی سے لیں۔ ایک کاپی میرے پاس بچ رہی تھی۔ اس میں سے دو تو میں نے خود لے لیے ہیں۔ دو آپ لے لیں باقی میں کہیں نہ کہیں بیچ ہی دوں گا۔

مونا نے اپنے پرس میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا

کتنے پیسے دوں؟

دو روپے دے دیں۔ آپ کی مہربانی ہو گی

آپ کے پاس ٹکٹیں کتنی بچ رہی ہیں

آٹھ ہیں۔

مونا نے پرس سے آٹھ روپے نکال کر تیمور کی گود میں رکھ دیئے

سارے ہی مجھے دے دیں۔

تیمور نے سارے ٹکٹ اسے تھما دیئے اور اس کے ساتھ ہی اس نے کار سٹارٹ کر دی۔ مونا۔ بڑے پیار اور میٹھی نگاہوں سے تیمور کی طرف دیکھنے لگی تیمور کے منہ پر چیچک کے داغ اسے اس سمے چیچک کے بدنما داغ نہیں کہکشاں کے روشن اور خوبصورت ستارے لگ رہے تھے

بوڑھے رحیموں کے مکان کے سامنے تیمور نے کار روک دی اور نیچے اترتے ہوئے اس نے مونا سے کہا۔

آپ اب جائیں۔ شکریہ!

مونا بھی دروازہ کھول کر باہر آگئی

مجھے مکان میں جانے کی اجازت نہیں؟

آجایئے!

دونوں مکان میں داخل ہوئے۔ انہوں نے سارا مکان گھوم پھر کر دیکھا لیکن رحیموں اور نوراں انہیں دکھائی نہ دیئے تھے۔ خبر نہیں کہاں چلے گئے تھے جب کہ دونوں کمروں کے دروازے بھی کھلے تھے۔ صحن میں کھڑے ہو کر تیمور نے زور سے رحیموں کو دو تین بار پکارا۔ لیکن آواز کی بازگشت اس کی سماعت کا مذاق اڑاتی ہوئی فضاؤں میں بکھر گئی۔

تیمور کا دل، نگاہیں اور اس کا شعور کسی انجانے خدشے سے خوف زدہ ہوتے جا رہے تھے۔ مونا اس کے پہلو میں اس قدر قریب کھڑی تھی کہ وہ

اس کی سانسوں کا سنگیت تک سن سکتا تھا۔ ہوا کی سائیں سائیں کے باوجود کہا
سے زمین تک گہرا سناٹا چھا گیا تھا تب زور کی بجلی چمکی اور سیاہ بادلوں کے نیچے
تیمور نے دیکھا گھر کتنا اداس اور اجڑا اجڑا لگ رہا تھا۔ اتنے میں ایک بوڑھی عورت
مکان میں داخل ہوئی جو نوراں کی ہمسائی تھی۔ اس نے تیمور سے بڑے دکھ کے ساتھ پوچھا

رحیموں کو تم نے پکارا بیٹے!

تیمور اس کی طرف بڑھا

جی ہاں! میں نے ہی آواز دی تھی۔ کہاں چلے گئے ہیں دونوں!

اس بوڑھی عورت کا سر جھک گیا

رحیموں تو کچھ دن ہوئے مر گیا ہے! اور نوراں اس کے غم میں پاگل ہو گئی

تیمور نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور زور سے چلایا

اللہ! یہ خبر سننے سے پہلے میں مر کیوں نہ گیا۔ وہ بری طرح لڑکھڑایا۔
دیوار کا سہارا لیکر کھڑا ہو گیا۔ مونا بت کی طرح خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس
کے چہرے سے یوں ظاہر ہو رہا تھا جیسے ابھی رو پڑے گی۔

تیمور نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اس بوڑھی عورت سے پوچھا

اماں! بوڑھی نوراں میری منہ بولی ماں ہے۔ کیا تم

بڑھیا نے اس کی بات کاٹ دی

میں جانتی ہوں بیٹے! نوراں اور رحیموں دونوں ہی تمہاری تعریف کیا کرتے
میں ہی نہیں محلے والے بھی تمہارے کردار سے متاثر ہیں۔ تم وہی ہو نا جو رحیموں

گاڑی کھینچ کر لائے تھے جب ایکسیڈنٹ میں اس کا گدھا مر گیا تھا۔ نوراں
کو تم جیسے بیٹے پر فخر تھا

تیمور نے پھر پوچھا

کیا تم بتا سکتی ہو میری ماں، اس وقت کہاں ہے؟

اس بڑھیا کی آواز اور غمناک ہو گئی

سبزی منڈی کی طرف جائیں۔ تو راستے میں ایک رحمانیہ گرلز ہائی سکول ہے اس
سکول سے آگے ایک کوٹھی چھوڑ کر دوسری کوٹھی میں مونگ کی دال کا کاروبار ہوتا ہے
اور وہ لوگ سڑک اور بوڑھے راوی کے کنارے ٹاٹ بچھا کر دال خشک کرتے
ہیں۔ نوراں روزانہ وہاں جاتی ہے۔ اور ٹاٹ اٹھاتے وقت جو دال وہاں
مٹی میں گر جاتی ہے اکھٹی کرتی رہتی ہے۔ شام کو گھر لوٹتی ہے چند مٹھیاں دال
اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھے ہوئے۔ اور وہ بھی محلے کی بچیوں میں کر بانٹ
دیتی ہیں۔ اب وہ کسی کو پہچانتی نہیں۔ محلے والے ہی اسے کھلا پلا دیتے ہیں۔
اس کے کھانے کا بندوبست زیادہ تر محلے کا بدمعاش منصور کرتا ہے۔

تیمور مونا کی طرف بڑھا۔ اس مسافر کی طرح جو اپنے عہد گم گشتہ کی ناکام امنگوں
کا ماتم کر رہا ہو۔ مونا کے قریب آکر اس نے دیکھا وہ رو رہی تھی۔ بلک بلک کر
بچوں کی طرح گویا اس کے نازک دل کے شکستہ کواڑ ٹوٹ گئے ہوں۔ تیمور
نے اسے پہلی بار نام سے پکارا۔

مونا!

مونا نے اپنے آنسو پونچھے اور اسکی آواز یوں سنائی دی جیسے برسوں کی مریض ہو

جی!

تم گھر چلی جاؤ۔ میں اپنی ماں کو ڈھونڈنے جاؤں گا

مونا نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا

میں آپ کے ساتھ چلوں گی

تمہیں دیر ہو جائے گی اور تمہاری امی ناراض ہوگی

اس کا آپ فکر نہ کریں

تو پھر آؤ چلیں!

دونوں گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ تیمور نے وہاں سے گاڑی نکالی۔ مزنگ ر کے راستے راوی روڈ پر آیا۔ اور پھر دائیں ہاتھ مڑ کر بوڑھے راوی کے کنارے کنارے سبزی منڈی کی طرف جانے والی سڑک پر وہ آگے بڑھتے گئے۔

ایک جگہ بوڑھے راوی کنارے تیمور نے گاڑی روک دی۔ دریا کے کنارے ہی بوڑھی نوراں بیٹھی تھی۔ وہ ایک بوسیدہ سے کپڑے کو زمین پر رگڑ رگڑ کر اس مٹی کو اکٹھا کر رہی تھی جس کے اندر کہیں کہیں مونگ یا ماش کی دھلی ہوئی دال کے دانے تھے۔ تیمور گاڑی سے اتر کر بڑی حسرت کے ساتھ نوراں کو دیکھنے لگا تھا۔ مونا بھی نیچے اتر کر اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی تھی۔ بوڑھے راوی کے پس منظر میں بوڑھی نوراں یوں لگ رہی تھی جیسے وہ جینے سے بیزار اور

س کی ہر سانس اس کے لیے ایک آزار ہو۔ اس کے چہرے پر گرد فسردگی تھی۔

پس منظر میں بوڑھا راوی خاموش اور پرسکون تھا۔ وہی بوڑھا راوی جس کا ظارہ مغل شہنشاہ اکبر اعظم شاہی قلعہ میں بیٹھ کر کیا کرتا تھا۔ وہی بوڑھا راوی س نے بابر اور ہمایوں کو اس سرزمین سے گزرتے دیکھا تھا۔ جس نے شہنشاہ جہانگیر استقبال کیا ہوگا۔ جس کی سرکش لہروں نے نورجہاں کے حسن کو دیکھا ہوگا اور شاہی عہ میں اکبر کے دربار میں ناچتی ہوئی انارکلی کی بے بسی اور مجبوری بھی دیکھی ہوگی۔ ہی بوڑھا راوی جو اب گندھے نالے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا نہ جانے اپنے ر کتنی حسین جھرنے کی سی معصوم اور پروا کی سی پرتر شہزادیوں کے عکس نے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا۔

اپنے اندر ہزاروں سلگتے ہوئے راز رکھنے والا بوڑھا راوی۔ سرد خاموشی طرح پرسکوت بے بس اور اداس تھا اور اسی راوی کنارے بوڑھی نوراں بیٹھی یمور ابھی تک اسے دور کھڑا ہو کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں پ گرنے لگی تھیں۔ نوراں اس کی طرف دیکھا بھی پر کوئی بات نہ کی جیسے وہ اسے ی ہی نہ ہو۔

ایک جگہ مٹی اکٹھی کرنے کے بعد نوراں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں واؤں میں اڑانا شروع کر دی تھی شاید اس طرح وہ دال علیحدہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر لے جا کر مٹی ہواؤں میں اڑانے لگی تو تیمور کو یوں محسوس یسے وہ بے بسی اور ناتواں عورت اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بیسویں صدی

کے انسانوں سے امن اور تہذیب کی بھیک مانگ رہی ہو۔

تیمور تیزی سے آگے بڑھا اور نوراں کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

ماں!

نوراں نے اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے اور پوچھا

کون ہو تم؟

تیمور سسک پڑا

میں تیمور ہوں۔ تمہارا بیٹا ہوں ماں!

نوراں نے حیرت اور دکھ سے کہا

تیمور؟ ——— میرا بیٹا؟ ——— تمہیں دھوکا ہوا ہے! کوئی بیٹا نہیں۔ میں تو بے برگ جھاڑی ہوں۔ میرا کسی سے کوئی ناطہ نہیں۔

تیمور نے اسے جھنجھوڑ دیا

میں تیمور ہو ماں! مجھے پہچانو! تیمور کے سر پر کھڑی مونا بچوں کی طرح سسک سسک کر رو رہی تھی۔

نوراں نے بڑی بے بسی سے کہا

مجھ سے کوئی رشتہ قائم نہ کرو۔ میں ایک ایسی بیوہ ہوں جس کے مقدر میں سحر

تیمور نے اس کے پاؤں پکڑ لیئے۔

اٹھو ماں میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی

نوراں جیسے خلاؤں میں کھو گئی

کون جانے امروز کا فردا کیا ہوگا

تیمور سسک پڑا۔ میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا ماں!

نوراں نے بیزاری سے کہا

آگ لگے جیون کو۔ بھاگ جاؤ یہاں سے یہاں حیات کے پردے میں موت پلتی ہے اور غریبوں کے بے کفن لاشوں کا مذاق اڑاتی پھرتی ہے۔

تیمور بے بس ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنی آنکھوں کے بھیگے موتی پونچھتے ہوئے اس نے مونا سے کہا

تم چلی جاؤ مونا! میں ماں کو ٹانگے میں بٹھا کر لے جاؤں گا تمہیں دیر ہو رہی ہے پھر اندھیرا ہونے لگا ہے۔ مونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بچاری سسکیوں اور ہچکیوں پر قابو نہ پا سکی تھی۔ تیمور خلاؤں میں کھو گیا۔ دور وادی میں سرمئی بادل جھک جھک کر پربتوں کو پیار کر رہے تھے۔ آسمان اب خاموش تھا۔

یک لخت ہی تیمور کو کوئی خیال گزرا اس نے بوڑھی نوراں کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا اور مونا کو کار کا دروازہ کھولنے کو کہا۔ مونا نے لپک کر کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا تیمور نے بڑے آرام سے نوراں کو کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا اور مونا سے کہا

تم کار چلاؤ میں ماں کو سنبھالتا ہوں

مونا نے ہچکیوں میں کہا

میں ماں کو سنبھالتی ہوں آپ گاڑی چلائیں

تمہارے کپڑے خراب ہوں گے

مونا پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور نوراں کو اپنی گود میں سمیٹ لیا

جہنم میں جائیں کپڑے

تیمور اندر بیٹھ گیا اور گاڑی چلا دی۔ جب اس نے کریم پارک میں آکر گاڑی اور مونا نے پچھلا دروازہ کھولا تو نوراں بڑی تیزی کے ساتھ کار سے باہر نکلی اور کرتی ہوئی ایک طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

بھاگ جاؤ ——— طوفان آرہا ہے ——— موت کا طوفان ——

تیمور بھی نوراں کے پیچھے بھاگا۔ محلے کی بوڑھیاں اپنے گھروں سے باہر نکل کر نوراں حالت دیکھ کر اپنے منہ میں پلو لے کر رونے لگی تھیں اور جوان عورتیں۔ دروازوں پردوں کی اوٹ میں کھڑی ہو کر انسانی زندگی کے بڑھاپے کے انجام کو عبرت ناک میں دیکھ رہی تھیں۔

تیمور نے نوراں کو پکڑ کر اٹھا لیا اور واپس لایا۔ جب وہ ایک مکان سامنے سے گزرا تو کسی بوڑھی عورت کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

کتنا اچھا اور نیک لڑکا ہے۔ بیٹا نہ ہو کر بھی بیٹوں سے بڑھ کر کر رہا ہے بیٹا تو پوچھتا ہی نہیں کہ ماں کس حال میں ہے۔

تیمور نوراں کو اٹھائے مکان میں داخل ہو گیا۔ مونا نے بھی کار کو لاک کیا تیمور کے پیچھے پیچھے مکان میں داخل ہو گئی۔ تیمور نے نوراں کو ایک بستر پر لا کر

مونا بھی قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ اور تیمور سے کہا۔

ان کے کپڑوں کا دوسرا جوڑا نکالیں۔ میں انہیں نہلا کر کپڑے بدلا دوں۔

تیمور نے کمرے میں رکھے لکڑی کے بکس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

اس بکس میں دیکھو شاید ہوں

مونا نے وہ بکس کھول کر نوراں کے کپڑے نکالے اور دوبارہ تیمور سے پوچھا

غسل خانہ کدھر ہے

وہ بیرونی دروازے کے پاس غسل خانہ بنا ہوا ہے۔ اور اس کے اندر پانی کا نل ہے۔ شاید صابن نہ ہو۔ وہ میں تمہیں بازار سے لا دیتا ہوں۔ تیمور باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور صابن کی ایک ٹکیہ مونا کو تھما دی۔ مونا سہارا دے کر نوراں کو غسل خانے لے گئی اور غسل دینے لگی تیمور کمرے میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا تھا کہ گھر کے بیرونی دروازے پر کسی نے دستک دی۔ تیمور اٹھ کر باہر آیا اور جب اس نے دروازہ کھولا تو سامنے محلہ کا بدمعاش منصور کھڑا تھا اس کے ایک ہاتھ میں اخبار میں لپٹی ہوئی ڈھیر ساری روٹیاں تھیں اور دوسرے میں چینی کا ایک کافی بڑا پیالہ سالن سے بھرا ہوا تھا۔ تیمور کے کچھ پوچھنے سے قبل وہ خود ہی بول پڑا۔

میں تم تینوں کے لیے کھانا لایا ہوں؟

تیمور کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا

کیوں ؟

پہلے بھی نوراں اماں کے کھانے کا بندوبست میں ہی کرتا تھا۔ محلے والا سب جانتے ہیں۔ میں اندر آکر ضرور اس سے خود بات کرتا لیکن تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے اس لیے میرا اندر آنا مناسب نہیں۔ تم یہ کھانا لے جاؤ

تیمور نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کی گردن جھک گئی تھی۔ نل پر نوراں کو نہلا ہوں مونا بھی ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ منصور پھر بولا

کھانا لینے سے انکار نہ کرنا۔ کھانا گو سادہ ہے لیکن ہم غریب لوگ تو ایسے ہی راتب سے پیٹ بھرتے ہیں اگر تم دونوں ایسا کھانا نہ کھانا چاہو تو تمہاری مرضی مگر نوراں کو ضرور کھلا دینا میں اسے اپنی ماں سمجھتا ہوں۔ اگر وہ بھوکی سو گئی تو میں سمجھوں گا کہ پوری دنیا نے آج کچھ نہیں کھایا اور ہر کوئی آج بھوکا سو گیا ہے۔ منصور کی آواز ڈوب گئی تھی۔

تیمور نے سر اوپر اٹھایا اور منصور سے روٹیاں اور سالن کا پیالہ لے کر سنبھالتے ہوئے کہا

ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو خشک روٹی پیاز کے ساتھ بھی کھا لیا کرتا ہوں سوچ رہا تھا تم بدمعاشی بھی کرتے ہو اور غریبوں سے ہمدردی بھی

منصور کی آواز اور ڈوب گئی

یہ ایک مجبوری ہے

کیا مجبوری ہے

میں جوا کھلانے کے علاوہ اور کوئی بدمعاشی نہیں کرتا۔ اپنے گھر جوا

کھلانے کا مجھے یہ فائدہ ہے کہ جو بدمعاش یہاں جوا کھیلتے ہیں وہ میرے ساتھی بنے ہوتے ہیں۔ اگر آج میں یہ دھندہ ختم کر دوں تو یہ سب میرا ساتھ چھوڑ دیں اور میرا ازلی دشمن جس کا نام امجد ہے مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ہی دن میں ختم کر دے

تیمور نے بڑے اعتماد سے کہا

یہ تمہارا وہم ہے۔ زندگی اور موت اس خدا کے ہاتھ میں ہے جس نے پیدا کیا۔ جب موت آنا ہوگی کوئی روک نہ سکے گا۔ تم اگر انہیں چھوڑ دو اور جوا بند کرا دو تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ تمہارے لیے میں ایک ایسا راستہ وضع کر دوں گا جس پر عمل کر کے تمہارے دشمن بدمعاش تمہاری طرف آنکھ میلی کر کے بھی نہ دیکھ سکیں گے۔

منصور نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا

اس سلسلے میں کل کھل کر بات کروں گا۔ تم اب جاؤ اماں کو کھانا کھلاؤ۔ اس نے شاید صبح کا کچھ نہ کھایا ہوگا۔ تیمور نے دروازہ بند کر لیا۔ مونا نے غسل خانے کے اندر سے آواز دی

تیمور! کون تھا؟

محلے کا بدمعاش منصور تھا

مونا کی فکرمند آواز سنائی دی

یہ بدمعاش ہے؟ پر یہ تو کھانا دے کر گیا ہے

ہاں کھانا ہی دے کر گیا ہے۔ تم اماں کو نہلا چکی ہو کیا؟

ہاں کپڑے پہنا رہی ہوں

تیمور کمرے میں آیا۔ فرش پر چٹائی بچھائی۔ اور اس پر کھانے کے بر
دیئے۔ مونا بھی نوراں کو لیے اندر آئی اور اسے چٹائی پر بٹھانے کے بع
نے کونے میں پڑے ہوئے جگ گلاس اٹھائے نل پر لے جا کر انہیں
دھویا اور جگ پانی کا بھر کے آئی اور دوبارہ چٹائی پر بیٹھتے ہوئے تیمو
کہا آیئے کھانا کھا لیں۔

تیمور مونا کے ساتھ چٹائی پر بیٹھتے ہوئے بولا

تم بھی کھاؤ گی کیا؟

کیوں؟ کیا میں انسان نہیں؟

یہ بات نہیں۔ میں نے اس لیے پوچھا ہے کہ ہو سکتا ہے ایسا کھ
پسند نہ کرو

میں نے اپنی طبیعت کو اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے اگر میں آپ کے
بیٹھ کر پیاز کی چٹنی سے کھانا کھا سکتی ہوں تو یہ کیوں نہیں کھا سکتی۔ دو
کھانا کھانے لگے اور نوراں کو بھی کھلانے لگے۔

کھانے کے بعد تیمور کھڑا ہو گیا اور مونا سے کہا

چلو میں تمہیں گھر چھوڑ آؤں

مونا بھی کھڑی ہو گئی

میں اکیلی چلی جاؤں گی۔ آپ اماں کے پاس رہیں۔

چلو میں تمہیں پھر کار تک چھوڑ آتا ہوں

دونوں باہر آئے۔ مونا نے کار میں بیٹھتے ہوئے تیمور سے پوچھا

آپ کے پاس پیسے ہیں؟

چاہئیں؟

نہیں! آپ کو اگر ضرورت پڑ گئی پھر؟

میرے پاس ہیں

دکھایئے۔

تیمور نے نکال کر دکھائے

مونا نے افسردگی سے کہا۔ یہ تو وہی ٹکڑوں کے آٹھ روپے ہیں۔ جو
میں نے آپ کو دیئے ہیں آپ کے پاس کل پانچ ہی روپے تھے جو آپ
نے باسی چاول کھانے والے اس بوڑھے کو دے دیئے تھے۔

مونا نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور پچاس پچاس کے دو نوٹ تیمور کی طرف
بڑھا دیئے

یہ رکھ لیں اپنے پاس

تیمور پیچھے ہٹ گیا۔ میں نہیں لوں گا

مونا نے نوٹ اس کے قدموں میں پھینک دیئے اور کار لے کر چلی گئی۔

تیمور نے دونوں نوٹ اٹھائے اور مکان کے اندر چلا گیا۔

نوراں جاگ چکی تھی اور یونہی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے اس نے چولہے میں آگ جلا دی تھی۔ تیمور بھی نہا دھو کر اس کے پاس کھڑا اسے بڑی بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ تیمور نے جب دروازہ کھولا تو سامنے مونا کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں مختلف رنگ کے لفافوں سے بھری ہوئی ایک پلاسٹک کی ٹوکری تھی۔ اور دروازے کے ایک طرف اس کی کار کھڑی تھی۔ مونا اندر آگئی اور تیمور نے دروازہ بند کر دیا۔

مونا نے چولہے کے پاس بیٹھی ہوئی نوراں کو اٹھایا اور کمرے میں لا کر چٹائی پر بٹھا دیا پلاسٹک کی ٹوکری سے اس نے سب لفافے اور ایک ڈبہ نکالا وہ ان دونوں کے لیے گھر سے ناشتہ چائے اور فروٹ لائی تھی۔ ساری چیزیں اس نے چٹائی پر بچھا دیں

تیمور اندر آیا اور حیرت سے پوچھا

یہ کیا؟

مونا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ آپ دونوں کے لیے ناشتہ لائی ہوں

ناحق زحمت کی تم نے

زحمت کیسی میرا فرض تھا

تم کالج نہیں جاؤ گی آج؟

میں نے آج کی چھٹی لے لی ہے۔ کتابیں ساتھ لے آئی ہوں۔ یہیں بیٹھ کر آپ سے پڑھ لوں گی۔ امی کو میں نے کل کے سارے حالات سنا دیئے تھے۔ انھوں نے مجھے یہاں بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی ہے۔

میں پانچ بجے وہیں آکر پڑھا دیتا

میرا یہاں آنا آپ کو اچھا نہیں لگتا؟ مونا نے بڑی آس اور امید کے ساتھ پوچھا تھا

تمہارا بار بار یہاں آنا اچھا نہیں؟

مونا طوفان میں رکھی موم بتی کی طرح بجھ کر اداس ہو گئی

کیوں اچھا نہیں لگتا۔ اس کی آواز میں سینکڑوں شکوے تھے

محلے والے اگر تمہارے متعلق پوچھیں تو میں انہیں کیا جواب دوں گا

آپ کہہ سکتے ہیں مجھ سے ٹیوشن پڑھتی ہے

اب تو ٹیوشن بھی ختم ہو جائے گی۔ چند دنوں تک تمہارا امتحان شروع ہو جائے گا

مونا کہیں کھو گئی اور درد سے بولی

آپ میرا ایک کام کر دیجئے پھر کبھی یہاں نہ آؤں گی

کیسا کام؟

فراست کو مارتے ہوئے آپ نے کہا تھا آپ اس اجنبی مسافر کو جانتے ہیں جس نے مجھے خون دیا تھا۔ آپ ایک بار مجھے اس سے ملا دیں۔ پھر میں کبھی یہاں نہ آؤں گی۔

نوراں اس دوران کھڑی ہو گئی تھی اور کپڑوں کی ایک پوٹلی باندھنے لگی تھی

تیمور کی گردن جھک گئی۔ اور اداس لہجے میں اس نے کہا

میں اسے ضرور جانتا ہوں۔ لیکن اس کے حالات ایسے ہیں کہ وہ مل نہیں سکتا۔ اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مل کر تمہیں مایوسی ہو۔ اور اپنے ذہن میں تم نے جو اس کا معیار مقرر کر رکھا ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں وہ اس معیار پر پورا اترنے کے قابل نہیں۔ اگر میں کبھی اسے تمہارے سامنے لا کھڑا کروں تو یوں محسوس ہوگا گویا پھول کے پاس کانٹا ہو۔

مونا پھر کہیں کھو گئی

پھول کانٹے کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے

تیمور نے سر کو جھٹک دیا

ہوگا۔ پر پھول پھول اور کانٹا کانٹا ہے

بس آپ مجھے اس سے ملا دیجئے۔ میں اسکی خاطر اپنے معیار کو بدل لوں گی۔

کوشش کروں گا

مونا نے اپنا پرس کھولا اور دو سو روپیہ تیمور کی طرف بڑھا دیا

امی نے آپ کی ٹیوشن دی ہے

ابھی تو مہینہ پورا ہونے میں دو دن رہتے ہیں

پھر کیا ہوا؟

تیمور نے ہاتھ بڑھا کر سو روپے کا ایک نوٹ مونا سے لے لیا اور دوسرا ے ہاتھ ہی میں رہنے دیا

مونا نے اعتراض کیا

اور یہ؟

سو روپیہ کل جاتے ہوئے بھی تم دے گئی تھیں

وہ تو میں نے اماں کے لیے دیا تھا

تم جانتی ہوں۔ نوراں کو میں نے اپنی ماں کہا ہے۔ ابھی مجھ میں ہمت ہے۔ ں کے اخراجات پورے کر سکتا ہوں جب جسم میں روح باقی نہ رہے گی ضرور اسے آپ جیسے نیک لوگوں کے حوالے کر جاؤں گا۔

مونا کچھ کہنے والی تھی کہ خاموش ہو گئی۔ کیونکہ نوراں کپڑوں کی ایک پوٹلی بغل میں دبائے کمرے سے نکلنے لگی تھی۔ تیمور تیزی سے آگے بڑھا تھا اور اراستہ روک کر بڑے درد سے پوچھا

کہاں چلی ہو ماں!

ماں؟ میں کسی کی ماں نہیں۔ میں خشک جھرنا ہوں۔ سوکھی بیل ہوں۔ مجھے

اس زمانے نے لوٹ لیا ہے

تیمور نے اس سے پوٹلی لے لی

کہاں جاؤ گی ماں ! بیٹھو کھانا کھاؤ

میں ——— میں اس بیری کے درخت کو دیکھنے جاؤں گی جس تلے رحیم کا بچپن گزرا۔ جس کے نیچے میرے ساس سسر بیٹھا کرتے تھے۔ اس بیری سے پوچھوں گی رحیموں کہاں کھو گیا ہے۔ وہ بیری اس کا ساتھی ہے۔ وہ اسے دیکھنے جایا کرتا تھا۔ میں اس سے پوچھوں گی رحیموں کہاں ہے اور خود بھی وہاں چلی جاؤں گی۔

تیمور کا جی بھر آیا۔ منہ سے بچارہ کچھ نہ کہہ پایا۔ پوٹلی لیکر ایک طرف رکھ دی اور نوراں کو چٹائی پر بٹھا دیا۔ تینوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے تھے۔ اچانک تیمور نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔ باہر گلی میں کسی عورت کے شور کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تیمور اٹھا اور بھاگ کر باہر آیا۔ مونا بھی اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ نوراں اس طرح بیٹھ کر کھانا کھاتی رہی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ پاگل جو تھی۔ اسے ایسی باتوں سے کیا سروکار

تیمور اور مونا جب باہر گلی میں آئے تو انھوں نے دیکھا محلے کی ایک بوڑھی عورت نے منصور کا گریبان پکڑا ہوا تھا اس کے پاس ایک لڑکی کھڑی تھی جس کے سر پر دوپٹہ نہ تھا اور ہاتھ میں چند کتابیں اور کاپیاں تھیں شاید طالب علم تھی۔ اسی لمحہ انہیں اس عورت کی جس نے منصور کا گریبان پکڑ رکھا تھا غصے

کانپتی اور لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

تمہارے بدمعاش ساتھی رات بھر تمہارے پاس جوا کھیلتے ہیں اور دن کے وقت لوگوں کی بچیوں کو تنگ کرتے ہیں۔ منصور نے کوئی جواب نہ دیا اس کی گردن کسی مجرم کی طرح جھکی ہوئی تھی۔

وہ بوڑھی عورت پھر چلائی

ادھر دیکھو بے ہوش ! تم محلے کی ساری لڑکیوں کو اپنی بہنیں کہتے ہو پھر اس نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ میری لڑکی اور تمہاری بہن ہے۔ یہ سکول جا رہی تھی کہ راستے میں تمہارے بدمعاش ساتھیوں نے اسے چھیڑا انھوں نے میری بیٹی کا دوپٹہ اور وہ کتابیں بھی چھین لی ہیں ——— بڑھیا برس پڑی۔ تم بے غیرت اور بے شرم ہو۔ تمہاری بہن اب ننگے سر تمہارے سامنے کھڑی ہے اور تم سے پوچھتی ہے کہ میں ایک بیوہ ماں کی بچی ہوں جس کا کوئی بھائی نہیں۔ بتاؤ کون اس کی مدد کرے گا۔ بڑھیا کی آواز ڈوب گئی کیونکہ وہ رو رہی تھی۔ لڑکی بھی سسک رہی تھی۔

تیمور اور مونا بڑے غور سے منصور کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس کا رنگ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ منصور نے بڑھیا کے ناتواں ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑا لیا اور گلی میں ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بھاگنے کا انداز بالکل اس درندے جیسا تھا جو بھوکا ہو اور اپنے شکار کے لیے نکلا ہو۔

تیمور۔ مونا بڑھیا اور اس کی لڑکی وہیں کھڑے رہے۔ کافی عورتیں چھتوں پر چڑھ گئی تھیں اور محلے کے مرد گلیوں میں نکل آتے تھے۔ منصور تھوڑی دیر بعد واپس آیا اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ لڑکی کے پاس آکر منصور نے ان دونوں کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے پوچھا میری بہن! کیا یہیں ہیں وہ دونوں جنھوں نے تمھیں چھیڑا ہے۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلا دیا

منصور کی حالت دیکھنے کے قابل تھی غصے میں وہ سرخ انگارہ ہو رہا تھا اور اس کا بدن لرز رہا تھا

کانپتی ہوئی آواز میں اس نے پھر لڑکی کو مخاطب کیا

میری بہن! تم ماں کو لے کر میرے مکان کے اندر ہو جاؤ۔ اور دیکھو ایک بھائی اپنی بہن پر ظلم کا انتقام کس طرح لیتا ہے قہر آلود نگاہوں سے اس نے دیکھا اور ——— اور پھر کسی درندے کی طرح غراتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

میری بہن کا دوپٹہ اور کتابیں کہاں ہیں

ایک بدمعاش نے وہ کتابیں اور دوپٹہ جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے منصور کی طرف بڑھا دیئے۔ منہ سے وہ کچھ نہ بولا تھا۔ منصور نے کتابیں اور دوپٹہ لے لیا۔ دوپٹہ اس لڑکی کے سر پر رکھا اور دونوں کتابیں اسے تھمانے کے بعد وہ پھر ان بدمعاشوں سے قریب ہو کر غرایا۔ بالکل وحشی اور بھوکے درندے کی طرح

میرے محلے میں ایسی حرکت کیوں ہوئی۔

ان دونوں نے جب کوئی جواب نہ دیا تو منصور نے پھر پوچھا

بھوکے کتوں کی طرح مجھے گھورو مت۔ منہ سے کچھ بولو

ان میں سے ایک غرایا

منہ کو لگام دو۔ ورنہ انجام برا ہوگا

منصور نے زوردار ایک مکا اس کے جبڑے پر دے مارا اور وہ لٹو کھاتا ہوا گندے پانی کی نالی کے پاس جا گرا۔ دوسرا منصور پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا کہ منصور نے بڑی پھرتی سے اس کے منہ پر بھی ویسا ہی ایک مکا دے مارا اور وہ بھی اپنے ساتھی کے قریب جا گرا۔

دونوں غصے میں اٹھے۔ ایک جھٹکے کے ساتھ دونوں نے خنجر نکال لیے اور زخمی ریچھ کی طرح وہ منصور کی طرف بڑھے۔ جوان کے سامنے چٹان کی طرح اور مجسمے کی طرح پیوستہ کھڑا تھا۔ وہ دونوں بدمعاش موت کے فرشتے بن کر منصور کی طرف بڑھ رہے تھے۔ گلی میں کھڑے محلے کے مرد بے حس بنے کھڑے تھے۔

جونہی وہ دونوں منصور پر وار کرنے لگے تیمور بھاگ کر آگے بڑھا اور ان میں سے ایک کا خنجر والا ہاتھ پکڑ کر اس کی گردن پر مکا دے مارا۔ اس نے بھی منصور سے اپنی توجہ ہٹا کر تیمور کو مارنا شروع کر دیا تھا۔ تیمور بھی اس کے چہرے اور گردن پر سخت مکے برسا رہا تھا۔ مونا نے قریب پڑا ایک پتھر اٹھایا اور اسے اپنے ہاتھ میں خوب دبا کر اس بدمعاش کی پیٹھ پر زور

زور سے مارنا شروع کر دیا جو تیمور سے لڑ رہا تھا۔

دفعتہً تیمور نے اپنے سے لڑنے والے کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر منصور کے مکان کی پختہ دیوار سے زور کے ساتھ پٹخ دیا۔ وہ درد کے مارے بری طرح کراہا اور وہیں بیٹھ کر اپنی پیٹھ سہلانے لگا۔ دوسرے بدمعاش سے منصور نے خنجر چھین کر نیچے گرا لیا تھا اور اپنے دونوں گھٹنوں کے نیچے اسے دبا کر وہ بری طرح اسے مار رہا تھا۔ جب وہ بے سدھ سا گیا تو منصور نے اسے چھوڑ دیا اور غصے میں غرایا۔

جاؤ دفع ہو جاؤ۔ دوبارہ کسی کو چھیڑنا تو ایک طرف اس محلے کا رخ بھی کیا تو خدا کی قسم زندہ بچ کر نہ جا سکو گے۔

وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک اپنے منہ سے خون پونچھتے ہوئے اور منصور کی طرف دیکھتے ہوئے غصے میں بولا۔

اب تمہارا انجام کیا ہوگا۔ تم بھی جانتے ہو۔ انتظار کرو اس وقت کا جب ہم تم سے انتقام لیں گے۔ وہ دونوں چلے گئے۔ منصور کا رنگ کچھ پیلا ہو گیا تھا۔ تیمور اس کے پاس آیا اور اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا

دھمکی سے پیلے کیوں ہو رہے ہو۔ میرا نام تیمور ہے۔ دیکھو میں ان کا کیا بندوبست کرتا ہوں تیمور گھر واپس آیا اور چھت پر چڑھ گیا۔ مونا بھی اس کے پیچھے پیچھے وہاں آ گئی تھی۔ تیمور منڈیر کے قریب کھڑا ہو گیا اور اپنی پوری آواز سے چلا چلا کر کہنا شروع کیا۔

محلے والو!

ماؤں بہنوں اور بہو بیٹیوں والو۔ اگر تم چاہتے ہو کہ محلے کی ماؤں بہنوں کی عزت محفوظ ہو اور اس محلے سے بدمعاشی کو ختم کر دیا جائے تو اٹھ کھڑے ہو۔ ہمت سے کام لو۔ وہ دونوں بدمعاش اپنے ساتھیوں کو بلانے گئے ہیں تا کہ منصور کو قتل کر دیں منصور اس محلے کا بیٹا ہے ایک شریف انسان ہے۔ آج کے بعد اپنے گھر میں یہ بجوا نہیں کھلائے گا میں اس کی ضمانت دیتا ہوں۔

تم لوگ ذرا سی ہمت سے کام لو تو ان بدمعاشوں کا منہ توڑ سکتے ہیں۔ عورتیں مکانوں کی چھتوں پر پتھر جمع کر لیں اور چھتوں سے برسائیں اور مرد اور نہیں تو لاٹھیاں ہی لے کر باہر نکلیں تو بدمعاشوں کو ادھر کا رُخ کرنے کی جرات نہ ہو۔ بدمعاشوں سے نمٹنا صرف پولیس ہی کا کام نہیں۔ عوام کی قوت سب سے بڑی طاقت ہے اور کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھے امید ہے تم لوگ مجھے مایوس نہیں کرو گے

تیمور اور مونا نیچے اتر آئے۔ انھوں نے نور ان کو ادھر ادھر دیکھا لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ تیمور اسے باہر نکل کر دو چار گلیوں میں بھی دیکھ آیا۔ پر وہ تو کہیں دور جا چکی تھی۔ جونہی وہ گھر داخل ہونے لگا محلے میں شور مچ گیا۔ وہ دونوں بدمعاش جو پٹ کر گئے تھے اپنے ساتھی بدمعاشوں کو لے کر آئے تھے ان میں منصور کا ازلی دشمن امجد بھی تھا۔

جونہی وہ سب منصور کے مکان کے قریب آئے اچانک محلے کی عورتوں نے اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر سے ان پر پتھروں کی بارش شروع کر دی محلے کے مرد لاٹھیاں اور ہاکیاں پکڑے ہوئے باہر نکلے اور ان پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے سارے بدمعاشوں کو مار مار کر بری طرح زخمی کر دیا۔

محلے کے کچھ لوگ پولیس لے کر آ گئے۔ شاید وہ پہلے ہی پولیس کو لانے جا چکے تھے۔ پولیس والوں نے لڑائی بند کرائی اور سارے بدمعاشوں کو بکریوں کی طرح ہانکتے ہوئے لے گئے۔ تیمور دروازے کے اندر کھڑی مونا سے کہا۔

مونا تم اندر ہی رہو۔ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔

محلے کے مرد جو ابھی تک چوک میں کھڑے تھے تیمور ان کے پاس آیا اور منصور کو تلاش کرنے لگا۔ ایک بوڑھے نے تیمور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

یہ سب کچھ اس جوان کی خوش تدبیری سے ہوا۔ خدا اسے ——

تیمور نے اس بوڑھے کی بات کاٹتے ہوئے کہا

محلے والو! اگر سلامتی اور سکون چاہتے ہو تو ایک اور کام کرو۔

سب لوگ خاموش ہو گئے

تیمور نے کہنا شروع کیا

اپنے محلے میں ایک اصلاحی کمیٹی بنا لو۔ جس کا آفس بیٹھک بوڑھی نوراں کے گھر میں بن جائے۔ سب لوگ ماہوار کچھ چندہ جمع کرائیں جس سے کمیٹی کا اکاؤنٹ

کھولا جائے اور ضروری اخراجات پورے کئے جائیں۔ یہ کمیٹی کئی اصلاحی کام کر سکتی ہے مثلاً ہر ماہ محلے کے چار پانچ جوانوں کی ڈیوٹی لگائی جائے جو محلے کی ساری لڑکیوں کو ایک ساتھ بحفاظت ان کے اسکول اور کالج پہنچائیں کمیٹی کے اسی فنڈ سے محلے کی بیواؤں اور یتیم بچوں کی کفالت کی جائے۔ محلے سے گندگی دور کر کے صفائی کا بندوبست کیا جائے۔ اگر رقم کافی جمع ہو جائے تو ایک ایسا شفاخانہ بھی کھولا جا سکتا ہے جہاں کم از کم غریبوں اور بے سہاروں کا علاج مفت ہو سکے۔ کچھ چیدہ چیدہ لوگ چن لیے جائیں جو ورکنگ ممبرز کے طور پر کام کریں۔

سارے لوگوں نے تیمور کے خیالات کی پر زور تائید کی۔ کچھ سرکردہ حضرات کے کہنے پر محلے کے سارے مرد منصور کے گھر میں جمع ہوئے یہ ایک طرح کی میٹنگ تھی جس میں اصلاحی کمیٹی کے لیے منصور کو صدر چنا گیا متفقہ طور پر انھوں نے تیمور کو خزانچی بنانا چاہا لیکن وہ یہ کہہ کر اپنا پہلو بچا گیا کہ وہ اس محلے کا نہیں اس لیے وہ دوسرے محلے سے آ کر بہتر طور پر کام نہ کر سکے گا لہٰذا ایک اور شخص کا چناؤ ہوا۔ اس طرح دوسرے عہدوں کے لیے بھی چناؤ ہوا۔ کچھ لوگوں نے وہیں چندہ کی رقم جمع کرا دی اور دیگر نے بعد میں دینے کا وعدہ کر لیا اور یوں یہ پہلی میٹنگ ختم ہو گئی۔

تیمور جب واپس لوٹا تو مونا ابھی تک دروازے پر کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے اس نے گھورتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر کر دی آپ نے

تیمور کمرے کی طرف بڑھا

محلے میں اصلاحی کمیٹی بنا دی گئی ہے اس کی ورکنگ ٹیم کا چناؤ شروع ہو گیا تو

یہ تو بہت اچھا ہوا

اب تمہارا کیا ارادہ ہے

کیا ارادہ ؟ مونا نے پریشانی سے پوچھا

ماں تو خبر نہیں کہاں چلی گئی۔ شام کو اس کا پتہ کرنے آؤں گا۔ اب میری ا

ٹیوشن کا وقت ہو رہا ہے میں چلتا ہوں۔

تو مجھے نہیں پڑھائیں گے

گھر آ کر ہی پڑھاؤں گا

چلیئے پھر چلیں

دونوں باہر آئے۔ کار میں بیٹھتے ہوئے تیمور نے کہا

مجھے ٹکسالی چوک اتار دینا وہاں سے میں بھاٹی کی طرف نکل جاؤں گا

مونا کریم پارک سے گاڑی نکال کر جب ہوبنی روڈ لائی تو نائیلہ سینما کے پا

اچانک سیٹرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے تیمور نے کہا

مونا ! گاڑی روکنا ذرا

مونا نے گاڑی روک دی۔ تیمور اتر کر کھڑا ہو گیا۔ ان سے چند قدم

نیلو آ رہی تھی اس کے دائیں ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی وہ

اور قبل اس کے وہ کچھ کہتی تیمور نے پہلے ہی پوچھ لیا

کہاں سے آ رہی ہو نیلو !

نیلو تیمور کے پاس کھڑی ہوتی ہوئی بولی

آپ کی طرف ہی گئی تھی بھیا۔ کل بھی گئی تھی پتہ نہیں آپ کہاں رہتے ہیں

خیریت ہے نا

آپ کے انکل کا تار آیا ہوا ہے۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کاغذ تیمور کو تھما

مونا دروازے سے سر نکال کر پریشانی سے تیمور کی طرف دیکھنے لگی تھی نیلو

تیمور کا ہاتھ پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا

خیریت ہے نا بھیا

تیمور مسکرا دیا

خیریت ہے

کل ایک بجے انکل کراچی سے آ رہے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر ملنے کو کہا

تیمور نے جیب سے پانچ روپے کا ایک نوٹ نکالا اور نیلو کو تھماتے

ہوئے کہا

یہ لو نیلو اور جاؤ گھر

نیلو نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے

نہیں بھیا ! میں نہیں لوں گی۔ آج کل ہماری نسبت آپ کو ان کی زیادہ ضرورت ہے

دیکھو اچھی بہنیں ضد نہیں کرتیں اگر تم نے نہ لیے تو میں ناراض ہو جاؤں گا

نیتو نے نوٹ لے لیا اور دبی دبی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ یہ کار کس کی ہے؟

تیمور نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ یہ مجھ سے ٹیوشن پڑھتی

نیتو جب آگے بڑھنے لگی تیمور نے جیب سے کاغذ نکال کر اس پر نوراں کے مکان کا پتہ

لکھ کر نیتو کو تھما دیا۔ اب میرا پتہ یہ ہوگا نیتو نے کاغذ رکھ لیا اور جب وہ آگے

بڑھ گئی تو مونا نے تیمور کو پکارا

آیئے بیٹھئے

تیمور باہر ہی کھڑا رہا

تم جاؤ مونا! میں اب یہاں سے بھاٹی جاؤں گا

مونا نے دروازہ کھول دیا۔ آپ پہلے اندر بیٹھ کر میری بات

سنئے۔ تیمور جب اندر بیٹھا تو مونا نے کار سٹارٹ کر دی اور ٹکسالی چوک پر

وہ دائیں جانب بھاٹی گیٹ کی طرف مڑ گئی۔ تیمور نے اس کی طرف دیکھتے

ہوئے پوچھا

کدھر جانے لگی ہو

آپ کو بھاٹی اتار کر آؤں گی۔ اس کے علاوہ آپ سے ا

اجازت بھی لینی ہے

کیسی اجازت؟

کیا کل ایک بجے میں بھی آپ کے انکل سے ملنے ریلوے اسٹیشن آسکتی

ضروری ہے کیا؟

بس میرا جی چاہتا ہے

آجانا مجھے کیا اعتراض ہے

مونا خاموش ہوگئی۔ بھاٹی چوک آکر اس نے کار روکی۔ تیمور کو اتار اور

واپس چلی گئی

ایک بجنے میں ابھی پندرہ منٹ رہتے تھے۔ تیمور پلیٹ فارم پر ا
ادھر ٹہل رہا تھا۔ اور بار بار گھڑی بھی دیکھ لیتا تھا۔ گاڑی کے آنے
ابھی تک اناؤنسمنٹ نہ ہوئی تھی جب وہ ایک ٹی سٹال کے پاس سے گ
رہا تھا تو پیچھے سے کسی نے اسے پکارا

تیمور!

تیمور نے مڑ کر دیکھا۔ مونا مسکراتی اور ایک ہاتھ میں پرس ہلاتی ہ
اس کی طرف آ رہی تھی۔ تیمور کے پاس آتے ہی اس نے شکوہ کیا۔

آپ اتنی جلدی چلے آئے۔ آپ کو پتہ بھی تھا میں نے آنا ہے۔
انتظار ہی کر لیا ہوتا

بس انکل سے ملنے کی خوشی میں جلدی چلا آیا

آپ کے انکل کا نام کیا ہے؟

احسان نور

رہتے کہاں ہیں

سرگودھا شہر سے آگے ایک قصبہ ہے جس کا نام نارو کر ہے۔
ے سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں
نور نگر ہے اور وہیں میرے انکل رہتے ہیں۔ اکثر بیمار رہتے ہیں
کے مریض ہیں۔

شاید گاؤں کا نام بھی ان کے نام پر ہے

نہیں نور میرے دادا کا نام تھا۔ اور ان کے نام پر ہی گاؤں کا نام
اس گاؤں کی زیادہ تر زمین میرے انکل کی ہے۔

ڈئنگ روم کے سامنے سے گزرتے ہوئے مونا نے دروازہ
کھولتے ہوئے کہا

آیئے اندر بیٹھتے ہیں۔

تیمور اس کے ساتھ اندر داخل ہوا اور دونوں ایک میز پر بیٹھ
مونا نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔

آپ نے پھر کرائے پر کمرہ کیوں لے رکھا ہے۔ اپنے انکل کے ساتھ
کیوں نہیں رہتے

تیمور اداس ہو گیا

یہ ہمارے خاندان کا بہت بڑا راز ہے

اور آپ اس راز کو راز رکھنا چاہتے ہیں ۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں
تو پھر بھی کہہ دیں۔ آپ کا جی بھی ہلکا ہو جائے گا

تیمور نے چند لمحوں تک سر جھکایا۔ پھر غور سے مونا کی طرف دیکھا اور
شروع کیا میرے دادا کے دو بیٹے ہیں! میرے ابو اور انکل۔ میرے ا
اطوار شروع سے ہی اچھے نہ تھے شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے۔ گا
کی معصوم بھولی بھالی لڑکیوں کی عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی۔ اس پ
وہ گاؤں چھوڑ کر لاہور چلے آئے۔ یہاں وہ جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہو
اور سمگلنگ بلیک مارکیٹنگ اور ایسے دوسرے ہتھکنڈوں سے بہ
دولت کمائی اور یہاں اپنی ایک ذاتی کوٹھی بنا کر ایک جرائم پیشہ عورت سے
شادی کر لی۔ وہی جرائم پیشہ عورت اب میری ماں ہے۔

ہم دو بھائی ہیں۔ دوسرا مجھ سے بڑا ہے۔ میری ماں اور باپ شروع
سے مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ ایک تو میں بدشکل ہوں دوسرے میں ا
کو بُرے کاموں سے منع کرتا تھا۔ تیسرے میری شکل میرے دادا سے ملتی ہے
میرے ماں باپ مجھے ہر روز مارا کرتے تھے۔ میرے کھانے کی بھی کسی کو پرواہ نہ
تھی حتیٰ کہ میں اپنی کوٹھی میں بھنگیوں کے ہاں سے بھی کھانا کھا لیا کرتا تھا۔ آ
میرے باپ نے شاید دادا کا انتقام مجھ سے لیا اور مجھے عاق کر دیا۔ دا
نے انہیں بُرے کاموں پر عاق کیا تھا۔ لیکن انھوں نے مجھے اچھے کام
پر عاق کر دیا۔

میرے انکل دادا سے چوری چوری میرے ابو سے ملتے رہتے ت
میرے ابو نے انہیں بھی بری عادتیں ڈالنا چاہیں۔ جب وہ آتے میر

نہیں طوائفوں کے کوٹھوں پر لے جاتے۔ میرے انکل وہاں ایک
ئف سے متاثر ہوئے اور اس سے شادی کر کے اسے اپنے گاؤں
گئے۔ اس کے بعد وہ کبھی طوائفوں کے کوٹھوں پر نہ آئے۔

جب میں پیدا ہوا تو میرے انکل نے مجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ کچھ عرصہ بعد
کے ہاں ایک لڑکی ہوئی انھوں نے بچپن ہی میں مجھے اپنی لڑکی سے منسوب
یا تھا۔ لیکن حالات نے اچانک پلٹا کھایا۔ وہ طوائف جس سے میرے
نے شادی کی تھی انکل کا کافی سرمایہ اور اثاثہ لیکر گھر سے بھاگ گئی
پنے ساتھ اس بچی کو بھی لے گئی جو میرے ساتھ منسوب تھی۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ سارا منصوبہ میرے ابو کا تھا۔ وہی انکل کو اس
ن کے ہاں لے جاتے رہے اور اس سے شادی کرنے پر رضا
اور ان کی ترغیب پر ہی وہ انکل کا گھر لوٹ کر چلی گئی۔ شاید یہ
ے ابو کا انتقام تھا جو انھوں نے دادا سے لیا۔ اب دادا مر چکے
یرے انکل نے شادی نہیں کی اور آج تک وہ اس طوائف کو تلاش
ے ہیں تاکہ اس سے اپنی لڑکی حاصل کر سکیں جو اب جوان ہو گئی ہو گی
انکل اور ابو کی اب آپس میں بات چیت نہیں نہ ہی دونوں ایک
ے سے ملتے ہیں۔ بس میرے ساتھ میرے انکل کی خط و کتابت
یونکہ انہیں مجھ سے محبت ہے اور میں پیار میں انہیں تایا ابو پکارتا
ہ لڑکی تار دینے آئی تھی ہماری کوٹھی کے بھنگی کی لڑکی ہے اور

میری بہن ہے۔

تیمور خاموش ہو گیا۔ مونا سر جھکائے بیٹھی تھی وہ بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی۔ اور رومال سے اپنی بھیگی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ باہر ٹرین آنے کی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ دونوں نے خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور اٹھ کر پلیٹ فارم پر آ گئے۔

مونا کے ذہن میں شاید پھر کوئی خیال گزرا اور وہ تیمور سے مخاطب ہوتی ہوئی بولی

تیمور! انکل کو ٹھہراؤ گے کہاں

وہ یہاں ٹھہرتے نہیں۔ گاڑی سے اتر کر وہ سرگودھا جانے والی بس پکڑیں گے اور گھر چلے جائیں گے

مونا شاید کچھ اور بھی کہتی۔ پر گاڑی آ گئی تھی۔ جب وہ پلیٹ فارم پر آ کر رک گئی تو دونوں لپک کر ڈبے چیک کرنے لگے۔ فسٹ کلاس کے ایک کمپارٹمنٹ کے پاس تیمور رک گیا۔ پچاس سال کے پرکشش شخصیت کے بزرگ ایک قلی سے اپنا سامان اتار رہے تھے۔ ان کی پیٹھ تیمور کی طرف تھی۔ تیمور نے انہیں پکارا۔

تایا ابو!

وہ مڑے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مسکرائے کر تیمور کو گلے لگایا اور والہانہ انداز میں اس کا منہ چومنے لگے۔ مجھ

نے تیمور کا ہاتھ تھاما اور پلیٹ فارم پر چلنے لگے ان کے پیچھے پیچھے مونا اور سامان اٹھائے ہوئے قلی تھا۔

وہ فسٹ کلاس کے ویٹنگ روم میں داخل ہوئے۔ قلی نے سامان جو ایک بستر بند اٹیچی اور بریف کیس پر مشتمل تھا ایک کونے میں رکھ دیا تیمور کے انکل احسان نے اسے اس کی اجرت دی اور وہ چلا گیا۔ پھر وہ ایک درمیانی میز پر بیٹھ گئے۔ مونا ابھی تک ایک طرف کھڑی تھی۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیمور نے کہا۔

تایا ابو! یہ مجھ سے ٹیوشن پڑھتی ہیں۔ اس کا نام مونا ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ یہ آپ سے ملنا چاہتی تھی

احسان نے بڑے پیار سے کہا

بیٹھو بیٹی!

مونا اپنا لباس سنبھالتی ہوئی ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ احسان نے پھر بڑے پیار سے پوچھا کہاں رہتی ہو بیٹی

مونا نے بڑی شائستگی اور مٹھاس سے کہا

راوی پارک رہتی ہوں

تمہارے ابو کیا کرتے ہیں

مونا اداس ہو گئی پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں اس نے کہا میرے ابو چند ماہ قبل کار کے ایک حادثے میں مر

گئے تھے۔ ان کا نام بھی آپ کی طرح احسان تھا لہٰذا مجھے آپ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔

احسان چند لمحے خاموش رہے پھر دکھ سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

تم ٹیوشن کیوں پڑھاتے ہو بیٹے!

تیمور نے پیار سے احسان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا

میں سکول میں ٹیچر ہو گیا ہوں تایا ابو!

احسان نے اضطراری حالت میں پوچھا

لیکن کیوں۔ کیا کامران اس قدر کنگال ہو گیا ہے کہ تمھیں دو وقت کی روٹی بھی نہیں دے سکتا تیمور نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کی گردن جھک گئی۔

احسان نے زور دے کر کہا

بولتے کیوں نہیں؟

تیمور نے لرزتی آواز میں دکھ سے کہا

وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں تایا ابو! انسان نہیں سمجھتے

جو تمھیں انسان نہ سمجھے وہ الو کا پٹھا خود انسان نہیں۔ آج کل کتنے دنوں بعد گھر جاتے ہو؟

تیمور کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور آواز شکستہ ساز کی آواز کی طرح ٹوٹنے لگی

انھوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے

احسان پر جنونی کیفیت چھا گئی

کیا کہا؟

تیمور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

انھوں نے مجھے عاق کر دیا ہے تایا ابو

تیمور کی حالت دیکھ کر مونا رونے لگی تھی۔ احسان کے سینے میں ایک طوفان کا تلاطم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ کئی بریدہ سے رنگ چہرے پر آ کر چلے گئے تھے۔ تیمور نے انہیں چونکا دیا آپ کہاں کھو گئے ہیں تایا ابو

احسان کی آواز یوں سنائی دی جیسے ملبے تلے دبے ہوئے زخمی کی کراہ

تم پر قیامت کے امتحان گزر گئے میرے بیٹے! اور تم نے مجھے اطلاع ہی نہ دی۔ کیا فائدہ پھر میرے تمھارے رشتے کیا تیمور نے اپنی پلکیں پونچھ لیں

زندگی کے کچھ حادثات ایسے بھی ہوتے ہیں تایا ابو جنھیں کھولا نہیں جا سکتا۔ اپنے ماں باپ کی نگاہوں میں تو میں دونوں جہانوں کا مجرم ہوں لیکن اب مجھے جینے کا ڈھنگ آ گیا ہے

احسان نے فیصلہ کن انداز میں کہا

تم ابھی میرے ساتھ چلو گے۔ اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرو۔ چل کر کوئی ضرورت نہیں نوکری کرنے کی میں ضرور ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس چلا

آؤں گا تایا ابو! لیکن ابھی نہیں۔ ابھی مجھے بہت کچھ کرنا ہے آپ کی عظمت اور پُرذلت کی قسم تایا ابو! میں اپنے ماں باپ کو یہ احساس دلاؤں گا میں اتنا ارذل نہ تھا جتنا سمجھ کر انھوں نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ اپنے گناہوں کو بھی عقلاً جانتے ہیں اور میں نے ان پر ثابت کرنا ہے کہ گناہ کیا ہو۔ کسی سے بھی سرزد ہو، گناہ آخر گناہ ہے

تم ابھی میرے ساتھ چلو!

نہیں تایا ابو! مجھے کچھ کرنے کا موقع دیں۔ ویسے آپ سے ملنے دسمبر کی چھٹیوں میں آؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اصل موضوع سے ہٹ گیا

آپ یہ بتایئے کہاں کہاں سے ہو کر آ رہے ہیں

احسان نے ایک لمبا سانس کھینچا

کراچی، کوئٹہ، حیدر آباد، سکھر اور ملتان سے ہو کر آ رہا ہوں

آنٹی کا کچھ پتہ چلا؟

سخت مایوسانہ انداز میں ہاتھ پھیلاتے ہوئے انھوں نے کہا

نہیں بیٹے

اچھا یہ بتایئے کھائیں گے کیا؟

مجھے بھوک نہیں بیٹے! تم ایسا کرو باہر سٹال پر جاؤ اور انہیں اور دو چار کھانے کی چیزیں بھیجنے کو کہہ آؤ۔ ہم نے خواہ مخواہ ہی اپ

گھریلو مسئلے شروع کر دیئے تھے۔ مونا بیٹی بور ہو رہی ہوگی تمھاری باتیں سن کر وہ بور بھی رہی ہے

مونا چونک پڑی

نہیں۔ میں بور نہیں ہو رہی۔ تیمور جب اٹھ کر باہر جانے لگا تو مونا اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی بولی تیمور! ٹھہر جاؤ۔ میں خود آرڈر دے کر آتی ہوں۔ اور میں آرڈر کے پیسے بھی دوں گی۔

تم بیٹھو بیٹی! اسے آرڈر دینے دو۔ پیسے میں خود دوں گا

مونا۔ تیمور کی طرف لپکی

نہیں انکل میں خود دوں گی پیسے! آپ میرے باپ کی جگہ ہیں۔ میں سمجھوں گی میں نے اپنے باپ کی خدمت کی ہے اگر آپ نے مجھے مایوس کیا تو میں سمجھوں گی آپ نے مجھے اس سعادت سے محروم رکھا ہے۔

احسان نے تیمور کو آواز دی

تیمور! رک جاؤ بیٹے! مونا کو ہی آرڈر دینے دو۔ میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا

مونا خوشی میں گویا جھوم گئی۔ تیمور کے ساتھ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی تھوڑی دیر بعد وہ واپس لوٹے تو بیرے ان کے ساتھ تھے۔ احسان نے اعتراض کیا اتنی ڈھیر سی چیزیں لے آئی ہو بیٹی!

تیمور نے بھی اعتراض کیا

میں نے بہت روکا تایا ابو! پر یہ رکتی ہی نہ تھی

چلو بیٹا! اسے اپنی خوشی پوری کر لینے دو۔ احسان مسکرا رہے تھے

مونا چن چن کر اچھی اچھی چیزیں احسان کو کھلاتی رہی جب وہ کھا چکے تو ا
نے برتن اٹھوا کر بل ادا کیا۔ احسان بھی کھڑے ہو گئے اور تیمور سے کہا

قلی کو بلاؤ بیٹا! اور مجھے بس میں بٹھا آؤ

تیمور کھڑا ہو گیا

میں خود سامان اٹھا لیتا ہوں تایا ابو

نہیں بیٹے کیوں کسی سے ظلم کرتے ہو۔ بلاؤ لاؤ کسی قلی کو چار پی
ہم سے بھی کمالے گا

تیمور باہر نکلتا ہوا بولا

پھر تو ضرور بلا کر لاؤں گا

تیمور قلی لے آیا۔ سامان وہ اسٹیشن سے باہر لائے اور مونا کے کہ
پر اس کی کار میں رکھنے لگے۔ مونا نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے احسان سے ک

بیٹھئے انکل

احسان اندر بیٹھتے ہوئے بولے

کار تمہاری ہے بیٹی!

مونا اگلی سیٹ پر تیمور کے ساتھ بیٹھ گئی

ہاں انکل۔

تیمور کار چلا کر اسٹیشن کے سامنے جی ٹی ایس بس اسٹینڈ پر لایا۔
احسان نے پیسے نکال کر تھماتے ہوئے کہا

جاؤ ٹکٹ لے آؤ بیٹے!

تیمور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا

میرے پاس پیسے ہیں تایا ابو

جب تیمور چلا گیا تو احسان نے بڑی شفقت سے مونا کو دیکھتے ہوئے کہا

مونا! ایک بات پوچھتا ہوں۔ سچ کہنا بیٹی!

مونا کا سر جھک گیا

پوچھئے انکل!

کیا تم تیمور کو پسند کرتی ہو

مونا نے اپنے دوپٹے کا پلو منہ میں لیا اور اسے بری طرح نوچنے لگی
وہ شرم اور لاج سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ احسان نے پھر پوچھا

میں تمہارے منہ سے کچھ سننا پسند کروں گا بیٹی!

مونا نے بمشکل اکھڑی اکھڑی سانسوں میں کہا

ہاں انکل!

احسان نے چند لمحوں تک کچھ سوچا پھر لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا

میں خوش ہوں بیٹی تم اسے پسند کرتی ہو۔ شاید تمہاری محبت کی وجہ سے
ہی اس کا دل یہاں لگا ہوا ہے ورنہ گھر سے نکل کر وہ ضرور میرے پاس آتا۔

وہ بدشکل ہی سہی پر بڑا درد مند اور حساس لڑکا ہے! اگر کسی موقع پہ حالات
سے مجبور ہو کر تم نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو وہ جی نہ سکے گا میری بیٹی!

مونا نے بڑی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا

آپ بے فکر رہیں انکل میں پوری زندگی ان کی سانس اور سایہ بن کر
ان کے ساتھ رہوں گی

جیتی رہو بیٹی! دسمبر کی چھٹیوں میں تیمور جب سرگودھا آئے اگر ہو
سکے تو تم بھی اس کے ساتھ آنا

ضرور آؤں گی انکل

تیمور ٹکٹ لے کر آ گیا تھا۔ اور احسان کو ٹکٹ دیتے ہوئے کہا
تایا ابو! ٹکٹ پر میں نے اپنا نیا ایڈریس لکھ دیا ہے۔ میں اب کریم پارک رہتا
ہوں اور اسی ایڈریس پر مجھے لکھا کریں

احسان نے ٹکٹ لے کر ایڈریس پڑھا پھر بڑی شفقت سے کہا

تیمور بیٹے! دسمبر کی چھٹیوں میں جب سرگودھا آؤ تو مونا کو بھی ساتھ لے آنا
میں نے اس سے بات کی ہے یہ وہاں جانے پر رضامند ہے

تیمور نے ان کا سامان نکالتے ہوئے کہا

لے آؤں گا تایا ابو! اب آپ باہر آئیے۔ میں سامان رکھواتا ہوں۔ آپ
کی بس چھوٹنے والی ہے۔ احسان کار سے باہر آ گئے۔ ان کے ساتھ مونا بھی باہر
آ گئی۔ مونا نے فوراً اٹیچی اٹھا لیا۔ تیمور نے بستر بند اور بریف کیس پکڑا

۔ سامان بس میں رکھوا کر انھوں نے احسان کو فرنٹ کی ایک سیٹ پر بٹھا
یا۔ خود وہ دونوں بس سے باہر ان کے قریب کھڑکی میں کھڑے ہو گئے۔

احسان نے تیمور کو اپنے قریب بلایا اور سو سو کے پانچ نوٹ اس کی طرف
ھاتے ہوئے کہا

یہ رکھ لو!

تیمور تکلف برتنے لگا

میرے پاس ہیں ابو!

احسان نے سخت لہجے میں کہا۔ میرے ساتھ تکلف ہے۔ تیمور نے
ے نوٹ پکڑ کر جیب میں ڈال لیے احسان پھر بولے۔ وہاں جا کر میں
بڑی رقم کا ایک چیک بھیجوں گا کیش کرا لینا پر نہیں تم وہاں آؤ گے
ب ملے گا ورنہ تم پھر وہاں آنے میں سستی کرو گے۔

بس روانہ ہو گئی۔ اور جتنی دیر وہ نظر آتی رہی تیمور اسے ٹکٹکی باندھے
رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے شاید تایا کے بچھڑنے پر۔ مونا اس
ت دیکھ کر بس گئی تھی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے
پیار سے کہا

تیمور!

تیمور نے آنکھیں خشک کر لیں

ہوں!

مونا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ آئیے چلیں

تیمور چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ دونوں کار میں آ کر بیٹھ

مونا چند لمحوں تک اسے بڑے پیار سے دیکھتی رہی۔ تیمور ابھی تک گم

مونا نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

کہاں پہنچ گئے ہیں؟

تیمور سنبھل کر بیٹھ گیا۔ چلو چلیں

کہاں چلیں

گھر اور کہاں

مونا نے ڈرتے ڈرتے اور ہچکچاتے ہوئے کہا

فلم نہ دیکھیں آج

ضروری ہے کیا؟

بس تفریح ہو جائے گی

کون سی دیکھیں؟

سسرال دیکھتے ہیں۔ گلستان میں لگی ہے

کون کون ہیں؟

شاہد اور سنگیتا۔ میری کچھ دوست دیکھ چکی ہیں کہہ رہی تھیں اچھی فلم ہے

میری ایک شرط ہے

کیا؟

ٹکٹیں میں لوں گا

ٹھیک ہے پیسے میں دوں گی۔ ٹکٹیں آپ لے لیں

پھر نہیں میں دیکھوں گا

اچھا جناب آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ ہی ٹکٹیں لے لینا۔ مونا نے کار وہاں سے نکالی اور میکلوڈ روڈ پر ڈال دی۔

قافلہ آدم اپنے سراب نما رنگین طلسم کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ وقت کی رفتار اپنی خاموشی کی زبان سے تیزی کے ساتھ گزرتے ہوئے لمحات کی خبر گیری کرتی رہی بہاروں کی دیویاں سانولی شامیں اور چاند کی شمعیں آتی جاتی رہیں۔ شام صبح کو اور صبح شام کو تلاش کرتی رہی بیسویں صدی کے زنگ آلود معاشرے کا درماندہ کاروان آگے بڑھتا رہا۔

تیمور کی ساری ٹیوشنیں جاتی رہی تھیں۔ کیوں کہ امتحان ہو کر رزلٹ بھی نکل گئے تھے۔ این۔ ڈی۔ وی۔ پی کی طرف سے اسے چھ ماہ کی اکٹھی تنخواہ ملی تھی اور اس کے ساتھ ہی اس کی سروس بھی جاتی رہی تھی۔ کیونکہ یہ محکمہ ہی ختم ہو گیا تھا۔ حکومت نے ایسے استادوں کو مستقل کرنے کے بے شمار وعدے کئے پر وعدے تو صرف وعدے ہی ہوتے ہیں جنھیں پورا تھوڑا ہی کیا جاتا ہے اور اس لائن کے ہزاروں استادوں کا مستقل تاریکی میں ڈوب گیا۔ تیمور بھی کسی سروس کی تلاش میں شہر کی لمبی لمبی سڑکیں ناپنے لگا تھا۔ اب وہ کریم پارک نوراں کے ہاں ہی رہتا تھا اور حیدر بلڈنگ کا کمرہ اس نے خالی کر دیا تھا۔ کرایہ دینا اس کے لیے

مشکل تھا کیونکہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رہا تھا۔

نوراں کے گھر کا ایک کمرہ اس کی رہائش گاہ تھی اور دوسرے کمرے میں اصلاحی کمیٹی کا دفتر بن گیا تھا جسے کبھی کبھی منصور صاف کر کے وہاں بیٹھتا تھا اس نے بھی بوا چھوڑ کر ایک ہوٹل میں دو سو روپے ماہوار پر بیرہ گری کر لی تھی۔ نوراں سے تیمور کی کبھی کبھی ملاقات ہوتی تو وہ اسے گھر لے جاتا اور اس کی خدمت کرتا۔ ورنہ وہ اکثر سڑکوں پر بھٹکتی رہتی محلے والوں نے بڑی محنت کر کے اصلاحی کمیٹی کو کامیاب بنا لیا تھا۔ اور اب انھوں محلے کے ہی ایک دوکان لے کر وہاں فری ڈسپنسری کھول دی تھی جو شام کو کھلتی تھی اس میں محلے کا ایک آدمی جو میو ہسپتال میں ملازم تھا۔ بغیر کسی معاوضے کے کمپونڈر کا کام کیا کرتا تھا۔

رعنا ایف اے کر گئی تھی۔ گو تیمور اسے پڑھانے نہیں آتا تھا۔ لیکن وہ خود جا کر اسے اکثر مل آتی تھی۔ اور اب وہ بی۔ اے میں داخلہ لینے کی تیاری کر رہی تھی۔ ایک روز وہ شام سے ذرا پہلے تیمور سے مل کر گھر لوٹی۔ لان میں کرسی پر بیٹھی اس کی شاہینہ نے اسے آواز دی۔

رعنا! ادھر آؤ بیٹی

رعنا پرس ہلاتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی

کیسے امی

آج ایک فنکشن میں تمہارا رقص ہے۔ جلدی جلدی تیاری کر لو۔ اپنا

کوئی سب سے عمدہ پسندیدہ ڈریس پہننا آج تمہارا میک اپ میں خود کروں گی
تم اٹھ کر پہلے نہالو۔

مونا نے بڑی جستجو سے پوچھا

کہاں اور کیسا فنکشن ہے امی!

یہ بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم تیاری کرو۔ آٹھ بجے وہاں پہنچنا ہے۔ مونا خا
سے اٹھ کر اندر چلی گئی اور تیاری کرنے لگی۔

دونوں ماں بیٹی پونے آٹھ بجے اپنی کار میں کوٹھی سے نکلیں۔ شاہینہ کا
چلا رہی تھی اور مونا؟ ——— دلھن بنی اس کے ساتھ بیٹھی تھی
لیڈی ولنگڈن ہسپتال کے پاس سے گزرنے کے بعد کار بائیں طرف اس بازا
کی طرف مڑ گئی جنہیں کوچے اور نیلام گھر کہتے ہیں۔ جہاں زندگی کے
ہوئے کاروائیوں میں عصمتوں کے سودے ہوتے ہیں جہاں ———
مسلی ہوئی ادھر کھلی کلیاں اور کھلی رنگ رلیاں میں بھوکی نگاہیں ڈ
بدن اور مدقوق چہرے ہیں۔ بازار؟ جہاں مذہب کی لاش پر ابلیس رقص
کرتا ہے اور عصمتوں کے بدلے روٹی ملتی ہے۔ کوٹھے؟ جہاں عورت ننگ
بکتی اور ننگی نچوائی جاتی ہے۔ گناہ کا میدان؟ جہاں مرد بیچاری عورت
کی انہی چھاتیوں کا سودا کرتا ہے جن سے دودھ پیتا ہے۔ اسی ٹھنی
کو ذلیل اور رسوا کرتا ہے جو بھول رہتی ہے۔

مونا جو اس بازار کی اصلیت سے بے خبر تھی اپنی ماں کے سات

سلون بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک عمارت کے سامنے کار رک گئی۔ اور مونا اپنی ماں
پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ شاہینہ نے اسے ایک کمرے میں بٹھایا جو
ائنگ روم کی طرح سجا ہوا تھا۔ مونا کو ایک صوفے پر بٹھانے کے بعد اس
ساتھ والے کمرے میں گئی۔ وہاں کچھ سازندے اور ایک بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی
ستہ آہستہ چھالیا کاٹ رہی تھی۔ شاہینہ کو دیکھ کر وہ سب کھڑے ہو گئے۔ شاہینہ نے
بوڑھی عورت کو مخاطب کیا

امینہ! کوئی آیا ہے؟

اس بوڑھی عورت نے ہاتھ میں پکڑا ہوا سروتا صاف کرتے ہوئے کہا

کمرہ بھرا ہوا ہے اور سب لوگ بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں

شاہینہ واپس مڑتی ہوئی بولی

تم سازندوں کو بٹھاؤ۔ میں مونا کو لاتی ہوں۔ شاہینہ پھر اسی ڈرائنگ روم میں
ا کے پاس بیٹھتے ہوئے اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

مونا! مردوں کے سامنے رقص کرنا ہوگا گھبراؤ گی تو نہیں

مونا! مسکرا دی

گھبرانا کیسا امی جب میں نے اتنی محنت اور کوشش کے ساتھ آپ کی خواہش پر
سیکھا ہے تو پھر گھبراہٹ کیسی۔

اچھا اٹھو۔ ساتھ والے کمرے میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے

مونا کھڑی ہو گئی۔ چلئے

دونوں ساتھ والے کمرے میں آئیں۔ یہ خاصہ بڑا تھا۔ گاؤ تکیوں کے
سہارے ان گنت مرد بیٹھے تھے۔ ایک طرف سازندے بوڑھی امینہ بیٹھے تھے
وسط میں گول دائرے کی شکل میں جو جگہ خالی تھی اور جہاں چاندنی بچھی ہوئی تھی
گھنگھروؤں کا ایک جوڑ پڑا تھا

شاہینہ مونا کو پکڑ کر درمیان میں لے گئی اور اس کے پاؤں میں گھنگھ
باندھنے لگی۔ مونا نے اعتراض کیا

ان کی کیا ضرورت ہے امی!

شاہینہ نے بڑے پیار سے کہا

رقص میں یہ اتنے ہی ضروری اور اہم ہیں جتنی انسانی جسم میں روح ہو۔ شاہینہ پ
ہٹ گئی۔ سازندوں نے ساز چھیڑے اور مونا نے رقص شروع کیا۔
آہستہ آہستہ پھر جب ساز اپنے عروج پر آیا تو مونا بھی رقص میں اپنے جوبن
اور ربڑ کی گڑیا کی طرح اس نے رقص میں اپنے جسم کے ہر عضو کو
کرکے دکھا دیا تھا۔

پھر جب ارد گرد بیٹھے تماشائیوں نے خوش ہو کر داد دیتے ہوئے
پر سرخ ہرے نوٹوں کی بارش کی تو مونا اس جنگلی ہرنی کی طرح بدک اٹھی
پر اچانک کسی درندے نے حملہ کر دیا ہو۔ اس کے چہرے پر بے پناہ
کا اظہار تھا۔ اس نے رقص بند کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی سا
والے کمرے میں چلی گئی۔

سازندے خاموش ہو گئے۔ شاہینہ اور امینہ بھی اٹھ کر مونا کے پیچھے آئیں قبل اس
کے ان دونوں میں سے کوئی مونا سے مخاطب ہوتا۔ چالیس کے سن کا ایک تماشائی
جس نے شراب پی رکھی تھی۔ پاس کمرے میں آیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے اپنے سامنے
کرسی پر بیٹھی مونا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہینہ سے کہا

بائی! تمہاری بیٹی ویسی ہی نکلی جیسی تم نے تعریف کی تھی۔ پورے بازار ڈھونڈو
ایسی لڑکی نہ ملے۔ بولو کیا لو گی اس کی نتھ کھلوائی؟

شاہینہ نے اس موضوع سے پہلو تہی کرتے ہوئے کہا

میں بعد میں اس موضوع پر آپ سے بات کروں گی۔ ابھی آپ جائیے

اس نے بڑی بیتابی کا اظہار کیا

دیر کیسی۔ اسے ابھی بھیجو میرے ساتھ۔ ایک لاکھ روپیہ نتھ کھلوائی دوں گا
اور میرے پاس رہے گی اس کے بعد جو کہو گی ماہوار تنخواہ مقرر کر دوں گا

شاہینہ نے بیزاری سے کہا

فی الحال آپ جائیے۔ مجھے بیٹی سے کچھ کہنا ہے

وہ اٹھا اور ڈگمگاتے قدموں سے باہر نکلتے ہوئے کہا

ایک بات ذہن میں رکھنا کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہو۔ جب وہ باہر نکل
گیا تو مونا سانپ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی اور قہر آلود نگاہوں سے شاہینہ کی
طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

ہاں! یہ فنکشن ہے یا مجرا اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ شریف شہری

تھے یا طوائفوں کے تماشائی اور ———— اور تم ماں ہو بائی۔

شاہینہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا

ماں بھی اور طوائف بھی

مونا نے دکھ سے کہا

میرے لیے ماں ہی رہو تو بہتر ہے

شاہینہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا

دیکھو مونا! کسی غلط فہمی میں نہ رہنا۔ میں نے اپنی زندگی ساری اس کوٹھے میں گزاری ہے۔ تمہیں رقص کی تعلیم دینے کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا کہ تم اس کوٹھے کی زینت بنو۔ ایف اے تک تمہیں تعلیم دلانا تمہارے ذہن میں آداب اور شعور پیدا کرنا تھا آج کے بعد تمہاری تعلیم ختم۔ تم ایک طوائف کی بیٹی ہو اور تمہارا مستقبل یہ کوٹھا ہے

مونا نے چلاتے ہوئے کہا

یہ ضروری نہیں کہ پیغمبر کا بیٹا پیغمبر اور طوائف کی بیٹی طوائف ہی بنے۔ آزر کے ہاں ابراہیم علیہ پیدا ہو سکتے ہیں اور فرعون کے گھر موسیٰ علیہ پرورش پا سکتے ہیں۔

شاہینہ نے غصے میں کہا

پھر تم نے ماں کا پیار ہی دیکھا ہے۔ طوائف کا سامنا نہیں کیا۔ تمہیں اس کوٹھے کو آباد اور یہاں اپنی عزت کا سودا کرنا ہوگا۔

مونا رو پڑی

جس دن مونا کی عزت کا سودا ہوا وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا

شاہینہ برس پڑی

زیادہ نخرے نہ دکھاؤ۔ وہ تمہارا ایک لاکھ کا گاہک ابھی بیٹھا ہے کہو تو رات بھیج دوں اسے تمہارے پاس

مونا ڈر رہی تھی

بیشک بھیج دو اور پھر دیکھنا آج کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ا۔ مونا ہچکیاں لے لے کر رونے لگی تھی۔ امنہ شاہینہ کا ہاتھ پکڑ کر رے کمرے میں لے گئی۔ مونا کو شک گزرا اپنی جگہ سے اٹھی اور دبے لتی ہوئی دروازے کے پاس کھڑی ہو کر گفتگو سننے کی کوشش کرنے۔ امینہ نے شاہینہ سے کہا

تم کیسی اکھڑ ثابت ہوئی ہو اس معاملے میں جوان لڑکیوں کو سختی سے اپنی ت منوانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ تم تو تجربہ کار ہو۔ اسے جتنا پیار دے ی ہو دو اور اپنے اعتماد میں لو۔ کبھی کبھی یہاں کوٹھے پر لاتی رہو۔ جب اں ماحول اور مردوں سے مانوس ہو جائے گی خود بخود تمہارے اشاروں اچے گی۔ اب تم جاؤ اسے پیار کرو اور گھر لے جاؤ۔ گھوڑی کو جب ر نکالا جاتا ہے تو تھوڑا تھوڑا اور آہستہ آہستہ اس پر بوجھ ڈالا جاتا ہے۔

شاہینہ جب مڑنے لگی تو مونا بھاگ کر اپنی جگہ بیٹھ گئی اس کا ذہن اب

پوری طرح بیدار تھا۔ جونہی شاہینہ اس کمرے میں داخل ہوئی۔ مونا اٹھی بھاگ کر شاہینہ سے لپٹ گئی۔ شاہینہ نے والہانہ انداز میں اسے لپٹا لیا اس کا منہ چومتے ہوئے اس کے آنسو پونچھنے لگی۔ مونا نے ہچکیوں میں کہا

امی! تم جس طرح کہو گی میں ویسے ہی کروں گی۔ میری صرف دو شرطیں ہیں

شاہینہ نے خوش ہو کر پھر مونا کا منہ چوم لیا

کیا شرطیں ہیں میری بیٹی کی

ایک تو میں عزت نہیں بیچوں گی۔ دوسرے رات اس کوٹھے کے اپنے گھر رہا کروں گی اس کے علاوہ جو آپ کہیں گی میں مانوں گی۔ مونا نے اعتماد میں لینے کی کوشش کی تھی

شاہینہ کے بولنے سے قبل ہی ساتھ والے کمرے سے امینہ نکل کر بولی

تمہاری شرطیں منظور ہیں بیٹی! جاؤ شاہینہ اسے اب گھر لے جاؤ۔ شاہینہ مونا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ دونوں ماں بیٹی سیڑھیاں اتر کر کار میں بیٹھیں اور چلی گئیں۔

حلقہ شب تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا۔ خوابوں کی طرب گاہیں آباد ہونے لگیں۔ شاہینہ اور مونا کار سے اتر کر اپنے کمرے میں آئیں۔ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے تھکے لہجے میں شاہینہ نے کہا

مونا بیٹی۔ کسی ملازم سے کہو مجھے پانی پلا دے۔

مونا اپنے کمرے کی طرف لپکی۔ میں خود پانی پلاتی ہوں امی!

اپنے کمرے میں آ کر مونا نے گلاس اٹھایا۔ اس کے چہرے پر اب اطمینان تھا۔ شاید اس نے کوئی اہم فیصلہ کر لیا تھا۔ اپنے کمرے میں کچھ خواب آور گولیاں نکالیں۔ انہیں پیس کر گلاس میں ڈالا۔ پھر گلاس پانی سے بھرا اور شاہینہ کے پاس لائی۔ شاہینہ نے پانی پی لیا اور برا سا منہ بناتے ہوئے پوچھا

آج پانی کا ذائقہ کیسا ہے؟

مونا بات بنا گئی۔ شاید کسی نے آج تازہ پانی نہیں بھرا۔ گلاس اٹھائے مونا کمرے میں آئی تھوڑی دیر وہاں بیٹھی رہی۔ پھر واپس آ کر شاہینہ کو دیکھا وہ سو گئی۔ مونا دوبارہ اپنے کمرے میں آئی دو اٹیچی کیس خالی کیے۔ اور ان دونوں

میں دبا دبا کر اپنے نئے کپڑے پیک کرنے لگی۔ ان میں زیادہ تر ایسے تھے
ابھی استعمال نہ کیا گیا تھا۔ وہاں سے نکل کر اس نے شاہینہ کی انگیا سے چابیوں
گچھا نکالا۔ گھر کے کیش سیف کو کھول کر ایک بھاری رقم کے علاوہ اس نے
اور شاہینہ کا سارا زیور بھی لے کر ایک اٹیچی میں رکھ لیا۔ سیف اسی طرح بند
کے چابیاں اس نے شاہینہ کی انگیا میں ڈال دیں۔

دونوں اٹیچی اٹھائے احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی باہر نکلی گر
کی طرف جانے کے بجائے وہ پچھلی دیوار کی طرف گئی۔ پہلے دونوں اٹیچی د
کے اوپر رکھے پھر دیوار پھلانگ کر دوسری طرف گئی اور دونوں اٹیچی
کر تیز تیز قدم اٹھانے لگی۔ بڑی سڑک پر آ کر خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دیر ا
کے بعد اسے رکشہ مل گیا اور وہ اس میں بیٹھ کر کریم پارک کی طرف روانہ ہو گئی
رکشا سے اتر کر اس نے کرایہ ادا کیا۔ اپنے دونوں اٹیچی اٹھائے آگے
اور نوراں کے مکان پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور تیمور ا
کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی مونا کی طرف حیرت سے دیکھ ہی رہا تھا کہ مونا ا
اٹھائے اندر داخل ہوئی اور پریشان کھڑے تیمور کو ایک طرف ہٹا کر خود
دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

تیمور نے مدہم سی آواز میں پوچھا

خیریت ہے نا؟

مونا گھبرائی ہوئی تھی

پہلے اندر چلئے پھر بتاتی ہوں

تیمور نے دونوں اٹیچی اٹھا لئے۔ آؤ میرے ساتھ۔ دونوں کمرے میں آ گئے۔ اٹیچی
رنے میں رکھنے کے بعد تیمور مونا کی طرف مڑا۔ اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ چہرے
بدحواسی اور خوف اور پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے خوبصورت قطرے تھے
یور اس سے قریب ہوا۔

اب بتاؤ کیا بات ہے ابھی تھوڑی دیر قبل ہی تو تم یہاں سے گئی ہو

مونا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

طوفان آتے دیر نہیں لگتی

کیسا طوفان اور یہ تم کیسے اور کہاں سے آ رہی ہو؟

مونا رو پڑی

نیلام گھر سے آ رہی ہوں

کیسا نیلام گھر

جہاں سر برہنہ عصمتیں بکتی ہیں۔ اور جہاں عورت غمگین اور رسوا کہانی ہے

تیمور کے سینے میں طوفان کا تلاطم اٹھ کھڑا ہوا وہ مونا کی خستگی اور شکستگی
بکھ نہ سکا اور اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا

کھل کر کہو کیا کہنا چاہتی ہو

مونا نے تیمور کے دونوں بازو پکڑ کر کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا

آپ پہلے بیٹھئے پھر بتاتی ہوں۔ تیمور کسی معصوم بچے کی طرح اس کا

کمنا مانتے ہوئے بیٹھ گیا۔ اچانک مونا نیچے جھکی اپنے دونوں ہاتھوں سے ت
کے پاؤں پکڑ لیے اور اپنا سر اس کی رانوں پر رکھتے ہوئے وہ بری طرح رو
اور ہچکیوں میں کہا

خدا کے لیے آج بتا دیجئے کہ ہسپتال میں مجھے کس نے خون دیا تھا اور کو
میرا گمنام مسافر ہے۔ آج بھی اگر آپ نے نہ بتایا تو مونا آپ کے سامنے اس
کمرے کی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے گی۔

تیمور خود بھی کھڑا ہو گیا اور مونا کو اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا

پہلے یہ بتاؤ تم پر کیا بیتی!

مونا اپنے آنسو پونچھنے لگی

پہلے آپ یہ بتائیے کہ گمنام مسافر کون ہے؟

تیمور سنجیدہ ہو گیا۔ اگر وہ تمہارے معیار پر پورا نہ اترا تو پھر؟

مونا نے پھر اس کے ہاتھ تھام لیے

آپ بے فکر ہو کر کہیے میری آرزوں کا کوئی ایوان اور معیار نہیں۔ وہ جو
بھی ہے، جیسا بھی ہے۔ وہی میرا معیار ہے

میری زبان پر تمہیں اعتبار آ جائے گا

ہاں۔ آپ کی زبان پر اعتبار نہ کرنا میں گناہ سمجھتی ہوں

اگر میں کہوں میں ہی وہ گمنام مسافر ہوں تو پھر؟

مونا نے اس کے ہاتھ چھوڑ دیئے اور بری طرح اس سے لپٹتے ہوئے بولی

بس میں یہی آپ کی زبان سے سننا چاہتی تھی۔ حالانکہ مجھے علم تھا کہ آپ ہی نے
مجھے خون دیا تھا

تیمور نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے

تمہیں کیسے پتہ چلا

جس روز فراست کو آپ نے مارا تھا اسی روز ہی مجھے شک گزر گیا تھا۔
ایک روز میں اس لیڈی ڈاکٹر کو گھر لے آئی جس نے خون لیا تھا اور جب آپ
پڑھانے آئے اس نے میرے کہنے پر دوسرے کمرے میں چھپ کر آپ کو
دیکھا اور مجھے بتا دیا کہ آپ ہی نے مجھے خون دیا ہے

تیمور نے مسکراتے ہوئے پوچھا

تو تم مجھ سے محبت کرتی ہو

مونا نے اپنی بھیگی پلکیں اوپر اٹھائیں

ہاں۔ اور آپ؟

میں بھی ایک ایسی لڑکی سے محبت کرتا ہوں جس کا نام مونا ہے

مونا اور زور کے ساتھ تیمور سے لپٹ گئی اور اپنا سر بڑے سکون کے
اس کی چھاتی پر رکھتے ہوئے کہا

آپ کے انکل کو بھی پتہ چل گیا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں

انہیں کیسے علم ہوا

مونا نے بڑی معصومیت سے کہا۔ انھوں نے خود مجھ سے پوچھا تھا

کہ تم تیمور کو پسند کرتی ہو اور میں نے ہاں کہہ دی

تیمور ہنس دیا۔ بڑی چکر باز ہو

آپ چکر باز نہیں جو اتنا عرصہ مجھے بناتے رہے

تیمور نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔ اب بتاؤ تم کیسے آئی ہو

مونا نے سر جھکا لیا اور سوچوں میں ڈوب گئی

تیمور اس کی پشت پر آیا اور اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے

سوچتی کیا ہے۔ بتاؤ دو کیا بات ہے

مونا کی آنکھوں میں پھر آنسو آ گئے تھے۔ میری ماں کوئی عام عور
نہیں ہے تیمور! وہ طوائف ہے۔ آج جب میں آپ سے مل کر گئی ت
مجھے کسی فنکشن میں ڈانس کرنے کے بہانے طوائفوں کے کوٹھوں میں ل
وہاں اس کا اپنا کوٹھا بھی ہے۔ وہاں وہ لاکھوں روپے کے عوض میری عصمت
سودا کرنا چاہتی تھی۔ ڈانس کے بعد جب وہ مجھے گھر لے کر گئی میں ن
خواب آور گولیاں کھلا کر سلا دیا اور خود آپ کے پاس چلی آئی۔ اگر میں چند د
اس کے پاس ٹھہر جاتی تو میری عزت لٹ جاتی اور میں طوائف بن کر رہ جاتی۔

تیمور نے مونا کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ اگ
زیادہ خراب ہوئے تو میں تمہیں تایا کے پاس سرگودھا بھیج دوں گا تم میری زندگی
بن کر آئی ہو مونا۔ آج سے تم میری جان ہو۔ مونا نے تیمور کے ہاتھ چوم لیے
آپ بھی میری جان ہیں۔

تیمور نے اسے پکڑ کر اٹھایا

اچھا اب اٹھو پچھلی ساری باتیں بھول جاؤ۔ دروازہ اندر سے بند کر لو۔ میں
تمہارے لیے ہوٹل سے کھانا لاتا ہوں۔ مجھے پتہ ہے تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہوگا۔
اور تمہیں بھوک لگی ہوگی۔ لگی ہے نا؟

مونا ہنس دی

ہاں بھوک تو لگی ہے۔ پر پہلے ایک فیصلہ کریں

کیسا فیصلہ؟

مونا نے اٹھ کر اپنا ایک اٹیچی کھولا اور اس میں سے سارا زیور اور
نوٹوں کی گٹھیاں تیمور کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا

ان کا کیا کریں

تیمور نے کچھ سوچا پھر بڑے تحمل سے جواب دیا

تمہارے نام سے بنک میں کل اکاؤنٹ کھلوائیں گے اور یہ ساری رقم اس میں
جمع کرا دیں گے۔ اور یہ زیور بھی بنک میں تمہارے نام جمع کرا دیں گے۔

تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے مونا نے کہا

نہیں جان! اکاؤنٹ آپ کے نام کا ہوگا

تیمور کھڑا ہو گیا۔ اچھا فی الحال یہ سنبھالو۔ بعد میں فیصلہ کر لیں گے کہ
کیا کرنا ہے پہلے میں کھانا لے آؤں ورنہ ہوٹل بند ہو جائے گا۔ تیمور نے
برتن اٹھائے اور باہر نکل گیا مونا نے بیرونی دروازے کی اندر سے کنڈی

لگائی۔ پھر کمرے کے اندر آئی۔ اپنے دونوں اٹیچی اٹھا کر اس لے لکڑی کے بڑے صندوق پر رکھے۔ کمرے میں گند پڑا تھا۔ جھاڑو اٹھا کر اس نے کمرہ خوب اچھی طرح صاف کیا۔ پھر غسل خانے میں آ کر نہانے لگی۔

ابھی وہ تولئے سے جسم خشک کر رہی تھی کہ تیمور نے دروازے پر دستک دی۔ مونا نے جلدی جلدی کپڑے پہنتے ہوئے کہا

ایک منٹ رک جانا تیمور!

پھر اس نے دروازہ کھولا۔ تیمور اندر آیا اور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا

نہا آئی ہو؟

تولئے سے اپنے بال خشک کرتے ہوئے مونا نے کہا۔ ہاں۔ دونوں کمرے میں آئے۔ مونا نے فرش پر چٹائی بچھائی اور تیمور نے اس پہ کھانے کے برتن رکھتے ہوئے کہا

میں دودھ بھی لے آیا ہوں۔ کھانے کے بعد چائے پکا لینا۔ مونا پانی کا جگ بھر لائی اور دو گلاس بھی دھو لیے۔ پھر وہ چٹائی پر بیٹھی ہوئی بولی

آیئے پھر کھانا کھائیں

تیمور کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں تو کھانا کھا چکا ہوں۔ اب تم اکیلی کھاؤ۔ مونا نے ہاتھ کھینچ لیے میں اکیلی تو نہیں کھاؤں گی۔ آپ ساتھ بیٹھ کر کھائیں تب ورنہ نہیں۔
تیمور اٹھ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا اور چھوٹے چھوٹے لقمے لیتے ہوئے وہ اس کا ساتھ دینے لگا۔

مونا نے برتن سمیٹ کر چائے بنائی تھی اور وہیں چٹائی پر بیٹھ کر دونوں چائے پینے لگے۔ چائے کی ایک گہری چسکی لیتے ہوئے تیمور نے پوچھا

اپنے مستقبل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے

مونا نے غور سے تیمور کی طرف دیکھا

میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی

پڑھائی کا کیا کرو گی

جس طرح آپ کہتے ہیں کروں گی

میرا خیال ہے تم ابھی اپنی پڑھائی جاری رکھو۔ تمہارے کالج سے سرٹیفکیٹ لے کر میں تمہیں کسی اور کالج میں داخل کر دیتا ہوں۔ کم از کم بی۔ اے کر لو۔ اس دوران میں بھی بھاگ دوڑ کر کے اپنے حالات سنوارنے کی کوشش کروں گا۔ اور پھر ہم شادی کر لیں گے۔

مونا نے نیا مسئلہ کھڑا کیا

تو میں رہوں گی کہاں۔ شادی سے قبل آپ کے ساتھ یہاں رہنے سے تو کئی مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے

اپنی سہیلی عرشی کے ہوسٹل میں رہ لینا۔ اگر تمہاری امی کو عرشی کے ہوسٹل کا پتہ ہے تو پھر ہم کہیں اور انتظام کریں گے

نہیں امی کو عرشی کے ہوسٹل کا نہیں پتہ۔ کیونکہ ہمارے کالج کا تو ہوسٹل ہی نہیں وہ دوسرے کالج کے ہوسٹل میں رہتی ہے۔

بس تو پھر ٹھیک ہے صبح سویرے یہاں سے نکلیں گے۔ عرشی

سے مل کر ہوسٹل میں تمھاری رہائش کا بندوبست کریں گے۔ بنک میں تمھارا اکاؤنٹ کھلوا کر زیور بھی وہاں ڈیپازٹ کروائیں گے۔ حبیب بنک میں پہلے سے میرا اکاؤنٹ ہے اسی میں تمھارا بھی کھلوا لیں گے۔

تیمور نے چائے کی جو پیالی خالی کر دی تھی۔ مونا نے وہ اٹھا کر ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

آپ پھر اب نوکری تلاش کرنے کے چکر کو چھوڑ دیں۔ اسی پیسے سے کوئی کاروبار کریں۔ اور جب آپ کا بزنس چل پڑے گا تو ہم اپنا کوئی مکان بھی بنالیں گے

تیمور نے سوچتے ہوئے کہا

ابھی بزنس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پہلے تایا ابا سے صلاح کروں گا۔ ہوسکتا ہے وہ ہم دونوں کو سرگودھا رہ کر زمینوں کی دیکھ بھال کرنے پر مجبور کر دیں۔ ایسی صورت میں ہمارا بزنس تو بیکار ہی جائے گا۔

اگر وہ ہمیں وہاں رہنے کو کہیں گے تو یہ سب سے اچھا ہے

گاؤں میں رہ لوں گی؟

کیوں نہیں شہر میں کیا رکھا ہے جب ضرورت کی ہر چیز وہاں بھی مل جائے گی تو پھر وہاں رہنے سے گریز کیسا۔ اور پھر میں تو شہر کی نسبت گاؤں کا ماحول زیادہ پسند کرتی ہوں۔ جہاں دہقانی لڑکیوں کے گیت اور گاؤں کی ہمجولیاں ہوں گی گنگناتے رہاہٹ اور حسین شبنم آلود پگڈنڈیاں ہوتی ہیں لہلہاتے کھیت

اور خوشیوں کے آبشار ہوں گے۔ سنا ہے گاؤں کی شفق آلود شامیں اپنی خوبصورتی میں شام اودھ کا سماں باندھتی ہیں۔

تیمور ہنس دیا

تم نے تو اچھے خاصے قیمتی ڈائیلاگ بول دیئے ہیں۔ تمھیں کیا خبر شام اودھ کیا ہوتی ہے مونا نے معصومیت سے کہا

بس اردو کی کتاب میں ہی پڑھا تھا

شام اودھ سے بھی حسین مناظر تو لاہور میں ہیں۔ جب شام اودھ ہم دیکھ نہیں سکتے تو پھر اس کا کیا فائدہ ہمیں کیا خبر وہ کیسی ہوتی ہوگی۔ بات کریں اپنے ملک کی ——

کیا ہے لاہور میں؟ مونا نے پیار سے پوچھا

سنو میں بتاتا ہوں۔ ریلوے روڈ پر چوک دال گراں میں کھڑے ہو کر برانڈرتھ روڈ کے بیچ و بیچ دور ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کریں تو یوں محسوس ہوتا ہے اور دنیا میں آ بیسے ہوں۔ اگر یہ نہیں تو آگے چلیئے جس جگہ سرکلر روڈ سے گنپت روڈ ملتی ہے اور جہاں دوسری منزل پر کبھی بلھے شاہ اکاڈمی تھی اس چوک میں مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں اور چودھویں کے چاند کو نہری مسجد کے مینار اور نعمت کدہ ہوٹل کے درمیان میں سے دیکھیں تو بنارس اور اودھ سب بھول جائیں۔ اگر یہ بھی پسند نہ ہوں راوی کے پل کے اس طرف والے کونے میں کھڑے ہو کر ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کریں راوی کے پانی میں سنہرے نقوش بناتا ہوا سورج جب کامران کی بارہ دری کے

پس منظر میں غروب ہوتا ہے تو وہ بھی ایک ملکوتی دنیا کا منظر ہوتا ہے
مونا خوب کھل کھلا کر ہنس دی۔
آپ کی تو بڑی پاور آف آبزرویشن ہے۔ اس کا مطلب ہے آپ غور ب
گھومتے ہیں میرے جیسے بیکار انسان کے پاس گھومنے کے علاوہ اور ہے بھی کیا
اچھا اب باتیں ختم میری چارپائی اور بستر تو لگا ہوا ہے۔ ایک چارپائی وہ فالتو کھڑی
ہے۔ لکڑی کی پیٹی سے اٹھ کر اپنے لیے ایک بستر نکال کر لگاؤ اور آرام کرو
مونا نے پہلے سارے برتن سمیٹے۔ اپنے لیے پہلے چارپائی لگائی پھر بستر لا
کر بچھایا اور دونوں آرام کرنے لگے۔
دوسرے روز مونا اندھیرے منہ اٹھی۔ اور تیمور کو جگایا۔ جتنی دیر تک
تیمور نے غسل کر کے شیو کی۔ مونا لباس تبدیل کر کے تیار ہو چکی تھی۔ تیمور نے لک
کی پیٹی پر رکھے اپنے بریف کیس کی طرح اشارہ کرتے ہوئے کہا مونا! زیور
نقدی میرے بریف کیس میں ڈال دو اور تیار ہو چلیں۔
ناشتہ نہیں کریں گے جان!
ہوٹل سے کر لیں گے۔ یہاں سے آج اندھیرے منہ ہی نکل چلیں
مونا نے میز اٹھا کر تیمور کے سامنے رکھنے کے بعد اس پر بریف کیس
رکھا پھر اس نے سارا زیور اور نقدی بریف کیس میں رکھتے ہوئے کہا
اپنے خرچ کے لیے کتنے پیسے رکھ لیں!
کوئی ضرورت نہیں رکھنے کی۔ یہ ساری رقم تمہارے نام جمع کرا دیتے

پاس ابھی پیسے ہیں جتنی ضرورت ہو مجھ سے لے لیا کرنا۔ ویسے بھی آج
تمہارے اخراجات پورے کرنا میری ذمہ داری ہے یہ رقم جوں کی توں
رہے گی اور مشکل وقت میں کام آئے گی۔
مونا نے نئی تجویز پیش کی
پھر زیور جمع نہیں کراتے جان! یہ سارا میں اپنے پاس رکھ لوں گی اور عرشی
اتھ بازار جا کر تھوڑا تھوڑا بیچ آیا کرو گی اور جو رقم ملی اسے بھی بنک میں جمع
رہیں گے۔ ہم نے اتنا زیور کیا کرنا ہے۔ اور نہ ہی مجھے زیور پہننے کا
ہے۔
یمور مان گیا۔ ہاں تمہاری یہ تجویز معقول ہے اسے اٹھا کر اپنے اٹیچی میں
ل دو ہوسٹل میں ساتھ لے جانا۔ اب دیر نہ کرو چلو چلیں۔ بہت کام کرنے ہیں
ان کر بھی آج تلاش کروں گا۔ کئی روز ہو گئے ہیں وہ واپس ہی نہیں آئی۔
ونا نے زیور دوبارہ اٹیچی میں رکھ دیا۔ تیمور نے بریف کیس اٹھا لیا۔
ب کمرے سے باہر آئے تیمور نے کمرے کو تالا لگایا اور دونوں مکان
باہر نکل گئے۔

کریم پارک سے پیدل چلتے ہوئے وہ ہوہنی روڈ آ گئے۔ کمی لابر
چوک پر تھوڑے دیر کھڑے ہونے کے بعد انہیں رکشہ مل گیا اور پا
کے پاس آکر دونوں اتر گئے۔ تیمور جب رکشے والے کو کرایہ ادا کر چکا
اس کے پہلو میں کھڑی ہوتی ہوئی بولی یہاں کیوں اتر گئے ہیں جان!
تیمور نے ہوٹل کی طرف اشارہ کیا
ناشتہ نہیں کرنا
دونوں ہوٹل کے ہال میں داخل ہو کر سیڑھیاں چڑھے اور اوپر
پر ایک فیملی روم میں داخل ہوئے۔ دونوں میز پر آمنے سامنے بیٹھ
تیمور نے بریف کیس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا
بولو کیا کھانا ہے
مونا نے اپنی دونوں کہنیاں میز پر جمائیں اور اپنا چہرہ اپنے ہا
میں لیتے ہوئے بولی۔ جو آپ کا جی چاہے منگوا لیں
تم کیا پسند کرو گی

آپ کی پسند میری پسند
اتنی دیر میں بیرہ آ گیا اور تیمور اس سے مخاطب ہو گیا
آٹھ پیس لے آؤ مکھن نہیں لگانا۔ ساتھ میں چار انڈے ہاف فرائی کر کے
دو دو پیس کے اندر جما دینا اور ایک ہاف سیٹ چائے۔ پر جلدی لے آؤ بیرہ
جب چلا گیا تو مونا پھر بولی
پہلے دونوں مل کر یہاں ایک فیصلہ کر لیں۔ ورنہ بعد میں مجھے پتہ ہے
آپ ضد اور تکرار کریں گے اور خواہ مخواہ ہی اپنی بات منوا کر چھوڑیں گے۔
کیا فیصلہ؟
یہ سارا روپیہ آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گا
ہوں ہوں قطعاً نا منظور۔ اکاؤنٹ تمہارے نام کا کھلے گا
مونا نے روٹھنے کے انداز میں کہا
آپ نے اگر میری بات نہ مانی تو پھر ———— مونا خاموش ہو گئی
تیمور نے اس کا کان پکڑ لیا۔ پھر کیا ہو گا
مونا نے پیار سے منہ بسورتے ہوئے کہا
تو پھر میں نہیں آپ کے ساتھ بولوں گی
تیمور نے مونا کا کان چھوڑ دیا۔ اور منہ دوسری طرف پھیر کر مسکراتے ہوئے
اس نے کہا۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو پھر میں بھی نہیں بولوں گا۔
مونا نے تیمور کا ناک پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور بڑی سنجیدگی میں کہا

اگر آپ روٹھ گئے تو مونا مر جائے گی۔ تیمور نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مونا نے اپنے منہ سے اس کا ہاتھ ہٹا کر اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

ایک درمیانی راستہ نکالتے ہیں جان! آدھی رقم سے میرا اکاؤنٹ کھل جائے گا اور آدھی آپ کے بنک اکاؤنٹ میں جائے گی۔ اب بھی اگر نہ مانے تو میں سمجھوں گی آپ مجھے بیگانہ سمجھتے ہیں اور مجھ سے آپ کو کوئی پیار نہیں

تیمور ہار مان گیا۔ چلو یونہی سہی

مونا خوش ہو گئی۔ اچھا اکاؤنٹ کون سی برانچ میں کھلوائیں گے

اردو بازار کی برانچ میں میرا اکاؤنٹ ہے۔ وہیں تمہارا ابھی کھلوا لیتے ہیں

مونا کچھ کہنے والی تھی کہ بیرہ ناشتہ لے آیا۔ مونا نے خود چائے بنائی دونوں نے ناشتہ کیا۔ اور ہوٹل سے نکل کر رکشے سے وہ عرشی کے ہوسٹل کے سامنے جا اترے رکشے کو فارغ کر کے تیمور نے کہا

تم ہوسٹل میں جا کر عرشی کا پتہ کرو۔ میں باہر ہی کھڑا ہوتا ہوں

مونا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ باہر کیوں کھڑے ہوں گے آپ چلیے میرے ساتھ اندر

ضد نہ کرو جان! پہلے تم اکیلی جاؤ۔ اگر مرد اندر جا سکتے ہوں تو میں بھی آ گا۔ مونا ہوسٹل میں داخل ہوئی۔ سیڑھیاں چڑھی اور مطلوبہ نمبر کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ بغیر کسی دیر کے دروازہ کھل گیا اور عرشی سامنے کھڑی تھی

مونا بھاگ کر عرشی سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

عرشی پریشان ہو گئی تھی۔ دروازہ اس نے بند کیا اور مونا کو سہارا دے کر اس نے کرسی پر لا بٹھایا اور خود اس کے ساتھ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ مونا کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں عرشی خود بھی رو دینے والی تھی۔ مونا کو اپنی گود میں سمیٹتے ہوئے اس نے اپنے آپ پر بڑا ضبط کرتے ہوئے پوچھا

خیریت تو ہے نا مونا!

مونا ہچکیاں بھی لے رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی ساری روداد بھی عرشی سے کہہ دی۔ عرشی نے بڑی پریشانی سے پوچھا

کب بھاگیں تم گھر سے؟

کل شام؟ مونا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی

تو رات کہاں رہی ہو؟

تیمور کے پاس

کیا وہ تم سے محبت کرنے لگے ہیں

ہاں۔ اور انھوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ انھوں نے ہی مجھے خون دیا تھا

چلو اللہ کا شکر ہے۔ اگر ماں نے ساتھ نہیں دیا۔ تو ایک اور سہارا تو ہے نا

تو اب اکیلی آئی ہو

نہیں میرے ساتھ آئے ہیں۔ باہر گیٹ پر کھڑے ہو گئے ہیں کہ شاید

مردوں کو اندر آنے کی اجازت نہ ہو تم ساتھ لے کر آئیں۔ گیٹ والے سے میرا کہنا وہ نہ روکتا

میں نے تو کہا تھا ملنے ہی نہیں

عرشی کھڑی ہو گئی۔ اچھا تم بیٹھو۔ میں انہیں لے کر آتی ہوں۔ عرشی نیچے اتری اور گیٹ سے اپنا سر باہر نکالتے ہوئے دیکھا۔ گیٹ سے ایک طرف تیمور کھڑا تھا۔ عرشی نے اسے پکارا۔

تیمور بھائی اندر آیئے نا۔ باہر کیوں کھڑے ہو گئے آپ۔

تیمور مسکرا دیا۔ میں نے سوچا شاید مردوں کا اندر جانا منع ہو۔ عرشی نے گیٹ کھولا اور ایک طرف ہٹ گئی۔

چلئے آیئے۔

عرشی کے ساتھ وہ اس کے کمرے میں آیا۔ اور مونا کے ساتھ خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ عرشی پھر باہر جانے لگی۔ میں آپ دونوں کے لیے ناشتہ منگواؤں۔ تیمور نے منع کر دیا۔ ناشتہ ہم دونوں کر آئے ہیں عرشی تم ذرا میرے پاس بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ عرشی تیمور کے سامنے بیٹھ گئی

کیسے بھائی جان!

مونا نے تمہیں اپنے متعلق کچھ بتایا ہے

ہاں بتا چکی ہے

تو پھر میرے ساتھ اپنے کالج چلو۔ میں وہاں سے اس کا سرٹیفکیٹ لے

اس کالج میں داخل کرانا چاہتا ہوں جس کے ہوسٹل میں تم رہ رہی ہو تاکہ یہ ہوں سے بچ کر اپنی پڑھائی جاری رکھ سکے۔

پر میں بھی سرٹیفکیٹ لوں گی بھائی جان! جہاں مونا ہو گی وہیں میں

یہ تو پھر اور اچھا ہے۔ اس طرح تم ہر وقت اس کے ساتھ رہو ست میں مونا کے متعلق میں زیادہ فکرمند نہ رہوں گا۔ تم مجھے دو ے دو۔ میں تم دونوں کی درخواستیں لکھ دوں اتنی دیر تک تم تیاری دونوں چلیں۔ مونا یہیں رہے گی۔ وہاں صبح سویرے ہی کہیں اس کی ہو۔

نے درخواستیں لکھ کر دونوں کے دستخط لئے۔ مونا وہیں ے کو اندر سے کنڈی لگالی۔ تیمور عرشی کو لے کر اس کے کالج آیا۔ منظور کرا کے ۔ اس نے آفس میں دیں۔ عرشی کو اس کی کلاس میں بٹھا وہ بنک آیا وہاں سے اکاؤنٹ کھولنے کے فارم لیے اور دوبارہ

کی منت محتاجی کر کے اس نے دونوں کے سرٹیفکیٹ لیے اور عرشی کلاس سے بلایا۔ عرشی باہر آئی اور تیمور کے ساتھ گیٹ کی طرف چلا۔

ے بھائی جان! آپ کے بنک جانے کے بعد اچھا خاصہ ڈرامہ ہو گیا ہوا؟

مونا کی امی آئی تھی

پھر۔ کیا کہا اس نے؟

مونا کا پوچھا تھا۔ میں نے کہا مجھے کوئی علم نہیں۔ بڑی پریشان دکھا
تھی۔ کیسی ظالم اور ذلیل عورت ہے پھول جیسی معصوم اور خوبصورت ا
کس گندی راہ پر ڈالنا چاہتی ہے۔

بھائی جان آپ بھی میری ایک بات ماننا

کیا؟

مونا کو خوش رکھنا بھائی جان! وہ بڑی نازک اور حساس لڑکی ہے

تمہارا کیا مطلب ہے میں اسے دھوکہ دوں گا۔

میرا مطلب یہ نہیں۔ میں کہنا چاہتی تھی جو بھی وہ کہے آپ مان لیا
وہ پرستش کی حد تک آپ سے پیار کرتی ہے۔ امید ہے آپ بھی اسے ا
پیار دیں گے۔

تیمور نے ایک رکشہ روکتے ہوئے کہا

اس سے بھی بڑھ کر

دونوں رکشا سے واپس ہوسٹل آئے۔ کمرے کی طرف جاتے
تیمور نے عرشی سے سرگوشی کی۔

تم ذرا خاموش رہنا۔ میں مونا سے ایک شرارت کرنے لگا ہوں۔

مسکرانے لگی

کیسی شرارت؟

بس تم دیکھتی جاؤ

تیمور دروازے پر آیا۔ اور جاہلوں کے انداز میں دروازے پر دستک
دیتے ہوئے اپنی آواز بدل کر بدمعاشوں کے لہجے میں کہا

کون ہو تم اندر۔ کھولو دروازہ

دروازہ فوراً کھل گیا اور سامنے کھڑی مونا نے مسکراتے ہوئے کہا آپ
جتنی بھی آواز بدل کر بولتے رہیں۔ میں آپ کی آواز کو پہچانتی ہوں۔ عرشی نے
بڑے فخر سے کہا بھائی جان! دیکھا آپ نے کس قدر محبت ہے اسے آپ سے

تیمور نے مونا کا گال تھپتھپایا

بہت اچھا۔ مخلص اور پیارا ساتھی ہے۔ مونا شرمانے لگی اور پیار سے تیمور
کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور کبھی کبھی کنکھیوں سے عرشی
کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ تیمور پھر عرشی سے مخاطب ہوا۔

عرشی دروازہ بند کرو۔ پہلے میں تم دونوں کو اس کالج میں داخل کرا دوں۔ پھر
میں نے بنک جا کر مونا کا اکاؤنٹ کھلوانا ہے۔ مونا تم وہاں بیٹھو اور ان فارموں
پر جہاں جہاں ٹک مارک کے نشان لگائے ہیں دستخط کر دو مونا نے بنک
کے فارم لے کر دستخط کر دیئے ہوسٹل سے نکل کر وہ کالج آئے۔ اور دونوں
کا داخلہ وہاں کرا دیا۔ تیمور جب کالج سے نکلنے لگا تو مونا اس کے پیچھے آتی
ہوئی دھیمی سی آواز میں بولی۔

تیمور!

تیمور رک گیا۔ کیا بات ہے؟

ذرا بریف کیس کھولنا۔

تیمور نے بریف کیس کھولا۔ مونا نے سو سو کے کچھ نوٹ نکالے ان میں سے آدھے اس نے تیمور کی جیب میں ڈال دیئے اور آدھے اپنے پاس رکھ لیے۔ اور بریف کیس خود بند کرتے ہوئے کہا۔

اب جایئے۔ اور جلدی واپس آیئے گا۔ بنک سے گھر چلے جائیں اور میرے دونوں اٹیچی بھی لیتے آئیں۔ کھانا یہیں میرے ساتھ آکر کھانا ہے۔

تو یہ روپے کیوں میری جیب میں ڈالے ہیں

مونا نے پیار سے تیمور کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا

آپ کے کام آئیں گے جان۔ ضد نہیں کرتے

تیمور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ پہلے بنک میں اس نے مونا کا اکاؤنٹ کھلوایا پھر وہ گھر آیا۔ منصور اصلاحی کمیٹی کا آفس کھول کر بیٹھا ہوا تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس نے باہر آتے ہوئے پوچھا

آج صبح اندھیرے منہ ہی کہاں چلے گئے تھے

تیمور اس کے قریب آیا

تم یہیں بیٹھے ہو۔ اپنے کام پر کیوں نہیں گئے

ہوٹل آج بند ہے انکی مرگ ہو گئی ہے۔ تم بتاؤ کہاں چلے گئے تھے

میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا ہے

منصور فکر مند ہو گیا۔ اللہ رحم کرے کیا حادثہ

وہ جو لڑکی میرے پاس آتی رہی ہے نا ——— منصور نے اس کی ...ت کاٹ دی۔ وہ مونا؟

ہاں؟

اس بچاری کی ماں طوائف نکلی۔ وہ اسے بھی طوائف بنا کر پیشہ کرانا چاہتی ... لہٰذا وہ بچاری رات گھر سے بھاگ کر میرے پاس آگئی تھی۔ میں صبح ہی صبح ... ساتھ لے کر گیا تھا۔ اسے ایک دوسرے کالج میں داخل کرا کے اس ...ائش کا بندوبست کیا ہے۔ اس کے دو اٹیچی یہاں پڑے ہیں اب وہ ...نے جا رہا ہوں۔

منصور نے بڑی ہمدردی کا اظہار کیا

تم نے بڑا اچھا کیا۔ پر اس کی رہائش کہاں رکھی؟

اس کے کالج کے ہوسٹل میں؟

...ٹھیک ہے اور مونا تم سے محبت بھی کرتی ہے۔ ہے نا؟

ہاں کرتی ہے؟

اور تم؟

میں بھی کرتا ہوں

منصور نے دعا کے انداز میں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔ شکر ہے ہمارے

بھیا کی کہیں بات بنی ہے۔ تیمور ہنس دیا۔ اپنے کمرے کا دروازہ اس نے کھولا۔ م
نے اس کی مدد کی اور خود دونوں اٹیچی اٹھائے وہ سڑک پر لایا اور تیمور کو رکشہ م
بٹھا دیا۔

جب وہ ہوسٹل آیا۔ تو مونا اور عرشی کمرے میں بیٹھی شاید اسی کا انتظار ک
رہی تھیں۔ مونا نے اٹھ کر اس سے اٹیچی لے لیے اور عرشی کے سامان کے ساتھ ر
دیئے۔ عرشی خود باہر نکل گئی تھی۔ تیمور ابھی تک کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ مونا ا
اپنا اٹیچی جماتے ہوئے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

بیٹھئے نا۔ آپ کھڑے کیوں ہیں

میں اب چلتا ہوں؟

مونا اٹیچی چھوڑ کر اس کے پاس آئی۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کرسی پر بٹھایا اور خود
اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

شام کا کھانا بھی یہیں میرے ساتھ کھا کر جائیں گے اور ہفتے میں کم از کم پانچ
بار مجھے ملنے ہوسٹل آیا کریں گے۔ مونا نے تیمور کا کان پکڑ لیا۔ سمجھے ہیں

تیمور ہنس دیا۔ سمجھ گیا ہوں۔ کمرے میں رکھے دوسرے پلنگ کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے تیمور نے پوچھا

یہ دوسرا پلنگ تمہارا آیا ہے

ہاں؟

تو میں پھر بازار جا کر تمہارے لیئے بستر لے آؤں

پرسوں جمعہ ہے نا۔ آپ بستر لے آیئے گا ہماری بھی چھٹی ہو گی۔ دونوں یہیں
بیٹھیں گے اور شام کو کہیں باہر چلیں گے۔

تو دو دن کہاں سوؤ گی۔

عرشی کی ایک سہیلی چھٹی پر ہے۔ اس کا بستر استعمال کر لوں گی

اس کے علاوہ کچھ چاہیئے

مونا نے بڑے دکھ سے کہا

مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ بس روز مل جایا کریں۔ میں سمجھوں گی میں نے زندگی
میں کچھ نہیں کھویا

میں پھر تمہارے لیے کھانا لے آؤں

کھانا عرشی ہوسٹل کی میس سے لینے گئی ہے۔ اب آپ آرام سے بیٹھیں
نہانا ہو تو وہ سامنے میری چپل پڑی ہے۔ ساتھ ہی غسل خانہ ہے اٹھ کر نہا لیں۔

کوئی ضرورت نہیں۔

مونا شاید کچھ کہتی پر عرشی کھانا لیے اندر داخل ہوئی۔ تینوں نے
ہاتھ دھوئے اور اکھٹے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

تیمور نے زندہ رہنے کی تگ و دو تیز کر دی تھی۔ پہلے تو اکیلی جان تھی نہ کسی طرح روکھی سوکھی پر بسر ہو جاتی تھی۔ پر اب تو مونا کی ذمہ داری بھی اس پر آ
اب وہ دن رات سروس کی تلاش میں بھٹکنے لگا تھا۔ لیکن اس دور میں جب کہ ا
کی قیمت گھٹنے اور اجناس کی قیمتیں بڑھنے لگی ہیں بغیر سفارش کے نوکری کا
غریب آدمی کے لیے جس طرح خالص گھی اور دودھ نایاب ہے ایسے ہی ا
یلے معاشرے میں اچھی سروس کا حصول بھی ناممکن سا ہے۔

لگاتار ایک ماہ تک وہ سروس کی تلاش میں لاہور شہر کی سڑکیں ناپتا رہا روزگار نے اسے کہیں سراب کی سی شکل بھی نہ دکھائی تھی۔ مونا سے وہ باقاعدگی کے ساتھ مل رہا تھا اب اس کے ساتھ اس کا ایک رشتہ جو تھا بندھن تھا۔

محبت کا بندھن؟

جو نہ سمجھا جائے تو تار عنکبوت ہے۔ اور اگر اس پر پورا اترا جا
تار فولاد بھی ہے۔ مونا اب اس کی منزل تھی زیست کا ایسا حاصل حیات

جس کے لیے انسان زندگی بھر جدوجہد اور کوشش کرتا ہے۔ ایک آواز ایک صدا تھی جسے سننے کو اس کا دل بے چین رہتا تھا۔ رنگوں میں ڈھلا ہوا ایسا حسین عکس تھی جس میں تیمور کو اپنا آپ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی روح مونا کی معصومیت اور اس کے خلوص میں الجھ گئی تھی۔

شام کو ایک روز وہ تھکا ہارا گھر لوٹا۔ دروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہوا تو کمرے کا بلب آن تھا اور وہاں منصور بیٹھا شاید اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ تیمور چپ چاپ اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ منصور تھوڑی دیر تک اسے گھورتا رہا پھر بڑی ہمدردی سے پوچھا۔

خیریت ہے نا؟

تیمور کی آواز کہیں دور سے سنائی دی

ہاں

اداس کیوں ہو؟

شکل ہی ایسی ہے

کھانا کھایا؟

نہیں؟

میں نے پکایا ہوا ہے اکٹھے کھاتے ہیں۔ تمہارے لیے ایک خوش خبری بھی ہے۔ لیکن صرف میرے نقطہ نظر سے ہو سکتا ہے تم اسے ایسا نہ سمجھو۔

تیمور نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ تم کہو تو
تمہارے لیے ایک سروس تلاش کی ہے

تیمور کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کہاں؟

اردو بازار کی ایک دوکان میں۔ پر وہاں تمہیں کتابیں پیک کرنا ہوں گی اور
شاید تم یہ کام کرنا پسند نہ کرو۔

تیمور نے بڑی بیتابی سے کہا۔ میں ضرور کروں گا۔ تنخواہ کیا ہوگی

اڑھائی سو

کب تک مل جائے گی

کل میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور تمہیں دوکان میں بٹھا آؤں گا۔ جس ہوٹل
میں مَیں کام کرتا ہوں۔ وہاں سے اردو بازار کی زیادہ تر دکانوں کو جانے جاتا
ہے۔ کتابوں کی دوکان کا مالک ہوٹل کے مالک سے کوئی اچھا سا آدمی رکھنے
کو کہہ رہا تھا۔ میں نے تمہارے لیے ان کی منت کی اور وہ مان گئے۔

تیمور کھڑا ہو گیا اور زور سے منصور کی پیٹھ پر ہاتھ مارا
ویری گڈ! اب کھڑے ہو جاؤ۔ اسی خوشی میں میری بھوک چمک اٹھی
ہے۔ اب کھانا کھلا دو۔ دونوں اس کمرے میں گئے جس میں اصلاحی کمیٹی کا دفتر
تھا۔ منصور نے پہلے ہی کھانا لا کر وہاں رکھا ہوا تھا۔ دونوں مل کر کھانے لگے

دوسرے روز منصور اسے اردو بازار لے گیا۔ کتابوں کی ایک دوکان
کے مالک سے تیمور کا تعارف کرایا۔ جہاں تیمور کو پہلے تین سو ماہوار کی نوکری

ی گئی۔ منصور اپنے ہوٹل چلا گیا۔ دوکان کے اندر ایک اور لڑکا بھی بیٹھا
تابوں کے بنڈل باندھ کر دی پیاں بنا رہا تھا۔ مالک کے کہنے پر تیمور بھی اس
ے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور کتابوں کے بنڈل باندھنے لگا۔

شام اندھیرا ہونے تک وہ دوکان میں کام کرتا رہا۔ سات بجے کے قریب
وہاں سے نکلا۔ گھر جانے کے لیے داتا دربار کے سامنے وہ اسلامیہ ہائی سکول
ے فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا کہ ایک شنید اور مانوس آواز اس کے کانوں
ے ٹکرائی۔

کوئی ہے؟

تیمور بیتاب ہو کر اس کی آواز کی سمت لپکا۔ داتا دربار بس سٹینڈ پر
ب بوڑھا کھڑا پکار رہا تھا۔ وہی بوڑھا جو ایک روز بوڑھے راوی کنارے
ہوکر کسی کے پھینکے ہوئے جھوٹے اور باسی چاول کھا رہا تھا۔ اور جسے
بور نے پانچ روپے اور مونا نے سو روپیہ دیا تھا۔

ہاں وہی بوڑھا جس کے ہاتھ میں ایک بوسیدہ سی لاٹھی تھی۔ اور جو فضا
ما اندھوں کی طرح ادھر اُدھر لاٹھی ہلا رہا تھا۔ تیمور نے آگے بڑھ کر اس
اتھ تھام لیا۔

کیا بات ہے بابا!

بوڑھے نے کانٹوں کی سی چبھن اور درد پیدا کرنے والی دل سوز آواز میں کہا
مجھے سڑک پار کرا دو بیٹا!

تیمور اس کی بوسیدہ حالت کو دکھ سے دیکھتا رہا۔ جو اندھا ہو چکا تھا
اس نے بڑی ہمدردی سے پوچھا

تمہاری آنکھیں تو ٹھیک تھیں بابا! کیسے خراب ہو گئیں؟

بوڑھے نے آہوں بھری ایک لمبی سانس لی

تم ٹھیک کہتے ہو۔ تین ماہ پہلے تک میری آنکھیں بالکل ٹھیک تھیں
اچانک پتہ نہیں کن گناہوں کی سزا میں بینائی جاتی رہی۔ پہلے میں بھیک نہ
تھا اب بینائی نہیں رہی تو بھیک مانگنے پر مجبور ہوں۔ پھر عمر کا بھی تقاضہ
بیٹے۔ زندگی کی ایک لمبی مسافت طے کر چکا ہوں۔ ایسی طویل مسافت میں
اپنے پرائے ہو جاتے ہیں پھر یہ بیچاری بینائی کب تک میرے ساتھ

تیمور اس کی باتوں میں کھو سا گیا تھا۔ ڈوبتی ہوئی آواز میں بیچارہ پھر بولا

بابا! میری آواز پہچانی آپ نے؟

بوڑھے نے فلسفیانہ انداز میں کہا

آواز؟

بیٹے اس دور میں مانوس آوازیں بھی اپنی بن کر سماعت سے
میں اور پرایا بن کر روٹھ جاتی ہیں۔ پر تم کون ہو بیٹے؟

لرزتی ہوئی آواز میں تیمور نے کہا

میری ملاقات تمہارے ساتھ اس وقت ہوئی تھی جب تم ایک
بوڑھے راوی کے کنارے بیٹھ کر کسی کے پھینکے ہوئے باسی چاول کو

ہے۔ اس وقت تمہاری آنکھیں ٹھیک تھیں۔

بوڑھے نے تیمور کا بدن ٹٹول کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور خوشی کا
اظہار کرتے ہوئے کہا

میں پہچان گیا ہوں۔ تم ایک دردمند انسان ہو۔ اس روز تمہارے ساتھ
لڑکی بھی تھی۔ جس سے شاید تم شادی کرنے والے تھے

ہاں مگر تم اس وقت کہاں جاؤ گے بابا!

میں اس وقت ہوں کہاں؟

داتا دربار کے بس سٹینڈ پر

مجھے بھاٹی گیٹ پہنچا دو تمہاری مہربانی

کس کے پاس جاؤ گے وہاں؟

ایک کچا سا آسرا ہے

کس جگہ؟

بھاٹی گیٹ میں داخل ہونے سے قبل دائیں طرف جو دکانیں ہیں ان کے
پیچھے کچا سا ایک کمرہ ہے اس میں رہتا ہوں

تمہارا اپنا ہے وہ

نہیں وہ میرے پیر بھائی کا ہے۔ پہلے میں اس کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ
مزدوری کرتا تھا۔ دو ماہ قبل ایک حادثے میں مر گیا۔ اب وہاں میرے ساتھ
اس کا لڑکا رہتا ہے جس کی عمر تیرہ برس کی ہو گی اور وہ اسی سکول کی ساتویں جماعت

میں پڑھتا ہے جس کے سامنے اس وقت ہم کھڑے ہیں۔
تیمور نے بوڑھے کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے آگے چلنے لگا۔ پائنٹ ہوٹل ا
سامنے سے گزر کر وہ بھاٹی چوک آئے اور جہاں تانگہ بانوں کے گھوڑوں کو پا
پلانے کے لیے پانی کی ایک بڑی حوضی بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے وہ دائیں طر
مڑے۔ بوڑھا اب تیمور کی رہنمائی کرتا جا رہا تھا آخر وہ ایک کمرے کے سا
رک گیا جس کا دروازہ زنگ آلود لوہے کا تھا۔ بوڑھے نے دروازے پر دا
دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکے نے دروازہ کھولا جو میلے سے شلوار قمیض پہ
ہوئے تھا بوڑھے کو دیکھتے ہی لڑکے نے بیتاب ہو کر پوچھا

اتنی دیر کر دی بابا!

بوڑھے نے ٹٹول ٹٹول کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا

راستہ بھٹک گیا تھا بیٹے! ساتھ ہی اس نے تیمور کی طرف اشارہ ک
بھلا ہو ان کا جو یہاں تک لے آئے ہیں ان کا نام بھی میں نے ابھی
نہیں پوچھا۔

تیمور خود ہی بول پڑا۔ میرا نام تیمور ہے۔ آپ نے اپنا نام بتا
ہی نہیں

لڑکے نے بوڑھے کا بازو پکڑ لیا اور وہ اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ ا
نام کریم ہے۔ اور یہی میرے پیر بھائی کا لڑکا ہے اس کا نام ندیم ہے
تم بھی اندر آجاؤ بیٹے گو یہ کمرہ اس قابل نہیں کہ تم یہاں بیٹھ سکو پر اس

بود میں تم سے تھوڑی دیر بیٹھنے کی التجا کرتا ہوں۔ تم ایک دردمند انسان
اور ایسے لوگوں کو میں نے ہمیشہ عزیز رکھا ہے۔

تیمور ان دونوں کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے کی دیواروں کی
ح اس کا فرش بھی کچا تھا جس کی لپائی کر کے اسے ہموار اور سخت بنا دیا
تھا۔ دائیں طرف ساتھ ساتھ چٹائیوں پر دو بستر لگے تھے۔ بائیں ہاتھ کے
کونے میں چٹائی پر کچھ فالتو بستر اور اس کے بائیں طرف تیل کا ایک چولہا
کھانے پکانے کے برتن پڑے تھے۔ کمرے کے آگے چھوٹا سا ایک صحن
۔ جہاں غسل خانے کی دیوار کے ساتھ پانی کے دو مٹکے رکھے
ئے تھے۔

ندیم نے بوڑھے کریم کو ایک بستر پر بٹھا دیا۔ اور اس کی لاٹھی لے کر اس
سامنے زمین پر بچھا دی۔ پھر تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے وہ بولا
آپ بھی بیٹھ جائیے

تیمور آگے بڑھا اور بوٹ اتار کر کریم کے بستر میں گھس کر بیٹھ گیا۔
ھے کریم نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ڈھیر ساری ریزگاری
ل کر اپنے سامنے چٹائی پر رکھتے ہوئے اس نے ندیم سے کہا
یہ گن کر رکھ لو بیٹے

ندیم اس کے سامنے بیٹھ کر گننے لگا۔ جب وہ ساری ریزگاری اٹھا
تھا تو کریم نے پوچھا

کتنی ہوئی بیٹے!

پندرہ روپے

چلو آج کا دن تو اچھا ہی رہا۔ اب کھانا لاؤ۔ بھوک لگی ہے۔

پکایا ہے

گوبھی

لاؤ پھر کھائیں۔ تیمور کے لیے بھی لے آؤ

تیمور نے بڑی انکساری سے کہا

کھانا تو تم دونوں کے لیے ہی پکا ہوگا۔ تم دونوں کھاؤ میں

چلتا ہوں

ہم صرف سالن ہی پکاتے ہیں بیٹے! روٹیاں تنور سے منگواتے

تمہارے لیے بھی وہیں سے روٹیاں آجائیں گی اور کوئی فرق نہیں پڑے

تیمور خاموش ہو گیا اور ندیم روٹیاں لانے باہر نکل گیا۔ کمرے میں تھ

دیر خاموشی رہی پھر بوڑھا کریم بولا۔

اگر ہو سکے تو کبھی کبھی یہاں آتے رہنا بیٹے! تمہاری باتوں میں

ہمدردی ہے تمہارے افعال میں انسانیت کا درد ہے

ضرور آیا کروں گا بابا!

ندیم روٹیاں لے آیا۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ تیمور کچھ دیر

اور رکا۔ پھر کریم سے اجازت لے کر وہاں سے نکلا۔ گھر جا

بجائے وہ مونا کے ہوسٹل جا پہنچا وہ اور عرشی دونوں کھانا کھا رہی تھیں۔ چپ چاپ وہ کمرے میں داخل ہوا اور کرسی کھینچ کر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا وہ اداس اور سوچوں میں گم تھا۔ مونا اسے دیکھتے ہی اس کی حالت سمجھ گئی تھی۔ پھر بھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آیئے کھانا کھایئے

دھیمی سی آواز میں تیمور نے کہا۔ میں کھا آیا ہوں۔

مونا نے پھر پیار سے اصرار کیا

آجایئے نا

نہیں میں کھا کر آرہا ہوں

مونا خاموش ہو گئی۔ تیمور کی حالت دیکھ کر اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔ دونوں نے جلدی جلدی کھانا کھایا۔ مونا نے برتن سمیٹے اور عرشی باہر برآمدے میں ہیٹر پر چائے بنانے لگی۔ مونا جلدی جلدی فارغ ہو کر تیمور کے پاس آبیٹھی اور دکھتی ہوئی آواز میں پوچھا

خیریت سے نا؟

تیمور نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ خیریت ہے؟

پھر آپ اس قدر اداس اور الجھے ہوئے کیوں ہیں

بوجھل سی سرد اور منجمد آواز میں تیمور بولا

وہ بوڑھا مل گیا تھا۔ جو ایک روز بوڑھے راوی کنارے بیٹھ کر

زمین پر پڑے چاول کھا رہا تھا اور جلسے میں اور تم نے پیسے دیئے تھے۔ بچارہ اندھا ہو گیا ہے اور اب بھیک مانگتا ہے میں اس کی حالت دیکھ نہ سکا تھا مونا بچاری بھی اداس ہو گئی۔

کہاں ملا آپ کو؟

داتا دربار کے سامنے بس سٹینڈ پر بچارہ راستہ بھول گیا تھا۔ میں اسے گھر چھوڑ کر آیا۔ انسان کی یہ زندگی بھی کیا ہے۔ مجھے اس سے نفرت سی ہونے لگی ہے کوئی آباد ہے۔ کوئی برباد۔ کچھ روتے ہیں کچھ ہنستے ہیں۔ یہ کارگاہِ زیست بھی عجیب ہے۔ زندگی کے اس سفر میں ہم سب ایک ہی راہ پر چل رہے ہیں ایک دوسرے کی رفاقت سے آگاہ پر ایک دوسرے کے دکھ اور غم سے بے پرواہ اس دور کا انسان کچلے مسلے پھولوں کی طرح بے رنگ و بو ہو گیا ہے۔ کوئی رحم انقطاع نہیں رہی پرورش افلاس سے کچلے ہوئے لوگوں سے ہم یوں بیگانہ ہو جاتے ہیں جس طرح وقت کا سنہری دیوتا امیدوں کی لاش کو روندھ کر نکل جاتا ہے۔ میرے گھر والوں نے بدشکل ہونے پر انسان نہ سمجھ کر انسان کے گناہوں کو مقدس جاننے کی بناء پر عاق کر کے گھر سے اس طرح نکال دیا جس طرح اس آوارہ کتے کو دھتکار کر نکالا جاتا ہے جس کا کوئی والی وارث نہ ہو۔ اور آ

——— تم اپنی ماں کے گناہوں کا ساتھ نہ دیکر گھر سے بھاگ لکلا ہو۔ کیا یہ انسان کی انسان سے بیگانگی نہیں۔ میرے ماحول میں انسان نہ بلتے تھے اور جہاں تم تھیں وہاں تہذیب نہ پل رہی تھی۔

تیمور خاموش ہو گیا۔ اس نے جب مونا کی طرف دیکھا تو اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی گود کو بھگو رہی تھیں۔ تیمور کے سینے کے ویران گوشے میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ جیب سے اس نے رومال نکالا اور مونا کے آنسو پونچھ ڈالے مونا نے سر اوپر اٹھایا اس کی حالت یوں ہو رہی تھی جیسے صدیوں روتی رہی ہو۔ تیمور نے شاید اس کے خیالات کا دھارا بدلنے کی خاطر کہا۔

پیاس لگی ہے مونا! پانی تو پلا دو

مونا کپڑے درست کرتی ہوئی اٹھی۔ اور پانی کا ایک گلاس بھر لائی۔ تیمور نے پانی پیا اور گلاس لوٹاتے ہوئے کہا

آؤ تمہیں ایک خوشخبری سناؤں

مونا گلاس رکھ آئی۔ اپنے آپ کو سنبھالا اور دوبارہ تیمور کے پاس بیٹھتی ہوئی وہ بھاری سی آواز میں بولی کیسی خوشخبری ہے

مجھے سروس مل گئی ہے

مونا کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کی ایک لہر گزر گئی

کہاں ملی؟

تیمور نے مونا کو خوش رکھنے کی خاطر جھوٹ کہہ دیا۔ مال روڈ پر ایک فرم میں اکاؤنٹس اسسٹنٹ کی جگہ مل گئی ہے مونا مسکرا دی۔ اللہ کا شکر ہے۔

تیمور نے جیب سے پرس نکال کر مونا کی گود میں رکھ دیا

تمھیں روپوں کی ضرورت ہوگی۔ جتنے چاھیئں نکال لو۔ مونا تیمور کا پرس لے کر اٹھی اپنے اٹیچی سے کچھ روپے نکال کر لوٹی اور دوبارہ تیمور کے پاس بیٹھ کر وہ روپے تیمور کے پرس میں ڈالتے ہوئے اس نے خود پرس اس کی جیب ڈالتے ہوئے بڑے پیار سے کہا

یہ بھی رکھ لیجئے

تیمور نے حیرت کا اظہار کیا۔ یہ کہاں سے آئے

مونا ابھی تک مسکرا رہی تھی۔ میں عرشی کے ساتھ بازار جاکر کچھ زیور بیچ آئی تھی۔ اپنے لیے میں نے کچھ کپڑے اور ایک برقع لیا ہے۔ آپ کے لیے دو سوٹ دو شرٹ اور شلوار قمیض کا کپڑا لیا ہے۔ اور جو روپے بچے آپ کو دے دیئے ہیں۔ چاہے خرچ کریں یا بنک میں جمع کرا دیں

تمھارے پاس خرچ ہے

ہاں میرے پاس ابھی کافی روپے ہیں

اچھا ہوا تم نے برقع بنا لیا۔ باہر نکلتے وقت تمھیں کوئی پہچان نہ سکے گا

اسی لیے تو بنوایا ہے۔ اور میری وجہ سے عرشی نے بھی لے لیا ہے

تایا ابو کا خط آیا ہے تمھیں سلام لکھا ہے

کیسے ہیں۔

بس ٹھیک ہی ہیں

دونوں خاموش ہو گئے۔ کیونکہ عرشی چائے لے آئی تھی۔ تینوں مل کر پینے لگے۔

وہ اٹھارہ نومبر ۱۹۷۷ اور جمعہ کا دن تھا۔ تیمور کو دوکان سے چھٹی تھی۔ اس روز وہ صبح تھوڑی دیر منصور کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر بھاٹی گیٹ بوڑھے کریم سے ملنے گیا دوپہر تک ، وہ وہاں بیٹھا ٹانگیں دباتا رہا۔ کیونکہ اسے بخار تھا اور وہ بھیک مانگنے نہ گیا تھا۔ ندیم کی بھی اسکول سے چھٹی تھی اور وہ بچارہ بھی غم زدہ سا ہوکر بوڑھے کریموں کو دبا رہا تھا۔ تیمور نے بازار سے اسے دوائی بھی لاکر دی ظہر کی اذان پر وہ چونکا۔ اور وہاں سے نکلا۔ وہ شاید اب مونا کی طرف جانا چاہتا تھا کہ فٹ پاتھ پر اسے بوڑھی نوراں پڑی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے گرد ضعیف الاعتقاد عورتیں بیٹھی تھی اور منتیں مانگ رہی تھیں۔ تیمور جب نزدیک گیا تو اس نے دیکھا نوراں فٹ پاتھ پر یوں پڑی تھی جیسے برسوں کی مریض ہو۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے اور بڑی مشکل سے وہ سانس لے رہی تھی۔ اردگرد بیٹھی عورتیں اس کی حالت سے بے خبر جاہلوں کے انداز میں اس سے اپنی اپنی حاجتیں کہہ رہی تھیں۔

تیمور نے آگے بڑھ کر نوراں کا ہاتھ پکڑا۔ اسے سخت تیز بخار

تھا۔ پھر اس نے اردگرد بیٹھی عورتوں سے کہا۔

اس بچاری سے کیا مانگتی ہو میری بہنو! یہ میری ماں ہے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں۔ اس خدا سے مانگو جس نے پیدا کیا اور جو سب کا رازق اور بخشش کرنے والا ہے۔

تیمور نے ایک رکشہ روک کر نوراں کو اس میں ڈالا اور کریم پارک آیا۔ منصور ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔ تیمور جب نوراں کو اٹھائے اندر آیا تو منصور اٹھ کر اس کی طرف لپکا اور بڑی پریشانی سے پوچھا۔

کیا ہوا ماں کو؟

تیمور نے بدحواسی میں کہا

اسے سخت بخار ہے۔ فٹ پاتھ پر پڑی تھی وہاں سے اٹھا کر لایا ہوں۔ تم اپنے کام پر نہیں گئے؟ آج میں نے چھٹی کی ہے۔

تیمور نے نوراں کو کمرے میں لاکر چارپائی پر لٹاتے ہوئے کہا

تم پھر ماں کے پاس بیٹھ کر اس کا خیال رکھو۔ میں ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔ منصور نوراں کے پاس بیٹھ گیا اور تیمور بھاگتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسے کوئی رکشہ ٹیکسی نہ ملی تھی۔ بھاگتا ہوا وہ موہنی روڈ آیا۔ ایک ڈاکٹر کی منت سماجت کر کے جلدی جلدی اسے اپنے ساتھ لیا۔ اس نے اسے خوش کرنے کی خاطر اس کی فیس بھی اسے پیشگی ادا کر دی تھی۔

ڈاکٹر کو لے کر جب وہ گھر داخل ہوا۔ تو کمرے کے اندر سے کسی کے

رونے کی کرب ناک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تیمور آواز پہچان گیا
منصور کی آواز تھی اور وہ اونچی آواز میں رو رہا تھا۔

جب وہ ڈاکٹر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا بوڑھ
نوراں مصائبِ زندگی ہار چکی تھی اس کا جیون اس سے روٹھ چکا تھا اور شاید
اپنے ہمدمِ دیرینہ سے ملنے اس جہانِ خانہ خراب سے کوچ کر گئی تھی۔ ا
کے چہرے پر ایک ضیا تھی جیسے وہ مری نہ ہو خوابوں کے جھروکے میں بیٹھی
عالمِ رنگ و بو کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہو۔

تیمور کے چہرے پر گردِ غم چھا گئی۔ اس کی تو گویا ہستی ہی چاک ہو گئی تھی۔
جو مر گئی تھی بیچارے کی۔ نوراں کو وہ اپنی ماں ہی تو جانتا تھا۔ ڈاکٹر کی طر
دیکھتے ہوئے اس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

ڈاکٹر! جس مسافر کے لیے میں آپ کو لایا ہوں وہ کوچ کر چکا ہے آ
جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر کا سر بھی جھک گیا اور وہ باہر نکل گیا۔

تیمور جس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے آگے بڑھا اور نو
کی چارپائی کا پایا پکڑ کر وہ چھکو بھکو رو دیا۔ بالکل اس معصوم بچے کی طرح
کی ماں کو اس سے زبردستی چھین لیا جائے یا ——— یا جو اپ
سے بچھڑ کر کہیں کھو گیا ہو۔

تیمور اور منصور کے رونے کی آوازیں سن کر محلے کے مرد و
بھی جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مرد صحن میں بیٹھ کر کوئی اصلاحی کا

بجائے ملکی سیاست پر بحث کرنے لگے تھے اور عورتیں اندر جا کر ہاتھ
ل کر افسوس کرنے لگی تھیں۔ تیمور اور منصور کے علاوہ اس بیکس نوراں کی
ت پر کوئی رونے والا نہ تھا۔ اور پھر ایسے فردِ ماندہ انسانوں کی موت پر آہ
ں بھی کون کرتا ہے نوراں غریب بھی گرم ہوا کا ایک جھونکا تھی۔ جو آپ ہی آپ
ں سے اٹھ کر گزر گیا۔ اور بس ———

شام تک نوراں کی تجہیز و تکفین کر دی گئی۔ سارے اخراجات تیمور اور
ور نے برداشت کئے تھے۔ شام جب افتاں و خیزاں رات میں ڈھلنے
تو منصور اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا تیمور اپنے کمرے میں ہی بیٹھا رہا۔ وہ فرش
ی پڑا تھا اور دیوار کے ساتھ اس نے ٹیک لگا رکھی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ
ر سوجی ہوئی تھی۔ وہ اس رات کی طرح خاموش اور اداس تھا جس کے مقدر میں
ر لکھی گئی ہو۔

خبر نہیں کتنی دیر وہ اس حالت میں پڑا رہا۔ پھر اس کا شانہ جھنجوڑ کر کسی نے
ا۔ چونک کر اس نے جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا اس کی مونا اس کے سامنے اس
ر جھکی ہوئی تھی اور اس کا ریشمی ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ اس نے برقعہ پہن ہوا
تھا اور چہرے سے نقاب ہٹا رکھا تھا۔

تیمور نے منہ سے کچھ بھی نہ کہا۔ بس اپنی سرخ اور سوجی ہوئی آنکھوں سے
ایسے زخم خوردہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ مونا کے لیے تیمور کی
حالت ناقابلِ برداشت تھی۔ کانپتی ہوئی آواز میں اس نے پوچھا۔

کیا ہوا؟

تیمور کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے تھے اور اس کی گردن جھک گئی

مونا بیچاری نے روتی ہوئی آواز میں کہا

خدا کے لیے کچھ کہیئے۔ کیا ہوا۔ آپ کی آنکھیں سوجھی ہوئی اور
کیوں ہیں۔ کیا آپ کا کسی سے جھگڑا ہوا ہے۔ بتائیے نا۔ بولیئے۔
ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ گئی تھی۔

تیمور نے اس کی طرف دیکھا اور دکھ سے کہا

نوراں مر گئی ہے اتنا کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں وہ آنسو جو رُ
گئے تھے چھلک کر اس کے دامن پر گر کر جذب ہو گئے۔

نوراں کی موت کا سن کر مونا بھی دیوانی سی ہو گئی تھی۔ کچھ دیر وہ نا
سے چپکی رہی پھر سنبھلتی ہوئی بولی

اٹھیئے کرسی پر بیٹھیئے اٹھ کر

تیمور نے جب کوئی حرکت نہ کی تو مونا نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ
کر پیار سے کہا اٹھیئے نا!

تیمور پھر کہیں کھویا رہا۔ مونا نے اس کا ہاتھ اوپر کھینچا

اٹھیئے

تیمور کھڑا ہو گیا۔ مونا نے اسے کرسی پر بٹھایا۔ اور دیوار کے ساتھ
ہوا ٹفن کیریئر اٹھا کر اس کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

میں شام تک آپ کا انتظار کرتی رہی۔ جمعہ تھا میں نے سوچا ضرور آئیں
گے۔ آپ کے لیے میں نے کھانا بھی تیار کر رکھا تھا۔ میں اپنا اور آپ کا کھانا یہیں
لے آئی ہوں۔

تیمور نے بھاری سی آواز میں پوچھا

تم نے شام کا کھانا نہیں کھایا

نہیں۔ اور آپ کا چہرہ بتا رہا ہے آپ نے صبح کا کچھ نہیں کھایا۔ میں پانی
لے آؤں اور اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ مونا پانی کا جگ بھر لائی اور دو گلاس
دھو کر میز پر رکھتے ہوئے وہ تیمور کے سامنے بیٹھ گئی۔ ٹفن کیریر کھول کر اس
نے تیمور سے کہا

شروع کیجئے

بجھی سی آواز میں تیمور نے کہا

تم کھاؤ مجھے بھوک نہیں

مونا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ پھر بیماری کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ اگر آپ
نے ایسا موڈ بنائے رکھا تو میں رو پڑوں گی۔ ساتھ ہی اس نے ایک لقمہ بنا کر تیمور
کی طرف بڑھایا۔

چلیئے منہ کھولیئے

تیمور نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ مسکرایا اور منہ کھول دیا۔ مونا بھی
اُسے خوش دیکھ کر مسکرا دی اور لقمہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر دونوں نے

بیٹھ کر کھانا کھایا۔ مونا نے شاید تیمور کو مصروف رکھنے کی خاطر کہا تھا

چائے نہیں پلائیں گے

تیمور کھڑا ہو گیا

تم چولہے پر پانی رکھو۔ چینی پتی ہے میں اتنی دیر تک بازار سے دودھ لے آتا ہوں۔

مونا نے مقناطیسی آواز میں کہا

جلدی آیئے گا

تیمور قریب ہی سے دودھ لے آیا۔ دونوں نے قدرے خوشگوار ماحول میں بیٹھ کر چائے پی پھر تیمور نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا

واپس جاؤں گی۔ یا یہیں سوؤ گی

مونا نے برتن سمیٹتے ہوئے کہا

جس طرح آپ کہتے ہیں کر لیتی ہوں

ہوسٹل سے باہر رہنے کی اجازت لے کر آئی ہو

نہیں۔

پھر اٹھو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔ دیکھو نو بج رہے ہیں

مونا کھڑی ہو گئی۔ تیمور نے دروازہ بند کیا۔ اور دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے مکان سے باہر نکل گئے۔

سردی کا زور بڑھ گیا تھا۔ جاڑا اپنی پوری قوت کے ساتھ موسم پر چھٹا تھا ہر چیز یخ ہو کر رہ گئی تھی۔ گرما کی خاردار دھوپ اب جی کو بھانے اور بھلی لگنے لگی تھی۔ سورج اب پانچ بجے سے پہلے ہی غروب ہونے لگا تھا راتیں خوب طویل ہو گئی تھیں۔ پانچ بجے کے قریب کریم پارک میں مونا رکشے سے اتری اور تیمور کے ہاں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں خاکی رنگ کے ایک بڑے لفافے کا بنڈل تھا۔

منصور کا آفس کھلا تھا اور وہ اندر بیٹھا کام کر رہا تھا۔ تاہم تیمور کے کمرے کو تالا لگا ہوا تھا۔ وہ منصور کے کمرے میں آئی اسے دیکھتے ہی منصور کھڑا ہو گیا اور بڑی شفقت سے کہا آؤ میری بہن!

مونا اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی

تیمور کہاں ہے بھائی جان!

منصور بیٹھ گیا۔ وہ تو ابھی تک نہیں آیا

کتنے بجے آتے ہیں؟

سات بجے کے قریب آتا ہے

وہ کون سا آفس ہے جہاں صبح آٹھ بجے سے شام سات بجے تک گیارہ گھنٹے ڈیوٹی دینا پڑتی ہے وہ بیچارہ آفس میں تھوڑا ہی کام کرتا ہے

مونا نے حیرت سے پوچھا

تو کہاں کام کرتے ہیں

وہ تو اردو بازار کی کتابوں کی ایک دوکان میں فرش پر بیٹھ کر کتابوں کے بنڈل سارا دن باندھتا رہتا ہے اور اڑھائی سو روپے کل بیچارے کو تنخواہ ملتی ہے۔

مونا اداس ہو گئی اور اس کا سر جھک گیا

انھوں نے تو مجھے بتایا تھا کہ وہ مال کی کسی فرم میں ملازم ہیں اور جھوٹ بولنے کی انہیں عادت ہو نہیں اس نے ویسے ہی تمہیں خوش کرنے کے لیے کہہ دیا ہوگا

کیا آپ اس دوکان کو جانتے ہیں جس میں وہ کام کرتے ہیں

ہاں میں نے ہی اسے اس دوکان میں نوکری دلائی تھی

مونا کھڑی ہو گئی۔ تو پھر وہاں تک میرے ساتھ چلئے۔ میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں اس کے بعد ان سے بات کروں گی۔

منصور نے خدشہ ظاہر کیا۔ اس طرح وہ مجھ سے خفا ہوگا

ہم دوکان میں داخل نہیں ہوں گے بھائی جان۔ آپ دور کھڑے ہو کر ہی مجھے اس دوکان کے متعلق بتا دیں۔ میں بھی چھپ کر انہیں دیکھوں گی۔ پھر ہم

دونوں یہاں لوٹ آئیں گے اور جب وہ کام سے واپس آئیں گے تو پھر ان سے بات کروں گی۔

بیچ میں تم میرا ذکر بھی لاؤ گی

خواہ مخواہ ہی بھائی جان! آپ کا ذکر میں کیوں لاؤں گی

منصور کھڑا ہو گیا۔ اچھا چلو چلیں۔

دونوں اردو بازار آئے۔ ایک دوکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منصور نے کہا مونا! میری بہن۔ وہ دیکھو سامنے والی دوکان میں تیمور بیٹھا ہوا ہے۔ مونا چھپ کر تیمور کو دیکھنے کے بجائے سیدھی آگے بڑھی اور اس دوکاندار کے کاؤنٹر پر جا کھڑی ہوئی۔ منصور وہاں سے کھسک گیا۔

تیمور فرش پر بیٹھا بڑی پھرتی سے کتابوں کا بنڈل باندھ رہا تھا۔ کاؤنٹر پر کھڑی مونا کو اس نے ابھی تک نہ دیکھا تھا۔ اتنے میں مونا دوکان کے مالک سے مخاطب ہوئی۔

مجھے بی۔ اے انگریزی کا ٹیسٹ پیپر دے دیں

مالک نے تیمور کو آواز دی

تیمور! بی۔ اے کا انگلش ٹیسٹ پیپر دو

تیمور نے ایک ریک سے ٹیسٹ پیپر نکالا اور جب وہ کاؤنٹر کی طرف مڑا تو اس کی نگاہ مونا پر پڑی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور تیمور پانی پانی ہو کر رہ گیا مگر وہ آگے بڑھا اور ٹیسٹ پیپر مالک کے سامنے رکھ دیا۔ مونا نے

تیمور کو بڑے دکھ سے مخاطب کیا

آپ یہاں کام کرتے ہیں ؟

تیمور کی گردن جھک گئی تھی۔ ہاں

میرے ساتھ گھر چلئے۔ بہت ضروری کام ہے

تیمور نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی گردن ویسے ہی جھکی ہوئی تھی۔ دکا
کے مالک نے پوچھا۔

یہ آپ کا کیا ہوتا ہے

مونا نے آگے بڑھ کر تیمور کا بازو تھام لیا

یہ میرے کزن ہیں۔ انہیں ذرا اجازت دیجئے۔ میرے ساتھ گ
چلیں۔ تیمور نے عجیب طور سے مونا کی طرف دیکھا اس کے ساتھ ہ
مالک کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

جاؤ تیمور ! چھٹی کر جاؤ

مونا نے ٹیسٹ پیپر کی قیمت ادا کی۔ اور تیمور کا ہاتھ پ
کھینچتے ہوئے کہا آئیے چلیں !

تیمور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ سرکلر روڈ پر آکر مونا نے
رکشہ روکا تیمور کو اپنے ساتھ بیٹھایا اور کریم پارک چلنے کو کہا۔ را
میں دونوں خاموش رہے کسی نے کسی سے کوئی بات نہ کی تھی تیمور گ
جھکائے بیٹھا تھا۔ مونا کے چہرے پر غصے اور خفگی کے آثار واضح

وہ سوچوں میں گم اپنے سامنے سڑک پر ٹریفک کے ہجوم کو دیکھ رہی تھی۔
مونا نے گھر کے سامنے رکشہ رکوایا۔ کرایہ ادا کیا اور نیچے اتر گئی۔ تیمور
پہلے ہی نیچے اتر کر اس مجرم کی طرح کھڑا تھا جو کورٹ میں جج سے سزا سننے
کا منتظر ہو۔

دونوں مکان میں داخل ہوئے۔ تیمور نے آگے بڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ
کھولا۔ مونا اندر جا کر چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اب بڑے غور سے
تیمور کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تیمور بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس کے سامنے
کرسی پر بیٹھ گیا۔ مونا نے بڑی غصیلی نگاہوں سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تو آپ مال کی کسی فرم میں آفس اسسٹنٹ ہیں ؟

تیمور نے بڑی سنجیدگی سے کہا

یوں ہی سمجھ لو

مونا اور زیادہ تلخ ہو گئی۔ تو پھر آپ کو اڑھائی سو روپے میں فرش پر بیٹھ
کر کتابوں کے بنڈل باندھنے کی ضرورت کیا پیش آگئی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ
آپ نے مجھ سے جھوٹ کہا۔

تیمور نے بڑی نرمی سے کہا۔ یہ وقت کا تقاضہ تھا

مونا نے غصے میں ابلتی ہوئی آواز میں کہا

کل کو آپ خدانخواستہ کوئی قتل کر دیں اور جواب میں کہہ دیں۔ یہ
وقت کا تقاضہ تھا پھر ؟

تم تو یوں ہی اتنا اتر لے رہی ہو۔ میرے طرح اور بہت لوگ بھی ا
کام کرتے ہیں۔ مجبوری میں سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

مونا زور سے چلائی۔ آپ کو کیا مجبوری تھی۔ آپ کو جتنا روپیہ چاہیے تھا
مجھ سے لیتے یا بنک سے نکلوا لیتے اور کوئی کاروبار کرتے۔ تیمور نے بڑے
پیار سے مونا کا ہاتھ پکڑ لیا

اب جانے بھی دو غصے کو

مونا نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ مجھے ہاتھ نہ لگایئے

تیمور نے اس کا کان پکڑ لیا۔ کیوں؟ تمہارے جسم میں کیا بجلی دوڑ
رہی ہے

ضبط کرنے کے باوجود بھی مونا ہنس دی۔ ہاں۔ پھر روٹھنے کے انداز
میں کہا۔ ایسا کام کرنے سے قبل آپ نے مجھ سے کیوں نہ مشورہ کیا۔

بھئی تم سے مشورے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے سوچا وقتی طور پر کوئی چھوٹا
موٹا کام کر لیتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ کسی اچھی سروس کے لیے بھی اپلائی
کرتا رہوں گا۔

لیکن میں پوچھتی ہوں اس سلسلے میں آپ نے مجھ سے کیوں نہ پوچھا
پچھلے دنوں دیکھا نہ آپ نے مصر کے صدر انور السادات دوسرے عرب
ممالک سے مشورہ کیے بغیر جب اسرائیل کے دورے پر چلے گئے تو کیا کیا
ہنگامے کھڑے ہو گئے تھے اور عالم عرب دو حلقوں میں بٹ گیا تھا اس

کا مطلب ہے تم بھی مجھ سے روٹھ گئی ہو
ہاں

تیمور اپنی جگہ سے اٹھا۔ مونا کی پشت پر آیا۔ اپنے دونوں بازو اس کی گردن کے
گرد ڈالے پھر اپنا منہ اس کے کان کے ساتھ لگاتے ہوئے پیار سے سرگوشی کی۔
اگر تم نے اپنا موڈ ٹھیک نہ کیا تو میں سمجھوں گا تمہیں مجھ سے نفرت ہے
تیمور کی سرگوشی سے مونا کے کانوں میں گدگدی سی ہوئی اور اس نے ہنستے ہوئے
کہا

ایک شرط پر۔ کیسی شرط؟
آپ آئندہ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے
کبھی نہیں کروں گا۔ اب تو کہہ دو۔ میں ناراض نہیں

مونا نے اپنے نازک سرخ ہونٹوں سے باری باری تیمور کے دونوں ہاتھ
چوم لیے۔ میں اپنی جان سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں۔ مونا اپنی جگہ سے اٹھی۔ بڑا سا
خاکی رنگ کا لفافہ جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھی

تیمور کے بستر سے اٹھایا اور تیمور کے سامنے اسے کھولتے ہوئے کہا
دیکھیے! میں آپ کا سوٹ سلوا کر لائی ہوں۔ عید کے لیے

تیمور نے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ بہت اچھا ہے
اب آپ اٹھ جایئے۔ ہاتھ منہ دھو کر یہی سوٹ پہنیں اور چل کر
کھانا کھائیں بھوک لگی ہے۔
میں یہیں کھانا لے آتا ہوں

اول ہوں۔ ہوٹل چل کر کھائیں گے۔ اور وہیں سے ہوسٹل چلی جاؤں گی
تیمور نے صابن تولیہ لیا اور باہر نکلنا چاہتا تھا کہ نیلو کمرے میں داخل ہوئی
تیمور نے کرسی اس کی طرف بڑھائی۔

بیٹھو نیلو خیریت ہے نا

نیلو کرسی پر بیٹھ گئی۔ خیریت نہیں بھائی جان۔ میں آج دو دفعہ پہلے یہاں سے ہو گئی ہوں آپ گھر نہ تھے۔ منصور بھائی ملا تھا اس نے کہا تھا آپ سروس کر لی ہے اور سات بجے آتے ہیں۔ اب میں تیسری بار آئی ہوں آپ گھر میں جھگڑا ہو گیا ہے

کس کس کا

آپ کے بھائی آصف نے آپ کے ابو اور امی دونوں کو مارا ہے

کیوں؟

پچھلے کئی ماہ سے وہ ایک طوائف کے چکر میں پڑے ہیں۔ لاکھوں روپیہ پر خرچ کر چکے ہیں۔ اب وہ اس سے شادی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اس لیے وہ لاکھوں روپے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آپ کے ابو اس شادی پر رضا نہیں۔ پہلے کئی روز تک گھر میں تکرار ہوتی رہی۔ پھر آج آصف نے ابو اور امی کو مارا۔

اب وہ کہاں ہے؟

کہیں باہر ہی ہے۔ کیا آپ گھر نہ چلیں گے آپ کے ابو اور امی آپ

بہت یاد کرتے ہیں۔ آپ کی امی آج رو رو کر کہہ رہی تھیں۔ تیمور جیسا بھی تھا۔ آصف سے ہر حال میں اچھا تھا۔

تیمور نے دکھ سے کہا

میرا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں نیلو! میں وہاں نہیں جاؤں گا۔ اور پھر آصف کو ضرور اس طوائف سے شادی کرنا چاہیئے۔ میرے ابو نے تایا کی شادی ایک طوائف سے کر کے تایا کی زندگی برباد کی اور اب وقت اس کا انتقام ان کے بیٹے سے لے رہا ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیئے۔ تاکہ انہیں پتہ چلے کہ برے کاموں کا انجام کیا بھیانک ہوتا ہے۔

نیلو نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔ تو پھر آپ گھر نہیں جائیں گے نہیں؟

نیلو کھڑی ہو گئی۔ بس میں آپ کو یہی اطلاع کرنے آئی تھی۔ میں اب چلتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔ تیمور نے جیب سے بیس روپے نکال کر نیلو کی طرف بڑھائے۔

یہ رکھ لو!

نیلو پیچھے ہٹ گئی

تیمور نے اسے زبردستی نوٹ تھما دیئے

لے لو۔ بہنیں بھائیوں سے لیتے ہوئے شرم نہیں کرتیں
نیلو نے روپے لے لیے اور چلی گئی۔ تیمور نے ہاتھ منہ دھویا اور موتا

کا لایا ہوا سوٹ پہن لیا

مونا نے اسے سوٹ میں دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے کہا

ویری ہینڈسم!

تیمور نے قہقہہ لگایا

کیا ہینڈسم کا لفظ میرے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے

مونا بھی ہنس دی۔ یہ لفظ کسی کے لیے ریزرو تھوڑا ہی ہے۔ جو چاہے جہاں چاہے استعمال کرے اب چلیے چلیں

مونا کھڑی ہو گئی۔ عید کی چھٹیوں کا کیا کریں گے جان

کیوں؟

ہمارے کالج اکیس نومبر سے بچیس نومبر تک عید الاضحی کے لیے بند ہو جائے گا۔ عرشی اپنے گھر چلی جائے گی اور میں کیا کروں گی

تیمور نے آگے بڑھ کر مونا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں تمھیں یہاں لے آؤں گا۔ دونوں مل کر عید منائیں گے اور چھٹیوں میں خوب گھومیں گے۔ کیا رہے گا

ٹھیک ہے!

آؤ پھر چلیں۔ مونا تیمور کے پیچھے پیچھے باہر نکلی۔ تیمور نے کمرے کو تالا لگایا اور دونوں باہر چلے گئے۔

صبح سویرے ابھی سورج طلوع بھی نہ ہوا تھا کہ تیمور اٹیچی اٹھائے اپنے کمرے نکلا۔ صحن میں نل پر منصور بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی ا ہو گیا۔

اتنی سویرے چل رہے ہو۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر میں ناشتہ لاتا ہوں

نہیں بھیا! تمھاری مہربانی۔ میں تو کہتا ہوں آج نہ جاؤ۔ دیکھو تو کتنے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں ہوا چل رہی ہے اور سردی کتنی تیز ہے

مور دروازے کی طرف لپکا

برا تایا ابو سے وعدہ ہے اور مجھے ہر حال میں جانا ہے۔ ایسے موسم بدلتے رہتے ہیں۔ منصور خاموش رہا اور تیمور باہر نکل گیا۔ جب وہ گلی راں کی بوڑھی ہمسائی نے اپنے دروازے سے نکلتے ہوئے پوچھا

ہی صبح کہاں چلے ہو بیٹے!

مد رک گیا۔ اپنے تایا کے پاس سرگودھا جا رہا ہوں اماں!

کب تک لوٹو گے

ایک ہفتہ لگ ہی جائے گا۔

جاؤ پھر بیٹا۔ خدا تمھیں خیریت سے لائے

پیدل چلتا ہوا تیمور موہنی روڈ آیا۔ وہاں سے رکشہ کیا اور مونا کے ہوسٹل میں داخل ہوا۔ مونا ڈریسنگ ٹیبل پر بیٹھی بال کنگھی کر رہی تھی۔ اٹیچی ایک طرف رکھ کر تیمور اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔

تم ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئی ہو؟

مونا کھڑی ہو گی۔ آپ کو تو شاید رات بھر نیند ہی نہیں آئی۔ اتنی سویرے سویرے نکلنے کی کیا ضرورت ہے

جب سفر کرو گی اور راستے میں بس بدلو گی تو خود ہی پتہ چل جائے گا کہ سویرے نکلنا کس قدر بہتر ہے۔ مونا ڈریسنگ ٹیبل سے ہٹتی ہوئی بولی.

بس پانچ منٹ رک جائیے جناب! میں بھی تیار ہوں۔ صرف ناشتہ کرنا ہے

اور آپ کے ساتھ۔ آپ نے ناشتہ تو نہیں کیا ہوگا

چھوڑو ان چکروں کو راستے میں ناشتہ کر لیں گے

مونا تیزی سے باہر نکلی اور برآمدے میں کھڑے ہو کر ایک طرف کر کے زور سے آواز دی

عرشی! تیمور آئے ہیں ان کے لیے بھی ناشتہ لے آنا۔ جب وہ دوبارہ اندر آئی تو تیمور نے پھر کہا

کیوں دیر کرتی ہو۔ چلو چلیں۔ ناشتہ راستے میں کر لیں گے

کیوں راستے میں کریں جان۔ جب یہاں تیار ہے تو کیوں چھوڑیں۔ صرف منٹ کی بات ہے۔ آپ بیٹھیں نا کھڑے کیوں ہیں۔

عرشی ناشتہ اٹھائے اندر آئی۔ اور ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا

تیمور بھائی کیسے ہیں؟

ٹھیک ہوں۔ تم چھٹیوں میں گھر نہیں جا رہی ہو

میں بھی آج ہی جا رہی ہوں بھائی جان! آیئے ناشتہ کریں۔ تینوں نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ پھر تیمور اور مونا اپنے اپنے اٹیچی اٹھائے باہر سڑک پر آئے۔ رکشہ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ سروس سٹینڈ پر دونوں اترے۔ تیمور نے سرگودھا کے ٹکٹ لیے۔ اور دونوں بس کی فرنٹ سیٹ پر آ کر بیٹھ گئے۔ آٹھ بجے قریب جب بس روانہ ہوئی تو مونا نے تیمور سے کہا

راستے میں مشہور جگہوں اور شہروں کے نام مجھے بتاتے جائیے گا۔ اس راستے پہلے کبھی نہیں گئی۔ بس جب لاہور شہر سے نکل کر فیکٹری ایریا میں گزر رہی تھی تو مونا نے تیمور کو کہنی مار کر کہا

آپ خاموش کیوں ہیں۔ بولتے کیوں نہیں۔ اتنی جگہیں گزر گئی ہیں۔ نام بھی آپ نے نہیں بتایا۔

تیمور ہنس دیا۔ یہ تو سب فیکٹریاں ہیں۔ ان کے نام جان کر تم کیا کرو گی۔ آگے شیخوپورہ آنے والا ہے

جب وہ چنیوٹ سے نکلے تو موسلا دار بارش شروع ہو گئی۔ اب آگے دائیں ہاتھ پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور بائیں طرف دریائے چناب دور تک چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ تیمور نے مونا سے کہا

مونا تیار ہو جاؤ۔ تمہارے دیکھنے کی ایک چیز آ رہی ہے

کونسی؟

دریائے چناب کا پل۔ یہاں آکر دریا دو حصوں میں بٹتا ہے۔ دریا کے وسط میں ایک بہت بڑی چٹان ہے جس کے باعث یہاں دریا پر پل بھی دو ہیں۔ جب وہ پل پر سے گزر رہے تھے تو موسلا دھار بارش کے باوجود چند کشتیاں پانی کے اندر تیر رہی تھیں۔ اور مچھیرے مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال پھینک اور کھینچ رہے تھے۔ نیلے پانی کی ایک دھار سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی بہت دور جاکر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

جب وہ سرگودھا اترے تو بارش اسی طرح زوروں پر ہو رہی تھی۔ وہاں سے رکشہ میں وہ یہاں والا چوک سے گزرتے ہوئے اس جگہ آئے جہاں سے فاروقہ کو بس جاتی تھی۔ کچا اڈہ تھا اور کچھ مسافر مونگ پھلی کی ریڑھی والے کے پاس ایک چھپر تلے کھڑے بس کا انتظار کر رہے تھے تیمور اور مونا بھی رکشے سے اتر کر اس چھپر کے نیچے دوسرے مسافروں میں جا کر کھڑے ہو گئے۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد جھکولے کھاتا ایک بس کسی بوڑھے اور ٹی بی کے

یض کی طرح کھانستی ہوئی اس اڈے میں داخل ہوئی۔ بس کے شیشے غائب ر کھڑکیاں ٹوٹی ہوئی تھیں تیمور نے دونوں اٹیچی اوپر رکھوائے اور مونا کے ساتھ ں میں بیٹھ گیا۔

آدھ گھنٹہ بعد بس چلی۔ کچھ اس رفتار سے جس طرح کراچی اور لاہور کی گدھا یاں چلتی ہیں۔ اس کا انجر پنجر ہل رہا تھا۔ اور قسم قسم کی سمع خراش آوازیں پیدا رہی تھی جیسے ———— جیسے وہ اس قدر تیز چلائے جانے پر ڈرائیور ے سخت احتجاج کر رہی ہو۔

مین روڈ چھوڑ کر بس نے پہلے نہر کا پل پھر ریلوے کراسنگ پار کیا رسلاں والی ریلوے سٹیشن کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ بھی سن صفر ل کا بسوں کا ایک اڈہ تھا قریب ہی جھونپڑی نما ہوٹل تھے۔ بارش اسی طرح رہی تھی۔ اور کچھ غریب بچے جن کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور ان ہوٹلوں کے زم تھے۔ بس کے قریب آکر چائے کی آواز لگانے لگے۔ تیمور نے ایک کے کو بلایا اور دو چائے لانے کو کہا

لڑکا چائے کی کیتلی اور دو پیالیاں اٹھا لایا اور جب وہ برتن تیمور کو تھما تھا تو تیمور نے دیکھا اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے اور سردی کے باعث کے دانت بج رہے تھے برتن تھما کر وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گیا اس مجسمے طرح اداس اداس اور افسردہ سا جو نہ ماننے کی اذیت کوشی کے خلاف اپنے ناع سے فریاد کناں ہو۔

تیمور اس لڑکے کی حالت دیکھ کر اداس ہو گیا اور کہیں کھو سا گیا۔ من
برتن لے کر چائے بنانا شروع کر دی تھی۔ تیمور کی حالت دیکھ کر وہ بھی اداس ہو
تھی۔ لڑکا پیچھے ہٹ کر دوسرے مسافروں کی طرف اداس اور خاموش نگاہوں
اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ ان سے ایک ایک کپ چائے پی لینے کی بھی
مانگ رہا ہو۔ مونا نے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے دکھ سے کہا

بچارے کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں اور سردی سے کانپ رہا ہے۔ ہوٹل
والا شاید اسے پینے کو چائے نہیں دیتا تیمور کی کپکپاتی ہوئی آواز سنائی دی

ایسے بے کس جلتے بجھتے لوگ صرف اوروں کو چائے پلاتے ہیں۔ ان کی
قسمت میں ایک گرم گھونٹ بھی نہیں ہوتا ملوں میں کام کرنے والے مزدور اور
کے لیے ریشمی کپڑا بناتے ہیں جب کہ ان کے اپنے اور بیوی بچوں کے
چیتھڑے ہی ہوتے ہیں۔ مونا نے اسے چائے کا کپ تھما دیا اور وہ پینے لگا

تھوڑی دیر بعد لڑکا برتن لینے آگیا۔ تیمور نے اسے پیسے دیئے اور جب
جانے کے لیے مڑنے لگا تو تیمور نے ہمدردی سے پکارا

منے! چائے کا ایک کپ ہی پی لو۔ دیکھو سردی سے تمہارا سا
جسم کانپ رہا ہے

بچے نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا

کیسے پی لوں صاحب! ہوٹل سے کل مجھے پچاس روپے تنخواہ ملتی ہے
میں اس طرح یہاں سے چائے پینے لگوں تو پچاس روپے ہوٹل کا بل ہو

وہ میری بوڑھی ماں بھوک کی مر جائے تیمور کی آنکھوں میں آنسو آگئے
مارا ابا کیا کرتا ہے
ر چکا ہے۔
ئی بڑا بھائی؟
کوئی نہیں۔ میری ایک ماں اور ایک چھوٹی بہن ہے اور میں ان دونوں کا
واحد سہارا ہوں
اور کوئی آسرا نہیں؟
ہے۔ بچے کی آنکھوں سے تیمور کی ہمدردی پر آنسو بہہ نکلے
ان؟
خدا جو ہم جیسے لوگوں سے بہت دور رہے
مور نے اپنی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو فوراً خشک کر لیے۔ اس نے
ونا نے اپنی بھیگی آنکھیں رومال سے صاف کرتے ہوئے سو روپے
نوٹ نکال کر اس لڑکے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔
یہ رکھ لو منے بھائی اپنی ماں کو دے دینا۔ اگر پوچھے تو کہہ دینا میری ایک
ے گئی ہے۔ لڑکا ہچکچانے لگا۔ تیمور نے مونا سے نوٹ لے کر اس
کی پیالی میں رکھ دیا جو لڑکا اٹھائے ہوئے تھا ساتھ ہی اس نے اس کے
ر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا
لے لو منے بھائی ڈرتے کیوں ہو۔ تیمور نے اپنی جیب سے بھی ایک

روپیہ کا نوٹ نکال کر پیالی میں رکھتے ہوئے کہا

اس سے جا کر چائے پی لو۔ اور وہ اپنی ماں کو دے دینا۔ لڑکا انہیں تشکر
نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا اور بس وہاں سے چل دی۔

قاسم کے پہنچ کر بس ہائی سکول کے ساتھ ایک احاطے میں رک گئی۔ شاید
سٹینڈ ہی ہوگا۔ مونا نے اپنی گرم شال اپنے جسم سے اتار کر تیمور کی طرف بڑ

یہ اوپر لے لیں۔ باہر ابھی تک بارش ہو رہی ہے

اور تم کیا لو گی؟

میرے پاس ایک اور چادر بھی ہے۔ وہ میں اٹیچی سے نکال لیتی ہوں
نے شال دوبارہ اس کے سر پر پھیلا دی۔ تم یہ رکھو۔ میں دوسری لے ا
تیمور نے پہلے اپنے دونوں اٹیچی اوپر سے اتروائے۔ مونا نے اسے دوسری
نکال کر دی اور اس نے اوڑھ لی۔ تیمور نے دونوں اٹیچی اٹھائے اور ہائی سکو
سامنے والی دوکانوں کی طرف بڑھا۔ مونا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

تیمور کتابوں اور جنرل سٹور کی ایک دوکان میں داخل ہوا۔ دکا
اس کا جاننے والا تھا۔ بڑے تپاک کے ساتھ وہ تیمور سے ملا۔ تیمور نے م
ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا اور خود بھی اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس نے
سے پوچھا۔

گاؤں سے ہمیں کوئی لینے آیا ہے کوئی نہیں۔

گاموں آیا ہوا ہے۔ بیل گاڑی لیکر اس نے کافی سودا بھی خرید رکھا ہے

کہاں ہے؟

ہیں ہے۔ وہ دیکھو سامنے اس کی بیل گاڑی بھی کھڑی ہے۔ اور خود
یہیں دوکانوں سے سودا لے رہا ہوگا۔ وہ کہہ رہا تھا شاید آپ آج
آپ کے لیے شاید وہ ماسٹر انور صاحب کو کوئی پیغام بھی دے رہا تھا

ٹر صاحب کہاں ہیں؟

ل میں ہی ہیں۔

ور کھڑا ہو گیا۔ میں پھر ان سے مل لوں۔ آؤ مونا۔ گاموں جب گاڑی
ں آئے تو اسے روک دیں۔ تیمور مونا کے ساتھ جونہی سکول کے
یٹ میں داخل ہوا سامنے برآمدے سے ایک صاحب چھتری
باہر آتے دکھائی دیئے۔ تیمور کو دیکھتے ہی ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
تیمور آگے بڑھ کر ان سے بغل گیر ہوا۔

ہیں ماسٹر صاحب

ں نے مسکراتے ہوئے کہا

ک ہوں۔ بس کی آواز سن کر تمہارا ہی پتہ کرنے جا رہا تھا۔ آؤ میرے
وہ انہیں ایک صاف ستھرے کمرے میں لے گئے۔ جو شاید سٹاف
گا۔ تیمور نے مونا سے کہا

رنا! یہ انور صاحب ہیں گجرات کے رہنے والے ہیں۔ اور یہاں
ا میں پڑھاتے ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ تایا ابو انہیں بہت چاہتے

ہیں اور ہر وقت ان کے اخلاق کی تعریف کرتے رہتے ہیں اور ماسٹر صاحب
یہ مونا ہے ———— انھوں نے تیمور کی بات کاٹ دی اور مسکراتے ہوئے
تمھارے تایا مجھے پہلے ہی سب کچھ بتا چکے ہیں۔ تم دونوں بیٹھو میں
اور چھتری کا انتظام کروں پھر چلتے ہیں

کہاں؟

میرے گھر اور کہاں؟

گاموں آیا ہوا ہے نا ماسٹر صاحب

ہاں؟

اور اس کی بیل گاڑی پر ترپال بھی ہے میں دیکھ چکا ہوں

بالکل ہے

پھر ہم دونوں اس کے ساتھ گھر جائیں گے

کیا ضرورت ہے بارش اور کیچڑ میں خراب ہونے کی صبح تک تانگے
گے اور چلے جانا۔ رات دونوں یہیں آرام کرو

نہیں ہم ضرور جائیں گے

آخری فیصلہ ہے کیا؟

جی ہاں؟

تو پھر بیٹھو میں تمھارے لیے چائے منگواؤں اور گاموں کو
وہ بھی اب تم دونوں کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ سارا سودا خرید چکا

اور صاحب باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئے۔ ان کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا جس کی بغل میں چھوٹی سی ایک چھتری تھی اور ہاتھوں میں چائے کی ٹرے جس میں بسکٹ کا ایک ڈبہ بھی تھا تیمور نے بوڑھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

مونا! وہ جو بوڑھا ماسٹر صاحب کے ساتھ آ رہا ہے نا۔ جس نے چائے کی ٹرے اٹھا رکھی ہے اس کا نام گاموں ہے اور وہ تایا ابو کا پرانا ملازم ہے گھر کا سارا انتظام اس کے ہاتھوں میں ہے۔ وہی تایا کا کھانا پکاتا ہے۔ اور ساری زمین کھیتوں کھلیان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ اتنی دیر تک وہ قریب آ گئے۔ اندر آتے گاموں نے ٹرے میز پر رکھی اور تیمور کو لپٹاتے ہوئے پیار سے کہا کیسے ہو بیٹے!

تیمور بھی اس سے لپٹ گیا۔ ٹھیک ہوں بابا!

گاموں نے مونا کی طرف اشارہ کیا؟

یہ مونا ہو گی؟

تیمور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہاں بابا!

گاموں نے مونا کے سر پر بھی پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ چائے بیٹے۔ خود وہ بسکٹ کا ڈبہ کھولنے لگا۔ مونا نے چائے پیالیوں میں ڈالی چاروں نے مل کر پی۔ تیمور نے پھر گاموں سے کہا

بابا! ہم دونوں ابھی تمھارے ساتھ گاؤں چلیں گے

گاموں خوش ہو گیا

میں بھی تو اسی لیے رکا ہوا تھا بیٹے! تم دونوں کی وجہ سے حویلی میں رونق آ جائے گی اور میاں جی بے حد خوش ہوں گے۔ تیمور کھڑا ہو گیا۔ تو پھر چلیں۔

گاموں بھی کھڑا ہو گیا اور انور صاحب سے کہا

ماسٹر صاحب! ہم اب چلتے ہیں۔ شام بھی ہونے والی ہے۔ مشکل سے نماز کی نماز کے بعد ہم پہنچ پائیں گے۔ سب باہر آئے۔ دوکان سے گاموں نے دونوں اٹیچی اٹھا کر اپنی بیل گاڑی میں رکھ لیے پھر گاڑی میں داخل ہوا اکھل کی دو بوریوں پر اس نے ایک صاف ستھری چادر بچھا کر ان دونوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ بنا دی اور خود آگے بیٹھ کر گاڑی ہانک دی۔ انور صاحب جو بیل گاڑی تک انہیں چھوڑنے آئے تھے واپس چلے گئے۔

بیل گاڑی تھوڑی دور تک اس پکی سڑک پر چلتی رہی جو فاروکر سے نکل کر اس چھوٹے سے شہر کی طرف جاتی ہے۔ جس کا نام ساہیوال ہے پھر گاموں نے بیل گاڑی بائیں طرف ایک کچی سڑک پر اتار دی اب دونوں بیلوں کی رفتار کم ہو گئی تھی کیونکہ کیچڑ تھا اور گاڑی کے پہیے زمین میں دھنس رہے تھے۔

کسی قریبی گاؤں سے لاؤڈ سپیکر پر مغرب کی اذان سنائی دی تھی۔ گاموں نے گاڑی روک دی اور گاڑی کے اندر لٹکتی ہوئی بتی روشن کر دی۔ تیمور نے گاموں سے کہا

سارا انتظام کر کے چلے تھے شاید!

نہیں بیٹا! یہ بتی تو ہر وقت میں گاڑی میں ہی رکھتا ہوں۔ گاموں نے

بیلوں کو ہانک دیا۔ بیل چل پڑے اور ان دونوں کے گلے میں بندھی ہوئی پیتل گھنٹیوں کی آواز دیہات کی کھلی فضا میں کسی جلترنگ کی آواز کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔

آدھ گھنٹے بعد وہ ایک گاؤں میں داخل ہوئے۔ جس کی گلیاں زیادہ تر پختہ تھیں اور جس میں بجلی کے بلب روشن تھے۔ ایک بہت بڑی اور دو منزلہ حویلی کے قلعہ نما گیٹ کے پاس گاموں نے بیل گاڑی روک دی اور نیچے اتر گیا۔ پھر اس نے مونا سے کہا۔ یہ ہے تایا ابو کا گھر۔

جب وہ بیل گاڑی سے اترنے لگے تو حویلی کے گیٹ پر احسان کی آواز سنائی دی وہ گاموں سے مخاطب ہوئے تھے

گاموں تیمور اور مونا آئے ہیں

گاموں نے اپنی خوشی منبط کرتے ہوئے کہا

ساتھ لے کر آیا ہوں میاں جی!

تیمور اور مونا جونہی نیچے اترے ان کے سامنے احسان کھڑے تھے۔ دونوں نے ساتھ اپنے ہاتھ لپٹا کر انھوں نے دونوں کو پیار کیا اور اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ گاموں نے ان دونوں کے اٹیچی اٹھا لیے تھے۔ گاڑی رکتے ہی پانچ آدمی وہاں آ گئے تھے اور جب وہ اندر گئے تو انھوں نے گاڑی میں لدا ہوا سارا سامان اتار کر حویلی میں رکھ دیا۔ اور بیل گاڑی آگے لے جا کر انھوں نے بیل علیحدہ کر دیے۔

احسان اور دونوں کو لے کر ایک ایسے کمرے میں داخل ہوئے۔ جو ہر لحاظ سے شہر کے ماڈرن اور ڈیکوریٹیڈ کمرے کا مقابلہ کر سکتا ہے کمرے میں سامنے آتش دان روشن تھا اور بائیں طرف ٹی۔وی چل رہا تھا اور ایک لڑکی بیٹھی بچوں کی کہانی سنا رہی تھی۔ گاموں بھی اٹیچی اٹھائے ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا آتش دان کے سامنے بیٹھتے ہوئے احسان نے تیمور اور مونا دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

تم دونوں کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ پہلے ڈریس تبدیل کر لو پھر بیٹھتے ہیں۔

گاموں تم مونا کو اس کا کمرہ دکھاؤ۔ تیمور تم یہیں کپڑے بدل لو۔ گاموں مونا کو ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ تیمور نے وہیں اپنا اٹیچی کھولا اور دوسرے کپڑے نکال کر پہن لیے۔ اتنی دیر تک مونا بھی۔ لباس بدل کر وہاں آ گئی اور دونوں آتش دان کے پاس بیٹھ گئے احسان نے تیمور کو مخاطب کیا۔

تیمور آج کا اخبار پڑھا تم نے؟

تیمور ان سے قریب ہوتے ہوئے ان کے شانے سے شانہ ملا کر بیٹھ گیا۔

نہیں تایا ابو!

تمہارے متعلق تمہارے ابا نے اشتہار دیا ہے

تیمور نے فکرمندی سے پوچھا

کیسا اشتہار تایا ابو!

کامران نے تمہارا عاق نامہ منسوخ کر کے تم سے گھر واپس آنے کی اپیل کی ہے

کہاں ہے اخبار؟

وہ مجھ سے پوسٹ ماسٹر لے گیا ہے۔ وہ روزانہ میرا اخبار لاتا ہے۔ اور رات پڑھنے کے لیے لے جاتا ہے۔ میرا اندازہ ہے انہیں کوئی تکلیف ہوئی ہے جس کی وجہ سے یہ اشتہار دینے کی نوبت آئی ہے

مجھے وجہ کا علم ہے تایا ابو!

کیا؟

آصف ایک طوائف سے شادی کرنے کے سلسلے میں انہیں تنگ کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان پر ہاتھ بھی اٹھانے لگا ہے۔ مجھے نیلو نے بتایا تھا۔

تمہارا کیا ارادہ ہے

میرا اس گھر سے تعلق ختم ہو چکا ہے تایا ابو! اب میں اس گھر میں جا کر کیا کروں گا جس میں کبھی میرے لیے جگہ نہ تھی اور جہاں سے میں جانور کی طرح ذلیل کر کے نکال دیا گیا تھا۔

احسان نے سنجیدگی سے کہا

کچھ بھی ہو۔ یہاں سے جانے کے بعد گھر جانا اور پورے حالات معلوم کر کے مجھے لکھنا۔ قدرت شاید کامران سے میرا انتقام لے رہی ہے

ہاں تایا ابو!

گاموں نے تینوں کے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ اور بات چیت کا سلسلہ رک گیا احسان سیدھے بیٹھتے ہوئے بولے۔

تم دونوں کھانا کھاؤ اور اپنے اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ سفر کے باعث تم تھکے ہوئے ہو۔ صبح کھل کر تم دونوں سے باتیں کروں گا۔ کمرے میں سکوت بکھر گیا اور تینوں کھانا کھانے لگے۔ باہر کہیں دور ——— ویرانے میں گیدڑوں کے چیخنے کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔

احسان کے پاس تیمور اور مونا نے ایک ہفتہ گزارا۔ گاموں ان دونوں کو اپنے بچے جان کر ان کی خدمت کر رہا تھا۔ اس نے انہیں جگہ جگہ گھمایا پیلے پیلے پھلوں سے لدے ہوئے احسان کے مالٹے کے باغات میں لہلہاتے کھیتوں اور کھلیانوں میں کتنا سکون تھا گاؤں کے ماحول میں دن کو آٹے کی چکی ——— کی آواز کیسی بھلی لگتی تھی۔ رات کو جھینگروں کی آوازیں یوں کان میں پڑتی تھیں گویا خوابوں کے شبستانوں میں گیتوں کے آبشار بہہ نکلے ہوں۔ کھیتوں میں کام کرتی ہوئی دہقانی لڑکیوں کے گیت اور رنگین پیراہن۔ ایک شہری کو تصور کی پرچھائیاں ہی لگتے ہیں۔

آخری شام جب کہ تیمور اور مونا نے اگلے روز لاہور روانہ ہونا تھا احسان کھونڈی کے سہارے چلتے ہوئے کہیں باہر سے اپنے کمرے میں داخل ہوئے۔ انھوں نے گاموں کو آواز دی۔

گاموں!

گاموں ایک طرف سے ان کی طرف بڑھا۔ جی میاں جی!

تیمور کو ذرا میرے پاس بھیجو

تیمور اور مونا ایک کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ گاموں نے تیمور سے کہا

آپ کو میاں جی بلا رہے ہیں

تیمور اٹھ کر احسان کے کمرے میں آیا۔ مونا وہیں بیٹھی رہی۔ تیمور کمرے میں آ کر احسان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا

مجھے بلایا تایا ابو!

ہاں بیٹے! مجھے مونا کے گھر کا ایڈریس دے دو۔ تاکہ میں اس کے ماں باپ سے مل کر تم دونوں کے رشتے کی بات پکی کروں۔ میں چاہتا ہوں محرم کے بعد تم دونوں کی شادی ہو جائے۔ اور تم دونوں مستقل طور پر یہیں میرے پاس رہو۔ یہ میری آرزو ہے بیٹے! تم دونوں کے کل جدا ہونے کے تصور سے میری حالت ابھی سے غیر ہونا شروع ہو گئی ہے۔ اب تم دونوں میں ہی میری زندگی کا راز ہے۔

تیمور خاموش رہا اور گردن جھک گئی

احسان نے پھر پوچھا

تم بولتے کیوں نہیں بیٹے!

تیمور نے عجیب طرح کی بے بسی سے احسان کی طرف دیکھا۔ اس کا

ئی گھر نہیں تایا ابو! وہ ایک ایسی بے بس لڑکی ہے جس کے ساتھ اس ماں نے ظلم کیا ہے۔ تایا ابو! میری طرح وہ بھی معاشرے کی ایک دھتکاری ئی لڑکی ہے۔

احسان بڑے شوق سے بولے۔ تم اس کی پوری داستان کہو میں سننا ند کروں گا

تایا ابو! میری اس کی ملاقات کا سبب ایک حادثہ بنا تھا ورنہ ایسی حسین لڑکی جیسے ادھورے انسان کو کہاں گھاس ڈالتی ہے۔ ان کی کار کا ایکسیڈنٹ تھا جس میں اس کا باپ مر گیا تھا۔ مونا اور اس کی ماں شدید زخمی ہوئی تھیں ایکسیڈنٹ کی جگہ پر موجود تھا اور انہیں ہسپتال لے گیا۔ مونا کو خون کی رورت تھی۔ وہاں ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ میں نے مونا کو خون دیا اور ب یہ دونوں ماں بیٹی خطرے سے باہر ہو گئیں تو میں انہیں اپنے متعلق ئے بغیر ہسپتال سے چلا گیا۔ میں ان دونوں کے سامنے بھی نہ آیا تھا۔

یہ دونوں ماں بیٹی اس شخص کو تلاش کرتی رہیں جس نے خون دیا تھا اور ئبانہ طور پر خون دینے والے سے محبت بھی کرنے لگی تھی۔ پھر اتفاق سے ھے ان کے ہاں ٹیوشن مل گئی۔ ان دنوں مونا ایف۔ اے میں پڑھتی تھی پنی ماں کی خواہش کے مطابق وہ ایک میوزک سکول میں رقص بھی سیکھتی تھی ت گزرتا رہا۔ حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ مونا کو پتہ چل گیا میں نے اسے خون دیا تھا لہٰذا وہ مجھ سے محبت کرنے لگی۔ میرے دل میں بھی

اس کے لیے ایسے جذبات تھے۔

مونا جب ایف۔ اے کر چکی تو اس کی امی ایک روز اسے کسی پارٹی میں رقص کرنے کے بہانے اس بازار لے گئیں جہاں گلی گلی جوان چہرے بکتے ہیں اور جہاں رشتوں کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اصل میں مونا کی ماں طوائف ہے۔ وہ مونا کو اپنی راہ پر چلا کر اسے طوائف بنا کر اس کی عصمت کا سودا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن مونا اس کے لیے تیار نہ تھی۔ اپنی ماں کو خواب آور گولیاں کھلا کر وہ گھر سے بھاگ کر میرے پاس آگئی میں نے اسے بی اے میں داخل کرا دیا اور اب وہ اپنے کالج کے ہوسٹل میں رہتی ہے۔ بس یہ ہے مونا کی داستان!

احسان سر جھکائے کچھ دیر سوچتے رہے۔ تیمور ان کی طرف پریشانی سے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ انھوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ ان کے چہرے پر سختی اور غصّے کے جذبات تھے اور پیشانی پر کئی نمایاں شکنیں دکھائی دے رہی تھیں۔ غور سے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے انھوں بھاری مگر فیصلہ کن آواز میں کہا۔

اگر مونا ایک طوائف ہے۔ تو تم اور وہ دونوں اصل ہو۔ کیونکہ
——— تیمور نے احسان کی بات اچک لی۔

مونا طوائف نہیں تایا ابو!
احسان غصّے میں بولے

کیا سانپ کا بچہ بڑا ہو کر سانپ نہیں کہلائے گا۔ اور اپنی فطرت اپنی
ت کے مطابق ڈس نہیں لے گا۔ بھیڑیئے کا بچہ بڑا ہو کر درندہ ہی بنے
چیر پھاڑ کھائے گا۔

تیمور نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا

تایا ابو! آپ کی بات اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن سانپ اور بھیڑیا
نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے بچوں کو ان جیسا نام ہی دیا
گا۔ بالکل ایسے ہی جس طرح انسان کے بچے کو انسان کہا جاتا ہے۔
ائف کوئی نسل نہیں یہ ایک پیشہ ہے۔ اگر طوائف کی کوئی لڑکی اس
ے نفرت کر کے باعزت زندگی بسر کرے تو ہم اسے کسی صورت
ائف نہ کہیں گے بالکل ایسے ہی جس طرح ہم ایک پیشہ ور چور
لڑکے کو چور نہیں بلکہ ایک باعزت شہری سمجھیں گے۔

ارے ذہن اور ضمیر کی آواز نہیں ہے تیمور! یہ تمہارے دل اور
ت کا فیصلہ ہے اور ایسے فیصلے اکثر غیر مناسب اور شکستہ پا
ہیں۔ اس خاندان میں پہلے ہی ایک طوائف جو داخل ہو چکی ہے
ڈسا ہوا میں تمہارے سامنے ہوں اور ابھی تک اس کے زخم
رہا ہوں۔ اگر وقت ہمیں اس اقدام کی سزا دینا چاہتا ہے تو
کا انتقام پہلے ہی کامران اور آصف سے لے رہا ہے۔ تم
بیٹے ہو کامران کے نہیں اس لیے میں تمہیں اس انتقام کی بھینٹ

نہ چڑھنے دوں گا۔ آخر ساری طوائفیں ہمارے ہی خاندان میں کیوں جنم ہار
کیا مونا نے اپنی ماں کے ساتھ اس بازار میں اتنا عرصہ پرورش نہیں پائی اور کیا
ماحول کا اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔

نہیں تایا ابو! مونا نے اس ماحول میں پرورش نہیں پائی۔ ان کی دادی بار
میں اپنی کوٹھی ہے اور یہ پوری زندگی اس بازار نہیں گئی۔ حتیٰ کہ اسے یہ بھی علم
تھا کہ اس کی ماں ایک طوائف ہے۔

احسان چڑ کر بولے

تو پھر یہ اور زیادہ بدقسمتی ہے۔ ایک طوائف جو اتنا عرصہ اس بازار
دور رہ کر اپنی بیٹی کے جوان ہونے پر دوبارہ وہ دکان سجا سکتی ہے تو اس
طوائف کی بیٹی جب تمہارے ماحول میں رہ کر اکتا جائے گی تو وہ بھی خود ہ
بازار کا رخ کرے گی۔ کیا تم بتا سکتے ہو اس کا باپ کون ہے۔ اور اس کا
کیا ہے۔

ان کا نام احسان تھا تایا ابو! اور وہ کار کے حادثے میں مر چکے ہیں
تم نادان ہو تیمور! جسے تم مونا کا باپ کہہ رہے ہو۔ وہ اس کی ماں کا کوئی یار
دلال تو ہو سکتا ہے مگر شوہر نہیں۔ طوائف جہاں بھی ہو طوائف ہی رہتی ہے
وہ ایک وفادار بیوی، سگھڑ بہو اور دردمند دل رکھنے والی ماں کبھی ثابت
نہیں ہو سکتی۔ جاؤ مونا سے کہو اپنی ماں سے پوچھ کر بتائے اس کا باپ کون
اور جس شخص کو وہ اپنا باپ کہتی ہے کیا اس سے اس کی ماں نے نکاح بھی کیا

ائفیں اپنی ماں کا نام تو جانتی ہیں۔ لیکن انہیں یہ کیسے علم ہو کہ ان کا باپ
ہے۔ جب کہ ان کی ماں کے لیے اس کا ہر تماشائی سکوں کی بھینٹ پر شوہر
جہ رکھتا ہے۔

تیمور کا سر جھک گیا تھا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا
احسان بڑی مشکل سے تھوک نگل کر اپنا غصہ پیتے ہوئے بولے
تم صبح جانے (آنے والی کل) مونا کو لے کر روانہ ہو جاؤ اور اسے
چھوڑ کر فوراً یہاں واپس آ جاؤ۔ میں اب بوڑھا ہوں اور میری زندگی کا
اعتبار نہیں تمہارے یہاں آنے پر میں ساری زمین اور بنکوں میں رکھا ہوا
تمہارے نام کر دینا چاہتا ہوں۔ یہاں نیک اور خوبصورت لڑکیوں کی
ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ جس کی طرف تم اشارہ کرو گے اسی کو میں
سے بیاہ دوں گا۔ اور یہ بھی یاد رکھو اگر تم واپس نہ آئے۔ تو میں تمہیں لینے
ہاں آؤں گا۔ اور یہ بات ایک نیک اور ہوشمند بیٹے کے لیے مناسب
ی کہ اس کا باپ اسی کی بہتری کی خاطر اس کے پیچھے پیچھے دھکے کھاتا پھرے
تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ اور جا کر آرام کرو ساتھ ہی انھوں نے ایک کاغذ
کی طرف بڑھایا۔ اس پر مونا کا ایڈریس موجود تھا۔ مونا کا ایڈریس لکھ کر تیمور اٹھ
ا ہوا۔ اس کی حالت اس بے کس ناخدا جیسی تھی جس کا سفینہ ہی ڈوب
اور بیچارے کی محبت کو شک کا سیاہ ناگ جو ڈس گیا تھا۔ احسان کے
ے سے نکل کر جب وہ باہر کوریڈور میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک

ستون سے ٹیک لگائے وہاں مونا کھڑی آنچل سے اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اس نے احسان اور تیمور کی ساری گفتگو سن لی تھی۔ جب تیمور اس کے سامنے آیا تو وہ بچاری سسکیاں لیتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی تیمور کو اتنی جرات نہ ہوئی کہ اس کا سامنا کر سکے۔ اسی طرح سر جھکائے وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

دوسرے روز وہ دونوں بڑی بوجھل بوجھل طبیعت کے ساتھ احسان سے ملے۔ گاموں نے ٹانگہ لاکر حویلی کے سامنے کھڑا کر دیا تھا اور دونوں کا سامان بھی وہ ٹانگے میں رکھ چکا تھا۔ تیمور اور مونا دونوں باہر آئے۔ گاموں سے مل کر وہ ٹانگے میں بیٹھے اور ٹانگہ چل پڑا۔ آٹے کی چکی چل رہی تھی اور اس کی آواز جو وہاں آنے پر کانوں میں رس گھولتی تھی اب ان دونوں کو یوں محسوس ہو رہی تھی جیسے کوئی بوڑھا ملاح ندی کے ساز پر ماتمی گیت گا رہا ہو۔

فاروکہ تک دونوں خاموش رہے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی بات نہ کی سرگودھا تک بس میں تیمور نے کئی بار مونا کو مخاطب کیا شاید وہ اس کے ذہن کے رجحان کو بدلنا چاہتا تھا لیکن وہ۔ اوں آں کر کے خاموش ہو جاتی چپ سادھ لی تھی بچاری نے۔ حیات ستم آشنا جو ہو گئی تھی۔

چنیوٹ جب بس رکی۔ تو تیمور نیچے اترا اور مونا کیلیے فروٹ لے آیا لیکن وہ سلگی بیٹھی تھی۔ تیمور نے اس کی منتیں بھی کیں پر اس نے فروٹ کو ہاتھ نہ لگایا۔ اس کی حالت اس چنگاری جیسی ہو گئی تھی جو راکھ تلے دب گئی ہو۔ یا کوئی ایسا موتی جسے حوادث کے طوفانوں نے ریت تلے دفن کر

دیا ہو۔

لاہور آکر انھوں نے رکشہ کیا اور پہلے مونا کے ہوسٹل گئے۔ مونا نے اپنا ...ھی سنبھالا اور تیمور سے کوئی بات کئے بغیر وہ ہوسٹل میں داخل ہو گئی۔ اس کے ...ں رویے پر تیمور کو ایک دھچکا سا لگا اور وہ اسے اپنے کمرے کی طرف جاتا دیکھتا ...ا۔ ایسے میں مونا اسے یوں لگی تھی۔ گویا وہ اس سے محبت کرنے والی مونا نہیں ...ں ابرِ گریزاں کا سایہ ہو جو اس سے لمحہ بہ لمحہ دور بھاگتا جا رہا ہو۔ تیمور نے ...ائیور کو کریم پارک چلنے کو کہا اور رکشہ چل دیا۔

مونا جب اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو عرشی کرسی پر بیٹھی مطالعہ کر ...ہی، مونا کو دیکھتے ہی کھڑی ہو گئی اور خوش ہوتے ہوئے کہا۔

شکر ہے تم آئی ہو۔ ورنہ یہ رات مجھے اکیلے میں گزارنا پڑتی۔ میں بھی ...ہی آئی ہوں۔

مونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اسی طرح بجھی ہوئی تھی۔ اپنا اٹیچی اس نے ایک ...ر رکھا پھر بھاگ کر عرشی کی طرف بڑھی اور اس سے لپٹتے ہوئے پھوٹ ...ٹ کر رونے لگی۔ عرشی گھبرا گئی۔ اور اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

خیریت ہے نا مونا! تیمور بھائی کہاں ہیں

مونا پھٹ پڑی۔ انہیں مجھ سے چھین لیا گیا ہے عرشی

عرشی بھی رونے لگی۔ لیکن کیسے ؟

ان کے انکل کہتے ہیں۔ ایک طوائف کی بیٹی طوائف ہی ہو سکتی ہے ایک

وفادار بیوی نہیں بن سکتی۔ نعوں نے کہاں ہے ہم دونوں اصل میں ——
کی بات کاٹتے ہوئے عرشی نے پوچھا

تیمور بھائی کہاں ہیں

باہر رکشے میں بیٹھے ہیں

عرشی اسے چھوڑ کر باہر لپکی۔ تم بھی بیوقوف ہو۔ انہیں ساتھ کیوں نہ
لائی۔ ٹھہرو میں انہیں بلاتی ہوں عرشی نے باہر آکر دیکھا۔ لیکن تیمور تو جا چکا
ناچار وہ واپس مڑی اور سسکتی ہوئی مونا کو تسلی دینے لگی۔

تیمور نادی پارک آیا اور اپنی کوٹھی میں داخل ہوا۔ اس کی ماں گھاس کے
ا کرسی پر بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اپنے کوارٹر کے باہر کھڑی نیلو
ر اندر آتا دیکھ کر خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ تیمور کی ماں راحت کی نظر جونہی
پڑی اس نے کتاب گھاس پر پھینک دی اور کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

شکر ہے تم لوٹ آئے ہو بیٹے۔

راحت نے آگے بڑھ کر تیمور کو لپٹا لینا چاہا۔ لیکن اس سے قبل
ر اس کی کرسی کے قریب گھاس پر بیٹھ گیا۔ راحت کو بڑی مایوسی
ن کے دونوں ہاتھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پھر تیمور کی آواز اس کی
ت ...۔

پ لوگوں نے میرے متعلق اخبار میں ایک اشتہار چھپوایا تھا۔ میں
س کے متعلق بات کرنے آیا ہوں

احت نے تیمور کی بات کا جواب دینے کے بجائے زور سے نیلو کو آواز دی
ذرا اندر سے تیمور کے لیے کرسی لے آؤ

نیتو بھاگتی ہوئی۔ اسی کمرے میں گئی جو کبھی تیمور کا تھا اور کرسی لا کر تیمور کے پاس رکھتے ہوئے کہا

بیٹھیے بھائی جان!

تیمور جب اسی طرح گھاس پر بیٹھا رہا تو راحت بھی بولی

اٹھ کر کرسی پر بیٹھو! بیٹے! پھر بات کرو۔ میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گی

مجروح سی آواز میں تیمور نے جواب دیا

میں یہیں ٹھیک ہوں۔ میرے جیسا شخص جو انسان تک کہلانے کا حق دار نہ ہو آپ جیسے لوگوں کے سامنے اس کے لیے خدا کی زمین ہی بیٹھنے کی مناسب جگہ ہے۔ آپ یہ بتائیے میرے متعلق وہ اشتہار دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

راحت نے بڑی مشکل سے جواب دیا

آخر ایک ماں! اپنے بیٹے سے کب تک جدا رہ سکتی ہے میں نے سوچا ——— تیمور نے اس کی بات اچک لی ——— ماں!

——— کیسی ماں؟ ——— میری ماں مر چکی ہے جس نے مجھے ایک ماں کا پیار دیا تھا۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ آصف نے طوائف سے شادی کرنے کی خاطر آپ پر دباؤ ڈالا ہوا ہے۔ اور آپ دونوں یہاں بھی سیاست سے کام لے رہے ہیں۔ مجھے گھر بلا کر آپ آصف

کے سامنے کھڑا کر کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں تا کہ میں آپ کی خاطر آصف سے جھگڑا کروں۔ اس طرح آپ ایک ہی وار میں دو سانپ مارنا چاہتی ہیں۔

یں کوئی بچہ نہیں۔ اپنا برا بھلا سمجھتا ہوں۔ آصف کو اس طوائف سے ضرور شادی کرنا چاہیے جس پر وہ لاکھوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔ یہ ان زیادتیوں کا صلہ ہے جو آپ دونوں نے تایا ابو سے کیں۔ اب جب کہ وقت آپ لوگوں سے انتقام لے رہا ہے تو آپ چلا کیوں اٹھے ہیں۔ اس طوائف کو لا کر آصف کو یہ گھر اسی طرح جہنم بنانا چاہیے جس طرح آپ لوگوں نے تایا ابو کی زندگی میں زہر گھول دیا ہے۔ تیمور کو آپ لوگوں نے ایک کھلونا سمجھ رکھا تھا جب چاہا جس وقت جی کیا بیکار چیز سمجھ کر پھینک دیا۔ اور جب ضرورت محسوس ہوئی اسے پونچھ کر ڈیکوریشن پیس کے طور پر استعمال کر لیا۔ وہ تیمور مر گیا ہے جسے آپ لوگ انسان نہ سمجھتے تھے۔ اب مجھے ایسے لوگ مل گئے ہیں جو آپ جیسے سرمایہ داروں کے اور مجرموں کے ہاتھوں شمع کی طرح جلتے بجھتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے جینے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے آصف نے ایک طوائف پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا لیکن اسے آپ لوگوں نے کچھ نہ کہا۔ پر تیمور جب جیب خرچ کے لیے پانچ روپے بھی مانگتا تھا تو اسے بے دردی سے تھپڑ مارے جاتے تھے۔

تیمور کھڑا ہو گیا

آپ لوگوں کے پاس ابھی کافی دولت ہے۔ اس سے آپ میرے جیسے کئی تیمور خرید سکتے ہیں۔ تیمور جب مڑنے لگا تو راحت نے بڑے پیار سے کہا

کھانا کھا کر جاؤ بیٹے!

تیمور نے بھڑک کر کہا

جانوروں نے بھی کبھی کھانا کھایا ہے

راحت کھڑی ہو گئی۔ تیمور ٹھہرو۔ تم اپنی ماں سے ملنے آئے ہو۔ اور میں تمہیں خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی میں تمہیں ایک لاکھ کا چیک کاٹ دیتی ہوں کیش کرا لینا میں جانتی ہوں ہماری طرف سے تمہارا دل میلا ہے۔ اب تم جو بھی کہو گے ہمیں سننا پڑے گا۔ اس لیے کہ تم سے زیادتیاں ہوئی ہیں۔

تیمور مڑ کر گیٹ کی طرف چل دیا

مجھے کسی چیک کی ضرورت نہیں۔ مجھے اب دولت کے بغیر جینے کا ڈھنگ آ گیا ہے۔ تیمور باہر نکل گیا راحت اسے دیکھتی رہ گئی۔ نیلو افسردہ ہو گئی تھی اس معصوم بچے کی طرح جو عید کا چاند نظر نہ آنے پر اداس ہو گیا ہو۔

راوی پارک سے نکل کر تیمور سیدھا مونا کے ہوسٹل آیا۔ عرشی کمرے میں بیٹھی مطالعہ کر رہی تھی۔ مونا وہاں نہ تھی۔ عرشی کتاب میز پر رکھ کر کھڑی ہو گئی

آئیے بھائی جان!

تیمور چپ چاپ آگے بڑھا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ عرشی نے شکوے کے انداز میں پوچھا

مونا کو آپ نے کیا کر دیا ہے بھیا!

تیمور پریشان ہو گیا۔ کیا ہوا اسے؟

کسی سے بات ہی نہیں کرتی۔ بجھ سی گئی ہے۔ آپ بھی پورا ہفتہ نہیں آئے میں بڑی پریشان تھی۔

دو دو دن کھانا ہی نہیں کھاتی۔ دس بار بلاؤ تو ایک بار بولتی ہے

تیمور نے بیتاب ہو کر پوچھا کہاں ہے وہ

میو ہسپتال گئی ہے

تیمور بالکل ہی بجھ گیا۔ کیوں!

اس نے کالج جانا چھوڑ دیا ہے بھائی جان۔ اخبار میں نرس کے لیے کچھ ...میاں نکلی تھیں۔ اس کے لیے وہاں انٹرویو دینے گئی ہے۔ میں نے بہت ...ؤکا۔ پر وہ کہتی تھی جب مجھے تیمور نہیں ملتا تو میں بی۔ اے کر کے کیا کروں گی ...رس بن کر اپنے پاؤں پر آپ کھڑی ہو جاؤں گی۔ مجھ سے بھی لڑ جھگڑ کر گئی ہے۔ کیونکہ میں اسے روکتی تھی عرشی رو پڑی۔ جاتی دفعہ مجھے بھی دھمکی دے ...ئی ہے کہ اگر تم میرے راستے میں رکاوٹ بنی تو میں کہیں اور چلی جاؤں گی

...ر کھڑا ہو گیا۔

میں اب چلتا ہوں۔ ہسپتال میں ہی مونا سے مل لوں گا

ہوسٹل سے نکل کر تیمور ہسپتال آیا اور پوچھتا ہوا اس بلاک میں داخل ہوا ...ہاں انٹرویو ہو رہے تھے۔ بے شمار لڑکیاں وہاں بیٹھی تھیں [illegible] مونا

بھی تھی۔ ویسی ہی اداس اداس اور بجھی بجھی سی جیسے اپنی کھوئی ہوئی زیست کو تلاش کر رہی ہو۔

دور ہی کھڑے رہ کر تیمور نے انگلی کے اشارے سے مونا کو اپنی طرف بلایا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور تیمور کے پاس آ کھڑی ہوئی بالکل ستون کی طرح خاموش جیسے منہ میں زبان نہ رکھتی ہو۔ تیمور نے ہی اسے مخاطب کیا

میرے ساتھ آؤ۔

کپکپاتی اور لرزتی آواز میں مونا نے جواب دیا۔ میرا یہاں انٹرویو ہے میں ابھی کہیں نہیں جا سکتی تیمور نے بڑی ہمدردی اور پیار سے کہا۔ لعنت بھیجو انٹرویو پر۔ پہلے میری بات سنو

مونا نے گردن جھکاتے ہوئے کہا

میں پہلے انٹرویو دوں گی پھر کہیں جاؤں گی۔

پہلے اپنے چہرے پر انٹرویو دینے کے آثار تو پیدا کرو۔ لوگوں کے موڈ تو آن اور آف ہی ہوتے ہیں لیکن تمہارا موڈ تو اس وقت فیوز لگتا ہے بلکہ میں دنیا بھر کی اداسیاں اپنے چہرے پر جمع کر لیں ہیں۔ انٹرویو تم خاک دوں گی۔

مونا کا جواب مختصر سا تھا

بس ٹھیک ہے

تیمور نے اس بار غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ میرے ساتھ آؤ

نا تمہارا انٹرویو مجھ سے اہم نہیں ہے اس کے ساتھ ہی تیمور مڑا
۔ باہر چل دیا۔ چند قدم آگے بڑھ کر وہ مڑا اور پیچھے دیکھا مونا بھاری
جھکائے اس کے پیچھے آہستہ آہستہ آ رہی تھی۔ بالکل اس ہرنی کی طرح جس
آگے کوئی اس کا بچہ اٹھائے جا رہا ہو۔

نسبت روڈ کی طرف وہ باہر نکلے اور سیدھا آگے جانے کے
ئے تیمور بائیں طرف مڑا اور ہسپتال روڈ پر چلنے لگا۔ مونا اس کے
پیچھے تھی۔ جہاں کپڑے والوں کے لکڑی کے کیبن ہیں وہاں آکر مونا نے
ز قدم اٹھائے اور تیمور کے پہلو میں آتے ہوئے پوچھا کہاں جا
ے ہیں؟

تیمور نے بری طرح اسے جھڑک دیا۔ جہنم میں

دونوں پھر خاموشی سے آگے پیچھے چلنے لگے۔ ہسپتال روڈ کو
کر تیمور ایبک روڈ کی طرف مڑا اور تاج ہوٹل میں داخل ہوا۔
ین کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے کیبن کا پردہ ہٹایا اور مونا کا انتظار
لگا۔ مونا کیبن میں جا کر بیٹھ گئی۔ تیمور بھی اندر گیا۔ پردہ دونوں جانب کھینچ
بت کیا اور مونا کے سامنے بیٹھ گیا۔ بیرہ جب اندر آیا تو تیمور نے
ا۔

چائے کے ساتھ کیا مل سکتا ہے

شامی!

چائے آگئی۔ بیرہ چلا گیا۔ کیبن میں پھر سکوت بھر گیا۔ مونا تیمور سے نگاہیں نہ ملا رہی تھی اور کھڑکی باڑ سے میز پر رکھے اپنے پرس کو دیکھے جا رہی تھی تیمور نے اسے پکارا۔ مونا! ——— مونا نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیمور نے بڑی زبردست دھمکی دی۔

مونا اگر تم خاموش رہو اور مجھ سے بات نہ کرو ——— تو اللہ کرے آج رات تیمور مر جائے ——— مونا چونک اٹھی اور اپنا ریشمی ہاتھ تیمور کے منہ پر رکھ دیا تیمور نے اس کا ہاتھ چوم لیا اور وہ شرما کر رہ گئی مونا نے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ کیونکہ بیرہ آ گیا تھا اور وہ برتن میز پر رکھ کر چلا گیا۔ مونا نے چائے بنائی۔ اور اپنا کپ اٹھا کر جب ہونٹوں کی طرف لے جانے لگی۔ تو تیمور نے کپ پکڑ لیا اور کبابوں کی پلیٹ اس کی طرف سرکا دی۔

پہلے یہ کھاؤ

روٹھے ہوئے لہجے میں مونا نے کہا۔ آپ کھائیے میں نہیں کھاؤں گی۔

——— تیمور نے اس کا کپ واپس میز پر رکھا اور ایک کباب اٹھا کر زبردستی مونا کے منہ میں ٹھونسا۔ مونا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

چھوڑیئے میں کھاتی ہوں

تیمور نے اعتراض کیا۔ وہ اپنے پیار کے لفظ کیوں استعمال نہیں کئے

کون سے؟

وہ جان والے

مونا پھر بولی۔ اچھا جان! میں کھاتی ہوں۔ تیمور نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور دونوں کھانے لگے۔ چائے کا پہلا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے تیمور سنجیدہ ہو کر بولا۔

دیکھو مونا! تایا ابو کی باتوں کا تم نے زیادہ ہی اثر لے لیا ہے۔ میں نے تایا ابو پر یہ ثابت کرنا ہے کہ میں اور مونا اَن مل نہیں ہیں۔ اور مجھے قوت اِدی سے ہر حالت میں انہیں اس سٹیج پر لانا ہے کہ وہ خود ہم دونوں کی دی کرائیں اگر تم بھی مجھ سے روٹھ گئیں تو مجھے ایک طرف تم سے اور دوسری ف تایا ابو سے ذہنی جنگ کرنا ہوگی۔ ایسی صورت میں میری حالت اس جیس ی ہوگی جو چکی کے دو پاٹوں میں پس رہی ہو۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہیں ین دلاتا ہوں کہ میں تایا ابو کو اپنے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دوں گا۔ تمہیں یقین دلاتا ہوں تیمور دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ سکتا ہے۔ مونا کو نہیں ت کے سوا دنیا کی کوئی چیز مجھے تم سے چھین نہیں سکتی۔ مونا نے اعتراض ا پھر آپ نے برے الفاظ استعمال کئے نا؟

جب تک تم مجھ سے روٹھی روٹھی رہو گی۔ میں ایسے ہی الفاظ استعمال کرتا رہوں گا

میں آپ سے خفا نہیں ہوں

اچھا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو ——— مونا نے ری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ——— تیمور پھر بولا بس

دیکھتی رہو ———— مونا نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں

کیسر نا کیا کہنا ہے؟ ——

پہلے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالو

مونا نے پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ دونوں تھوڑی دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے دوبارہ مونا نے آنکھیں جھکاتے ہوئے پیار سے روٹھنے کے انداز میں کہا

کہیے نا!

اب بھی مجھ سے خفا ہوں؟

نہیں

نرس کے لیے انٹرویو دوں گی؟

نہیں

دل لگا کر اپنی پڑھائی جاری رکھوں گی؟

ہاں

آج میرے ساتھ فلم بھی دیکھو گی؟

ہاں

تیمور کھڑا ہو گیا۔ چلو پھر ہوسٹل چلیں اور عرشی کو ساتھ لے کر فلم دیکھیں باہر آ کر دونوں نے رکشہ کیا اور ہوسٹل داخل ہوئے۔ عرشی اسی طرح مطالعہ کر رہی تھی۔ تیمور نے مونا کا کان پکڑ کر عرشی کے سامنے لا کھڑا کیا۔

عرشی یہ رہا ہمارا مجرم۔ اسے میں نے راضی کر لیا ہے۔ اب تم جلدی تیار ہو جاؤ اور فلم دیکھنے چلیں ٹائم تھوڑا رہ گیا ہے عرشی خوشی میں جھومتی ٹی اور مونا کو لپٹاتے ہوئے اس کا سرخ پھول جیسا گال چوم لیا۔ شکر ہے آپ کی طرف لوٹ آئی ہو۔ تیمور اور مونا اکٹھے بیٹھ گئے۔ عرشی جلدی جلدی تبدیل کر کے تیار ہوئی اور تینوں ہوسٹل سے باہر نکل گئے۔

شام ہو گئی تھی۔ مونا اور عرشی۔ کھانا کھا کر چائے بنا رہی تھیں کہ گاموں ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی مونا پریشان ہو کر کھڑی ہو گئی۔ اور اپنا ساتھ چھوڑتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

آؤ بابا! خیریت ہے نا؟ مونا نے اس کی طرف کرسی سرکا دی۔ بیٹھو گاموں اس کے سامنے کھڑا رہا۔ میں بیٹھنے نہیں آیا بیٹی تم میرے ساتھ چلو۔

کہاں؟

میاں جی کی حالت اچانک زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ اور وہ یہاں آ کر ہسپتال میں داخل ہو گئے ہیں انھوں نے تمھیں بلایا ہے بیٹی! میں تیمور کو بلانے اس کے گھر گیا تھا۔ لیکن وہ نہیں ملا۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے وہ بھی یہیں ہو۔ کیا تمھیں اس کا کچھ پتہ ہے۔

نہیں بابا! وہ آج پورا دن یہاں نہیں آئے

تو پھر تم میرے ساتھ چلو گی کیا؟

ہاں بابا! میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ مونا جب پیچھے ہٹ کر اپنا

ٹھانے لگی تو عرشی اس کے قریب آئی اور سرگوشی کی۔ کون ہے یہ؟

یمور کے تایا ابو کا ملازم

میں تمھارے ساتھ چلوں؟

کوئی ضرورت نہیں

جلدی آ جانا پھر

میں دیر نہیں لگاؤں گی۔

ونا بوڑھے گاموں کے ساتھ کمرے سے نکلی رکشے سے وہ ہسپتال گاموں اسے دل کے مریضوں کے وارڈ میں لایا۔ اندر بیڈ پر احسان ں بندھ کے بیٹھے تھے۔ چہرہ پیلا ہو رہا تھا سردی کے باوجود ان کی پسینے کے قطرے تھے۔ گاموں ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ مونا کرسی ر بیڈ کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی۔

کل! آپ کیسے ہیں۔

سان نے آنکھیں کھولیں۔ آہستہ آہستہ اٹھے۔ رضائی اپنے اوپر کھینچی ں کے سہارے لوہے کے پلنگ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ احسان ا مونا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

ر کہاں ہے؟

نا نے گردن جھکالی۔ آج صبح سے میری ان کی ملاقات نہیں ہوئی

بالہ تم سے ملتا رہتا ہے

جی ہاں ؟

گاؤں میں تمہارے متعلق اس سے میں نے تفصیل سے بات کی تھی۔ کیا اس نے تمہیں اس کے متعلق بتایا ہے۔ مونا اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس کر رہی تھی

انکل! میں نے خود وہاں آپ اور تیمور کی گفتگو سن لی تھی

احسان نے غصے میں پوچھا۔ پھر تم نے ان باتوں کا کیا اثر لیا

اچانک ہی مونا رو پڑی۔ آگے بڑھ کر اس نے احسان کے دونوں پاؤں پکڑ لیے اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

انکل! تیمور میرے دل کا خدا ہے۔ میں آپ کی منت کرتی ہوں اسے مجھ سے نہ چھینیے احسان نے اپنے پاؤں سمیٹتے ہوئے کہا

مونا! تیمور میرا بازو ہے اور میں تم سے التجا کرتا ہوں۔ میرا بازو بیکار نہ کرو۔ تم میرے اور تیمور کے درمیان ایک دیوار ہو تیمور یا تو اپنے تایا ابو کا بیٹا بن کر رہ سکتا یا ایک طوائف کا ہمسفر۔ بیک وقت دو

مونا نے ان کی بات کاٹتے ہوئے اعتراض کیا

میں طوائف نہیں ہوں۔ یہ آپ کا مجھ پر الزام ہے

تم کچھ بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں۔ تم تیمور کا پیچھا چھوڑ دو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ ورنہ تم نقصان اٹھاؤ گی۔

یہ مونا کی انا پر ایک ٹھیس تھی۔ غصے میں وہ بھی بھڑک اٹھی۔ آپ خو ہی تیمور کو منع کر دیں کہ مجھ سے نہ ملے۔

میں اسے بھی سمجھاؤں گا مگر جب وہ تم سے ملنے آئے۔ تو تم ملنے انکار کر دو۔ میں نہیں چاہتا تم جیسی لڑکی پر سختی اور ظلم ہو۔ مونا نے میں شعلہ بنتے ہوئے کہا

اس سے بڑھ کر آپ اور کیا ظلم کریں گے۔ آپ مجھے ایک بے کس بے سہارا لڑکی جان کر ظلم اور سختی کی دھمکیاں دے رہے ہے۔ میرا بھی لر باپ زندہ ہوتا تو آپ اپنے سامنے مجھے اس قدر دل گرفتہ تے۔

احسان نے فیصلہ کن انداز میں کہا

بس میں نے تم سے یہی کہنا تھا۔ اور سنو! جس طرح زمین اور آسمان رشام اجالا اور تاریکی اور دریا کے کنارے ایک نہیں ہو سکتے رح بالکل اس طرح تم اور تیمور کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ اب لتی ہوں۔ مونا اٹھی اور غصے میں پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ احسان اموں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماموں! تیمور نہیں ملا؟

نہیں میاں جی! اگر آپ اجازت دیں تو ایک بار پھر اس کے کر آؤں۔ ہارے اور بکھرے ہوئے لہجے میں احسان نے کہا

اؤ ہو آؤ

اموں باہر نکل گیا

مونا اپنے کمرے میں داخل ہوئی اور پرس ایک طرف پھینکا

وہ کرسی پر گر پڑی

عرشی اس کے قریب آتی ہوئی بولی!

خیریت تو ہے؟

مونا پھٹ پڑی۔ وہی تم تیمور سے کیوں ملتی ہو۔ تیمور تم سے
ملتا ہے۔ ہر بات کا الزام اس طرح مجھے دیا جاتا ہے جیسے میں کہ
بیٹی نہیں۔ میری کوئی عزت نہیں۔ مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔
طوائف کی بیٹی کیا ہوئی۔ ایک غلیظ گالی اور گندگی کا ڈھیر بن گئی ہوں۔

ایک دم مونا رک گئی۔ تیمور کمرے میں داخل ہوا تھا۔ مونا کا
ہو گئی۔ اور غصے میں کانپتی ہوئی بولی۔ آپ یہاں سے چلے جایئے
آئندہ کبھی مجھے ملنے نہ آیئے۔ تیمور اس کے قریب آتا ہوا بولا۔

پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟

مونا زور سے چلائی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ پھر وہ آگے بڑھی اور
کو دھکے دیتے ہوئے اس نے کمرے سے باہر نکالتے ہوئے کہا۔ د
ادھر کا رخ نہ کریں۔ اگر پھر کبھی اس کمرے میں آئے تو اسی طرح
عزت کر کے نکالوں گی جس طرح آپ کے ماں باپ نے آپ کو ا
گھر سے نکالا تھا۔ میں بھی انسان ہوں اور دل رکھتی ہوں۔ مونا دو
کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ عرشی باہر نکلی اور پریشان کھڑ

یمور سے کہا۔

بھائی جان! آپ کے تایا ابو کی حالت خراب ہو گئی تھی اور وہ یہاں جنرل
ہسپتال میں داخل ہیں۔ انھوں نے مونا کو وہاں بلایا تھا شاید مونا کی ان کے ساتھ
ئی تلخ کلامی ہوئی ہے۔ تیمور سر جھکائے ہوسٹل سے نکل گیا عرشی اندر جا کر
نا کو سنبھالنے لگی۔

وہ سیدھا ہسپتال گیا اور پوچھتا ہوا۔ احسان کی بیڈ کے پاس آیا اور ان
پاس بیٹھ کر زنگ آلودسی آواز میں پکارا۔

تایا ابو!

احسان نے آنکھیں کھولیں اور تیمور کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کیسے ہو بیٹے
ا اور بھرتی ہوئی آواز میں تیمور نے جواب دیا۔ ٹھیک ہوں تایا ابو!
گاموں سے ملاقات ہوئی

جی نہیں

تم کہاں تھے بیٹے! گاموں دوسری بار تمہیں بلانے تمہارے
گیا ہے۔ تیمور نے گردن جھکا کر دکھ سے کہا۔ میں نے کہاں جانا ہے
ا اسی شہر کی سڑکوں پر دھکے کھا رہا ہوں
احسان کہیں کھو گئے۔ کسی نے تمہارا دل دکھایا ہے
دل کون دکھائے گا تایا ابو! یہ زندگی ہی بوجھل اور ویران ہے
اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟

مونا کے پاس سے

بھاری سی آواز میں احسان بولے۔ تیمور! بیٹا اپنے باپ کا سایہ ہوتا ہے۔ کیا میں سمجھ لوں میرا سایہ مجھ سے بیزار ہے۔

نہیں تایا ابو! اندھیرا رات بھر کا مہمان ہوتا ہے۔ پھر صبح طلوع ہوگی آپ کا سایہ آپ کے ساتھ ہوگا۔ آپ بڑھاپے کے اس دور میں بھی تایا ابو! آپ کا سایہ کبھی آپ کو نہ چھوڑے گا۔ وہ ہمیشہ آپ کے پاؤں کی گرد بن کر رہے گا

بے اختیار تیمور کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ احسان بیتاب ہو کر بولے رو رہے ہو بیٹے؟

تیمور نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا تایا ابو!

احسان خاموش رہے

تیمور کے سینے کی آگ میں اس کا دل جل رہا تھا۔ وہ پر کٹے پنچھی یا صحرا میں تپتے کسی تنہا درخت کی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ ماحول کا تپتا صحرا اسے جھلسا رہا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا یہ دنیا ساکت ہو جائے اور بس۔ ادھر ادھر پھرتی ہوئی نرسیں اس سمے یوں لگ رہی تھیں جیسے ______ جیسے لاشوں پر منڈلاتے ہوئے کرگس۔

احسان کی آواز پھر کسی سوختہ جان اور آزردہ کشیدہ کی طرح سنائی دی مونا ملی تھی بیٹے!

تیمور سسک پڑا۔ ہاں تایا ابو۔ اس نے مجھے دھکے دیکر اپنے کمرے سے نکال دیا۔ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی ہے۔ احسان اس بار نحیف اور زخم خوردہ آواز میں بولے۔

تیمور! میرا دل کہتا ہے۔ میری حسیات اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ دل کی بیماری کا یہ دورہ جو طوفان بن کر مجھ پر وارد ہو رہا ہے۔ اس کے سامنے میری زندگی کا چراغ جلتا نہ رہ سکے گا۔ مرنے سے پہلے میں تمہارا ______

احسان خاموش ہو گئے۔ کیونکہ تیمور ان کے پاؤں پر اپنا چہرہ رکھ کر زور زور سے رونے لگا تھا۔ احسان کے پاؤں کے تلووں پر اپنے ہونٹ رکھتے ہوئے اس نے بچوں کی طرح بلک بلک کر کہا تھا۔

تایا ابو! مجھ سے ایسی باتیں نہ کیجئے۔ نہیں تو میں مر جاؤں گا۔ اسی لمحہ گاموں کمرے میں داخل ہوا اگ اور ایک طرف کھڑے ہو کر وہ بڑی حسرت سے دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

احسان سیدھے ہو کر بیٹھے۔ تیمور کا سر اپنی گود میں لے کر وہ اسے پیار کرنے لگے۔ پانچ منٹ اسی حالت میں گزر گئے۔ پھر انھوں نے تیمور کا سر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس وقت تم صحیح طور پر اپنے حواس میں نہیں ہو تیمور! اٹھ کر سنبھلو اور سیدھے گھر جاؤ۔ صبح سویرے میرے پاس چلے آنا۔ میں تم سے بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تیمور کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے آنسو پونچھتا ہوا وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

رات چاندنی تھی۔ آسمان سے اجلی اور نکھری چاندنی بہہ رہی تھی جیسے جوئے نور ہو۔ لیکن تیمور کو اس سمے یہ چاندنی کیسی منحوس اور جاں سوخت لگ رہی تھی۔ وہ ہسپتال کی سڑک پر جا رہا تھا۔ چاروں طرف سرد ہوائیں ویرانے کے الو کی طرح چیخ رہی تھیں۔ شمع کی صورت پگھلتی اور ڈھلتی انسانی زندگی کی طرح رات اپنی مسافتیں طے کر رہی تھی پیڑ سر جھکائے اور شکھ پھیر و سوچ میں گم تھے۔ خزاں زدہ اور اجڑی شاخوں والے پیڑوں کے بازو کچھ اس انداز میں پھیلے ہوئے تھے جیسے وہ اپنی قسمت کے حروف ارقام بدلنے کی خاطر یزدانی قوتوں کے آگے دریوزہ گری کر رہے ہوں یا اگر یہ نہیں تو طلوع حشر کی دعائیں مانگ رہے ہوں۔

تیمور ہسپتال سے پیدل چلتا ہوا بھاٹی گیٹ آیا۔ چوک پر آ کر رک گیا۔ آگے بڑھ کر کریم پارک کی طرف جانے کے بجائے اس کے قدم بائیں طرف اندھے اور بھکاری کریموں کے کمرے کی طرف اٹھنے لگے۔

سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی سنگین رات دھیرے دھیرے بوند بوند ہو کر پگھل رہی تھی۔ آکاش کی نیلاہٹ ابھی تک لال گوں تھی۔ ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی جیسے جوان رات کے سینے پر سفید آنچل۔ تیمور نے کریموں کے زنگ آلود آہنی دروازے پر دستک دی۔ کچلے مسلے لوگوں کی اس آبادی میں گہرا سکوت تھا۔ کریمو کا کمرہ یوں لگ رہا تھا جیسے سہمی سہمی فضاؤں میں کوئی ویران مرقد ایستادہ ہو

اس نے دوبارہ دروازے پر دستک دی۔ کمرے کے اندر سے ہوا کے نوحوں کے دوش پر ایک آواز سنائی دی۔

کون ہے؟

دروازے کے ایک سوراخ پر منہ رکھتے ہوئے تیمور نے جواب دیا۔ میں تیمور ہوں۔ صحن میں آہٹ ہوئی پھر ندیم نے دروازہ کھولا اور تیمور کو سلام کیا۔ تیمور جواب دیتا ہوا اندر داخل ہوا جب اس نے کمرے میں قدم رکھا تو رضائی، اوڑھ کر چارپائی پر بیٹھے کریموں نے پوچھا۔

تیمور ہے؟

تیمور اس کے پاس جا بیٹھا۔ ہاں بابا میں تیمور ہوں"

آج کتنے دنوں بعد آئے ہو اور وہ بھی رات کے اس وقت

خیریت ہے نا

تیمور پگھل گیا۔ بابا! جب انسان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا بہت زیادہ یاد آتا ہے یا ایسے لوگوں کے پاس جانے کو جی چاہتا ہے جن سے ہمدردی کی امید ہو۔

تم پر کیا مصیبت پڑی ہے بیٹے!

آج میں پریشان ہوں بابا! وہ لڑکی جسے تم نے میرے ساتھ دیکھا تھا اس کی ماں طوائف نکلی اس لیے میرے تایا ابو نے میری اس سے شادی روک دی ہے۔ یہ دنیا بڑی سنگین ہے بابا! تمہارے اس کمرے میں سکون ہے۔ یہاں آکر صرف تم میرے ذہن میں ہوتے ہو۔ باہر کی دنیا کو میں بھول جاتا ہے۔ اس لیے تمہارے کمرے میں آکر مجھے سکون ملتا ہے۔

ندیم نے ایک فالتو رضائی لا کر تیمور کے ارد گرد پھیلا دی۔ یہ اوڑھ لو بھیا! سردی ہے۔ تیمور نے ممنون نگاہوں سے ندیم کی طرف دیکھا اور رضائی اوڑھ لی۔ کمرے میں کریموں کی کھوکھلی سی آواز بلند ہوئی۔

یہ دنیا موت کی منڈی ہے بیٹے! اور یہ زندگی؟ ——— یہ

ندگی ایک سزا ہے یہاں بڑے سستے مول۔ ماں بہن باپ بھائی اور محبوبہ کی ت کا لہو بیچا جاتا ہے کریموں تھوڑی دیر چپ ہوا۔ تیمور نے غور سے ں کی طرف دیکھا۔ شمع کی مدھم لو میں تیمور نے کریموں کی آنکھوں میں دیکھا جن ں ایک تمنا تھی بالکل ویسے ہی ——— جیسے بھوکی نگاہوں میں اناج ترستی ہوئی خواہش ہو۔ ایک سرد اور لمبی آہ بھر کر کریموں نے پھر کہا اس دنیا ں ——— اس دنیا میں کون ایسا دل ہے بیٹے! جس میں سکھ سکھ ہو اور دکھ سوگ نہ ہو۔ تیمور نے ڈبڈباتی آواز میں کہا۔

آج رات میں یہیں رہوں گا بابا! ناگ کی طرح ڈستی ہوئی بیرونی دنیا کی نسبت سکون ہے۔ کریموں نے ندیم سے کہا

ندیم! بھیا کے لیے جا کر کھانا لے آؤ

ندیم کھڑا ہو گیا۔ تیمور نے اسے پکڑ کر زبردستی اپنے پاس بٹھا لیا

مجھے بھوک نہیں بابا!۔ تم کوئی بات کرو۔ کوئی واقعہ سناؤ۔ اپنی زندگی کا ضی کے گزرے ہوئے اچھے لمحات کا۔ کریموں انجانی سوچوں میں گم

میں نے اپنی زندگی میں کوئی اچھا لمحہ دیکھا ہی نہیں بیٹے!

چلو کوئی اور واقعہ سناؤ۔ اپنی آپ بیتی ہی کہو۔

کریموں کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی زخمی آواز افق کے اس پار سے سنائی دی ہو

میری آپ بیتی کیا ہونی ہے بیٹے! مجھے ایک کہنہ خرابہ سمجھو جس نے اپنی ساری زندگی دشتِ امید میں گزار دی۔ پر وہ امید وہ خواہش کبھی پوری نہ ہوئی جس نے دل میں جنم لیا۔ یہاں ہم جیسوں سے ہر کوئی اغماض برتتا ہے اور پھر ہم جیسے لوگ تو اس دنیا میں شمع کی طرح جل جل کر بجھنے اور بجھ بجھ کر جلنے کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ میں بچپن سے لے کر اب تک صرف پیٹ کا دوزخ بھرتا رہا۔ مجھ بدقسمت کو یہ بھی خبر نہیں میری ماں کون ہے میرا باپ کہاں ہے صرف ایک ہستی ہے جس کا چہرہ ——— وہ بھی دھندلا دھندلا سا کبھی کبھی میری نگاہوں کے سامنے ابھر آجاتا ہے۔ اور وہ میرا بھائی ہے۔ کریموں نے پھر چپ سادھ لی تیمور نے اسے کریدا۔

تمہارے ماں باپ کیا ہوئے بابا

کریموں دکھ سے پھٹ پڑا۔ میں بچپن میں اپنے ماں باپ سے کھو گیا تھا برسوں پہلے اسی شہر کے اندر داتا دربار کے میلے میں اور خرکاروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ جب میرا جوان خون ختم ہوگیا تو انھوں نے مجھے اپنے ہاں سے نکال دیا۔ کیونکہ بوڑھا ہو کر میں ان پر بوجھ تھا اور آج کل کوئی بھی کسی کا بوجھ برداشت نہیں کرتا دھکے کھا کھا کر میں پھر داتا کی نگری میں آگیا مجھے اتنا یاد ہے کہ میرا گھر اسی شہر میں ہے کہاں اور کس جگہ ہے یہ مجھے معلوم نہیں۔

تیمور کے آنسو بہہ نکلے اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں بولا

تمہارے ماں باپ کے نام کیا تھے؟

کریموں نے گردن جھکا لی اور آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے پھٹے پرانے دامن پر گر گئے۔

مجھے یاد نہیں

اور بھائی کا نام

کریموں نے آستین سے آنسو پونچھے۔ بھائی کا نام مجھے یاد ہے

ر——— مجھے سوچنے دو ——— میں بتاتا ہوں ———

میرے ذہن میں گھوم رہا ہے ہاں اس کا نام رحیموں تھا۔ تیمور نے چونک کر

اس کا نام رحیموں تھا؟

کریموں نے اپنا سر اوپر اٹھایا

کیا تم اسے جانتے ہو؟

ایسے نام کے آدمی کو میں جانتا ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ جانتا تھا۔ پر کیا خبر وہ ابھائی ہو نہ ہو۔ پہلے تم اپنے ذہن کو اپنے بچپن کے ں ماحول میں لے جاؤ ہم کھیلا کرتے تھے۔ اور سوچو۔ کیا اس ماحول میں بیری کا کوئی بہت بڑا درخت ؟ں نہیں صدیوں پرانا۔

کریموں کی گردن جھک گئی۔ جیسے وہ بھولی بسری اپنی کمزیا دوں سے جنگ ے لگ گیا ہو۔ پھر جیسے اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی اور وہ بولا

ہاں بیری کا ایک درخت تھا۔ بہت بڑا اور پرانا جس کے نیچے میں اپنے بھائی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔

تیمور نے بگڑی ہوئی آواز میں کہا

تو پھر وہ رحیموں جس کی میں بات کر رہا ہوں تمہارا بھائی تھا۔ کریموں چونک سا پڑا

اب وہ کہاں ہے؟

وہ اس دنیا میں نہیں۔ مر گیا ہے

کریموں نے بے سدھ ہو کر دیوار سے اپنی پشت لگا لی۔ اس نے اپنی بے نور آنکھیں بند کر لیں اور ان سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا جیسے ——— جیسے رات کے تاریک چاک سے کوئی سوتا اچانک پھوٹ پڑا ہو۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بند کر لیے تھے۔ تاہم اس کے گلے میں اٹھتی ہوئی مدھم مدھم ہچکیوں کی آوازیں رات کے سناٹے میں سنی جا سکتی تھیں سا بیٹھا ہوا ندیم بھی رو رہا تھا۔ تیمور کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے پر اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

تمہارا بھائی گدھا گاڑی چلایا کرتا تھا۔ میری اس کی ملاقات اس وقت ہوئی جب اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اس کا گدھا مر گیا تھا اور میں اس کی گاڑی کھینچ کر اس کے گھر لے گیا تھا۔ اس کی بیوی کا نام نوراں تھا وہ بھی مر گئی ہے ہاں ان کا ایک لڑکا ہے جو محلہ لٹھ ماراں میں اپنے آبائی مکان میں رہتا ہے

ے بھائی نے اس کی شادی بڑی آس اور خوشی سے کی تھی پر اس بدقسمت باپ دونوں کو مار مار کر گھر سے نکال دیا۔ رحیموں نے اپنا علیحدہ مکان رک میں بنا لیا تھا اور وہیں نوراں کے ساتھ رہتا تھا۔

یوں اسی طرح روتا رہا۔ تیمور تھوڑی دیر رک کر بولا

تم اپنے بھائی کے بیٹے کے پاس جانا پسند کرو گے؟

یموں سنبھلا۔ آنکھیں پونچھیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا

بر اس کا کیا رشتہ بیٹے! اور پھر باپ اور چچا کے رشتے میں ایک فاصلہ ید اور دوری ہوتی ہے۔ باپ کی نسبت چچا کے۔ رشتے میں ایک ڈ ایک دیوار اور رکاوٹ ہوتی ہے۔ جو بیٹا اپنے باپ کا نہ بنا وہ چچا کو کیا لا۔

پھر تم اپنے بھائی کے گھر چلو بابا! وہ خالی پڑا ہے

میں یہیں ٹھیک ہوں بیٹے!

یمور کھڑا ہو گیا اور کریموں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھانے لگا

نہیں بابا! میں تمہیں ضرور وہاں لے کر چلوں گا۔ آج کے بعد تم بھیک نہیں ۔ میں تمہارے سارے اخراجات پورے کروں گا۔ تم مجھے اپنا بیٹا

کریموں مان گیا۔ پھر صبح چلوں گا بیٹے!

نہیں ابھی چلیں گے بابا!

اس سامان کا کیا ہوگا

صبح آکر لے جائیں گے

تیمور نے کریموں کو اٹھایا۔ ندیم کو بھی ساتھ لیا۔ مکان کو باہر سے تالا لگا کر وہ
چوک پر آئے اور رکشے سے کریم پارک پہنچ گئے۔ گھر کے دونوں دروازے
تھے اور اندر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ منصور وہاں نہ تھا۔

تیمور دونوں کو لے کر منصور کے گھر آیا اور دروازے پر دستک دی۔ مکان
کے اندر روشنی ہو رہی تھی جس کا مطلب تھا منصور اندر ہے۔ تھوڑی دیر
منصور نے دروازہ کھولا۔ تیمور دونوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ منصور نے پھر در
بند کیا اور ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تیمور ان کے ساتھ ایک کمرے میں آ
بیٹھ گیا۔ منصور نے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کون ہیں۔

تیمور نے مسکرا کر کہا۔ ان کا نام کریم ہے اور یہ رحیموں بابا کے بھائی ہیں
شاید انھوں نے تم سے کبھی ذکر کیا ہو کہ ان کا چھوٹا بھائی بچپن میں کہیں کھو گیا
تھا۔

ہاں انھوں نے مجھ سے کئی بار ذکر کیا تھا

تو پھر یہ ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔ تیمور نے ندیم کی طرف اشارہ کیا۔ یہ
ان کا بیٹا ندیم ہے اب یہ رحیموں بابا کے گھر رہا کریں گے۔ میں ان کے اخراجات
پورے کروں گا۔ منصور نے کریموں سے مصافحہ کیا اور ندیم کے سر پر ہاتھ پھیرا
اور ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے بڑی ہمدردی سے کہا یہ دونوں اب یہاں

کان میں رہیں گے۔ میں اکیلا ہوں۔ سمجھوں گا مجھے میرا باپ اور بھائی
ں۔ ان کے اخراجات کی ذمہ داری میری ہوگی۔ پھر اس نے ندیم کو پیار
ے پوچھا۔

ڑھتے ہو منے!

یم نے اثبات میں گردن ہلائی

ن سی کلاس؟

ٹویں!

نصور نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی میں اپنے بھائی کو پڑھا کر بہت بڑا آدمی بناؤ

ور نے منصور کا شانہ ہلا کر پوچھا۔ کیا تم انہیں یہاں رکھنے پر سنجیدہ ہو؟
نصور نے اسے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔ تم نے کبھی مجھے غیر سنجیدہ
، تو پھر میں چلتا ہوں۔ صبح سویرے ہی میں نے مونا کے پاس
۔ تم ندیم کو ساتھ لے جانا اور جس کمرے میں یہ رہتے تھے وہاں سے
مان اٹھا لانا۔ وہ کمرہ اوقاف کی زمین پر ہے کسی غریب کے حوالے

ور جب اٹھ کر جانے لگا تو منصور نے اسے پکارا

تیمور!

مور نے مڑ کر دیکھا۔ کہو؟

نیتو آج دو تین بار تم سے ملنے آئی تھی۔ بڑی پریشان تھی میں
پوچھا بھی پر وہ کہتی تھی تیمور بھیا کو ہی بتاؤں گی۔

کوئی بات نہیں۔ گھر میں پھر کوئی جھگڑا ہو گیا ہوگا۔ تیمور باہر نکل گیا۔ منصو
کمرے میں کریموں اور ندیم کے بستر لگانے لگا۔

چوٹ کھاتے ہوئے تیمور نے تاریک اور کالی صدیوں جیسی وہ
ں میں اس طرح کاٹی تھی جیسے وہ پوری رات خود داریوں کے
تنہا یہ تنہائی یا ——————— یا دکھوں کی چتا میں جلتا
ن جب سحر سے ملنے کی تیاری کرنے لگی اور ستاروں کے کاروان
لگے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ منہ ہاتھ دھو کر اس نے ڈریس بدلا۔
ے جتنے کپڑے سلوا کر دیئے تھے وہ ایک اٹیچی میں رکھے اس
اکاؤنٹ میں مونا کی جتنی رقم تھی اس کا چیک کاٹ کر جیب میں
ی اٹھائے وہ گھر سے نکل گیا۔

کے ہوسٹل کے سامنے وہ رکشے سے اترا اور اپنا اٹیچی اٹھائے
وہ اندر گیا اور مونا کے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر عرشی فرش پر
استری کر رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس نے استری آف کر دی۔ اپنی
ہ اٹھی اور کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ے بھائی جان!

تیمور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ مونا کہاں ہے
نہا رہی ہے۔

تیمور خاموش ہو گیا۔ عرشی کو بھی اس سے کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی ا
بیٹھ کر وہ استری کرنے کے لیے کپڑوں کو چھینٹے دینے لگی۔

تھوڑی دیر بعد مونا غسل خانے سے نکلی۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس کے
پر گرد آلود اور خاکستری اداسی چھا گئی تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ خا
تیمور کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ تیمور نے اس کی طرف دیکھا اسے وہ لا
شبنم میں نہائی ہوئی انار کی سرخ اور نازک کلی ہو یا ———— یا
اور تاریکیوں کے ہجوم میں کھڑا کوئی حسین اور روشن فانوس۔

تیمور اپنی جگہ سے اٹھا۔ اٹیچی دوسری کرسی پر رکھ کر اس نے کھولا
اندر کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے مونا سے کہا۔

یہ وہ کپڑے ہیں جو تم نے مجھے سلوا کر دیئے تھے۔ میں انہیں ل
ہوں۔ تیمور نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چیک نکالا اور مونا کی ط
ہوئے کہا۔ اور یہ تمہاری اس رقم کا چیک ہے جو میرے اکاؤنٹ
کرائی گئی تھی۔ تیمور نے چیک مونا کو تھمانا چاہا۔ لیکن مونا نے چیک
لیے اپنے ہاتھوں کو حرکت نہ دی اور معمولی کاغذ کا وہ قیمتی ٹکڑا ا
کے پاؤں کے قریب گر گیا۔

مونا کے چہرے پر یاس کی اتھاہ گہرائی تھی اور وہ رحم انگیز انا

تو گھورے جا رہی تھی۔ اس کا صندلی جسم کانپ رہا تھا اس کی سانسوں کی تھکن اور
ون کے سکوت میں عہدِ محبت کا طلسم ترشح تھا اس کے نازک سرخ اور خاموش
پر جاہت خلوص اور ایثار کے نغمے تھے۔ لیکن تیمور ہر چیز کو نظر انداز کر
تھا۔

مونا کی حالت دیکھ کر عرشی رو پڑی۔ اپنی جگہ سے وہ اٹھی۔ آگے بڑھ کر اس نے
بازو پکڑا اور سختی سے جھنجوڑتے ہوئے کہا۔

بھائی جان! آپ سارے ناطے ایک ہی سانس میں توڑ رہے ہیں۔ اس کی
ت نہیں دیکھ رہے آپ پچھلی رات اس نے جس کرب میں کاٹی ہے وہ میں
ہوں۔ تیمور نے بھی دکھ سے کہا

پریت کا ناطہ تو پہلے ہی ایک کچا دھاگا سمجھ کر توڑ دیا گیا ہے۔ اب تو
ہی فاصلے اور بوجھل گھڑیوں کی سسک رہ گئی ہے۔ میرے پاس خوشی
کلیاں تھیں جو چھین لی گئیں۔ اب تو انگارے چننے کا دور ہے۔ اور دل
ینے کے لیے یہ انگارے ہی اب میرا سرمایہ ہیں۔ زندگی کبھی زندگی تھی۔
تو راہ گزر کے بگولوں کے سوا کچھ نہیں۔

مونا کے چہرے پر بیٹھا۔ گرد آلود سے جذبے آمد و رفت کر گئے تھے
کچھ کہہ نہ سکی خزاں زدہ درخت کی اجڑی ہوئی شاخ کی طرح خاموش کھڑی
عرشی کو تیمور کی باتوں کا سخت قلق ہو رہا تھا۔ برہم مزاج میں اس نے کہا۔
آپ مونا کو سمجھ نہیں سکے بھائی جان!

تیمور نے گردن جھکالی۔ چلو یہ میری خام کاری ہی سہی۔ میں یہی سمجھ کر خا
ہو رہوں گا کہ زندگی میں ایک گیت گایا تھا جو بری طرح ناکام رہا۔ تیمور نے ر
کر ایک اجڑی ہوئی نگاہ مونا پر ڈالی۔ جو کپکپا رہی تھی پھر وہ واپس مڑا اور ک
سے باہر نکل گیا۔

مونا کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ کہنے کے لیے اس کے چہرے پر طوفان امڈ
تھے عرشی نے اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ دباتے ہو
کہا۔

اتنا گہرا اثر نہ لو مونا! غم کے بعد خوشی اور تکلیف کے بعد ہی راحت
ہے دفعتہً مونا غصے میں ہونٹ کاٹنے لگی۔ اس نے اپنی مٹھیاں بڑی سختی
سے بھینچ لیں پھر وہ بارود کی طرح پھٹ پڑی۔

میرا ——— میرا طوائف کی بیٹی ہونا ہی میرے ان سار
دکھوں کی وجہ ہے ——— میں ——— میں آج شاہی مسج
بیسویں سیڑھی پر کھڑی ہو کر گہری اور ابدی نیند سوئے ہوئے مغل شہنشا
کو پکار پکار کر اور چلا چلا کر کہوں گی اگر ——— اگر یہ طوائف
یہ کوٹھے یہ گناہوں کے بازار یہ رنگ رلیوں کے میدان اور عصمتوں کے نیلام گھر تمہا
دور میں قائم کئے گئے تھے تو تم لوگ اپنے دور کے بھیانک ترین مج
ذلیل ترین گنہگار اور روسیاہ عیاش تھے اور ——— اور اگر
نسوانی اڈے تمہارے بعد قائم ہوئے تو کیوں تمہاری روحیں ا

کے خلاف باغیانہ رویہ اختیار نہیں کرتیں میں ایاز انارکلی جہانگیر نورجہاں زیب النسا اور ایبک کے مقبروں پر جا کر پوچھوں گی تم لوگ اب تک خاموشی کے ساتھ بھنورے کلیوں کا یہ تماشا کیوں دیکھتے رہے ہو میں داتا دربار جا کر اور روضے کی جالی پکڑ کر شہر کے اس محافظ سے سوال کروں گی کہ تمہاری نگری اور تمہارے شہر میں یہ ظلم کیوں؟

اگر ——— اگر کسی نے مجھے کوئی جواب نہ دیا تو میں دست یاس اٹھا کر اپنے رب سے شکوہ کروں گی کہ اگر یہ سب سے کچھ تجھ سے مستور نہ تھا۔ تو ——— تو نے یہ چاند تاروں کی محفل یہ زمین و آسمان کیوں پیدا کئے

عرشی نے مونا کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے اپنے ساتھ لپٹا کر تسلی دینے لگی مونا نے عرشی کی چھاتی پر سر رکھ دیا تھا اور بلک بلک کر اس بچے کی طرح رونے لگی جسے اس کی ماں سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا گیا ہو۔

تیمور سر جھکائے ہسپتال میں احسان کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اپنی بیڈ پر آنکھیں بند کئے بے سدھ سے پڑے تھے ان کے چہرے پر ہلکا ہلکا پسینہ تھا جس میں شدید کرب کی کیفیت کا عکس نمایاں تھا۔ بوڑھا گاموں کرسی پر بیٹھا آہستہ آہستہ اور ہلکے ہلکے ان کے پاؤں داب رہا تھا ——— تیمور دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور احسان کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

تایا ابو!

احسان نے آنکھیں کھولیں۔ تیمور ہے؟

ہاں ابو! ــــــــ اب آپ کیسے ہیں؟

بڑی مشکل سے ابھر وا ٹھا کر احسان نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بس موت کا انتظار کر رہا ہوں بیٹے! تیمور نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایسا نہ کہیں ابو! خدا آپ کو صحت دے گا اگر نہیں تو اللہ کرے آپ کی بیماری مجھے لگ جائے اور آپ ٹھیک ہو جائیں ــــــــ احسان تڑپ اٹھے اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔

میرے بیٹے! میں دنیا کا بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ میری رخصتی ہی اب بہتر ہے پر مرنے سے پہلے ایک خواہش ہے اور وہ تمہاری شادی ہے۔ بیٹے! مونا کے علاوہ تمہارے ذہن میں کوئی لڑکی ہے۔

تیمور سسک پڑا۔ نہیں تایا ابو! میں ابھی مونا کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں اس نے مجھے جو کپڑے سلوا کر دیئے تھے اور میرے اکاؤنٹ میں جو رقم جمع کرائی تھی میں لوٹا آیا ہوں آپ کی خوشی کی خاطر میں اس سے سارے ناطے توڑ آیا ہوں۔

احسان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ بیٹے! میں جانتا ہوں ہر شخص کی زندگی کی ایک الگ گرامر اور علیحدہ گراف ہوتا ہے۔ ہر کوئی اپنے اپنے خیالات اور وقت کی چال کا گھماؤ ہر ایک کے لیے جدا ہوتا ہے۔ پر کچھ فیصلے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اوروں کی مجبوریوں اور تلخ تجربوں کے باعث بدلنے پڑتے ہیں۔ انسانی زندگی کے سفر میں کچھ راستے

ایسے بھی آتے ہیں جو شہر کے نقشے میں تو ضرور ہوتے ہیں پر دل کے نقشے سے انہیں مٹانا پڑتا ہے۔

تیمور نے خیالات کی کمان سے اپنے مقصد کا آخری تیر چلایا

تایا ابو! آپ کی بیٹی تھی نا ــ اس کا نام کیا تھا

احسان نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول کر تیمور کی طرف دیکھا۔ اس کا نام صدف تھا

اگر وہ کسی سے محبت کرتی ہو۔ اور اس سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ تو لڑکے کے باپ کو جب یہ خبر ہو کہ وہ ایک طوائف کی بیٹی ہے تو اس کے متعلق آپ کے خیالات کیا ہوں گے؟

احسان نے اسے شکوہ سے پر اور گہری آنکھوں سے دیکھا

اس طوائف سے میں نکاح کرنے کے بعد اسے ایک شریف اور گھریلو عورت بنا کر لے گیا تھا اس لحاظ سے صدف ایک شریف باپ کا خون ہے اور کوئی اسے طوائف نہیں کہہ سکتا۔

تیمور نے مونا کی بھرپور وکالت کی

اگر مونا بھی اسی طرح کسی شریف باپ کا خون ہو تو پھر؟

احسان نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ اگر تم یہ ثابت کر دو کہ مونا میری صدف کی طرح ایک شریف باپ کا خون ہے۔ اور اس کے باپ نے اس کی ماں سے باقاعدہ نکاح کیا تھا تو میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں میں تمہیں مونا سے بیاہ دوں گا۔ لیکن ساتھ ہی میری ایک شرط بھی ہے۔

وہ کیا تایا ابو!

اس کے لیے میں تمہیں صرف دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔ پھر ہو سکتا ہے میری روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹ جائے جب کہ میں اپنی زندگی میں ہی تمہارے مستقبل کو سنوارنا چاہتا ہوں۔

تیمور نے پرسکون اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ تایا ابو! میرے وجدان اور ارادوں کو زوال نہیں میں ان دو دنوں میں اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ کروں گا۔

اگر میں ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا تو یہ میری خوش قسمتی ہو گی اور ——— اور اگر میں بازی ہار گیا تو آپ کے ہر فیصلے کے آگے اپنی گردن خم کر دوں گا۔

احسان نے بڑی تکلیف سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ تم پھر جاؤ میں بڑی بیتابی سے تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا۔

تیمور اٹھ کر باہر نکلا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور سیاہ گھٹائیں اٹھ رہی تھیں۔ تیمور کے جسم میں ایک نئی قوت اور جوان امنگ پیدا ہو گئی تھی۔ ہسپتال سے نکل کر اس نے رکشہ کیا اور راوی پارک آیا۔ آہستہ آہستہ اور ہچکچاتا ہوا وہ مونا کی ماں شاہینہ کی کوٹھی میں داخل ہوا۔ گھر کی بوڑھی ملازمہ نے اسے دیکھتے ہی بڑی خوش طبعی سے اس کی پذیرائی کی۔

بڑے عرصے بعد لوٹے ہیں ماسٹر صاحب! ہم تو آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مر گئے ہیں

تیمور نے مصنوعی تعجب کا اظہار کیا۔ کیوں

مونا گھر سے بھاگ گئی ہے ہم آپ سے اس کے متعلق پوچھنا چاہتے ہیں ——— تیمور نے اس کی بات کاٹ دی۔

میں جانتا ہوں مونا کہاں ہے

بڑھیا کے چہرے پر خوشی کی لہریں بکھر گئیں۔ کہاں ہے وہ؟

پہلے مجھے اس کی امی کے پاس لے چلو

وہ گھر پر نہیں

کب مل سکتی ہیں؟

کل صبح

تو پھر میں کل صبح آؤں گا۔ انہیں کہنا کہیں باہر نہ جائیں۔ میں انہیں مونا کے پاس لے کر چلوں گا۔ تیمور واپس مڑ گیا۔ بڑھیا نے اسے پکارا۔ بیٹھیے نا۔

نہیں۔ کل صبح ہی آؤں گا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تیمور باہر نکل گیا۔

شام ہونے والی تھی۔ تیمور اپنے کمرے میں اداس اور الجھا ہوا بیٹھا تھا۔ باہر دم جھم پھوار برس رہی تھی۔ گھنگھور اور کالی گھٹائیں بری طرح چنگھاڑ رہی تھیں۔ برق کے بے چین شرارے آسمان پر دور دور تک روشن لکیریں بنا رہے تھے۔ جیسے اپنی تو نبار منزلوں کی طرف روانگی کے سگنل دے رہے ہوں یا اپنے کسی راز کی تشہیر پر خفا ہو رہے ہوں۔

تیمور نے ایک دم چونک کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا اور مونا اندر داخل ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں وہی اٹیچی تھا جو کپڑوں سمیت تیمور اسے لوٹا کر آیا تھا وہ بڑی تھکی تھکی چال چل رہی تھی اور اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ تیمور کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اسے شوخ جتونوں سے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں حسرتوں کی تیز لو تھی۔ تیمور خاموش رہا اور اس سے کوئی بات نہ کی۔ مونا نے خود ہی بولنے میں پہل کی۔ اس کی آواز کچھ اس طرح سنائی دی تھی جیسے کسی کی بنیا کے تار ٹوٹ گئے ہوں۔

یہ آپ کا اٹیچی اور اس میں آپ کے کپڑے ہیں

تیمور نے بے رخی سے کہا۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

مونا بچاری بجھ گئی۔ مجھے بھی ان کی ضرورت نہیں۔ میں اب آپ کی اس یرونی دنیا سے جا رہی ہوں۔ تیمور نے فکرمند ہو کر پوچھا۔

کہاں جا رہی ہو مونا

مونا نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ میں ایک طوائف کی بیٹی ہوں۔ اور طوائف ، بیٹی طوائف ہی بن سکتی ہے شریفوں کی یہ دنیا مجھے راس نہیں آئی۔ میں اپنی ی دنیا کو واپس لوٹ رہی ہوں جسے لوگ گناہ کا بازار کہتے ہیں اور اپنی ماں کی طرح ہاں اپنے جسم اور عصمت کا سودا کروں گی ایک طوائف تیمور صے میں مل کھاتا ہوا اٹھا۔ مونا کو بات پوری نہ کرنے دی اور لگاتار دو سخت ا پنچے اس کے منہ پر مارتے ہوئے وہ غرایا۔

میں تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہا ہوں ، تم طوائف بننے کی تیاری کر رہی ہو۔ کیا تم اپنے جسم کو ایک سکہ بنا کر اسے لہ جگہ بنوانا چاہتی ہوں مونا زور سے زور سے ہچکیاں لے کر رونے لگی تھی ی لمحہ بیرونی دروازے سے عرشی بھاگتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔

تیمور نے مونا کو اسی طرح دھکا دیا جس طرح مونا نے اسے اپنے رے سے دھکے دے کر نکالا تھا۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ مونا لڑکھڑاتی ہوئی حن میں آئی۔ وہاں سے اس کا پاؤں پھسلا اور دور تک لڑھکتی چلی گئی۔ دھم ے پیٹھ کے بل وہ زمین پر گری اور اس کے بھیگے ہوئے کپڑے کیچڑ میں لت پت

ہو گئے۔

عرشی نے آگے بڑھ کر مونا کو اٹھایا اور تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے غصے میں کہا۔ بھائی جان افسوس ہے آپ پر یہ تو آپ کو راضی کرنے اور منانے آئی تھی الٹا آپ نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ تیمور نے برہم ہو کر کہا۔ سنا تم نے کیا کہ رہی تھی۔ کہتی ہے میں طوائف بننے اس بازار جا رہی ہوں۔

بھائی جان! آپ نے اس سے بات نہ کی ہوگی۔ اور اس نے راضی ہونے کی خاطر دھمکی کے طور پر یہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے۔ ورنہ مونا مر سکتی ہے۔ اس بازار نہیں جا سکتی۔ تیمور نے غصے میں مونا کا اٹیچی اٹھا کر بھی باہر پھینک دیا۔

اسے کہو اپنا یہ اٹیچی بھی لے جائے اور دفع ہو جائے یہاں سے میں اب اس سے بات نہ کروں گا۔ عرشی نے اٹیچی اٹھا لیا اور مونا کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔ تیمور وہیں کھڑا رہا۔ باہر رکشہ سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی پھر آواز دور ہوتی چلی گئی۔ شاید انھوں نے رکشے والے کو باہر روک رکھا تھا۔

تیمور پھر کمرے میں آکر بیٹھ گیا۔ سرمئی فضائیں اب تاریکی سے لپٹ گئی تھیں۔ ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ باہر فضاؤں میں کیا گہرا اور مہیب سناٹا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی بارش میں بھیگی رات جیسے خیالات اسے سونے نہ دے رہے تھے۔ وہ اپنے اور مونا کے متعلق گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ اپنے تصور میں اس نے مونا کو دیکھا اسے یوں لگا جیسے وہ افق پر کھڑی آوازیں دے دے کر تیمور کو اپنی طرف بلا رہی ہو اور اس کی جنونی ہوا اور بالوں کے

لہرا رہی ہو۔

یمور نے ایسے خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا نے والے کل کا انتظار تھا جو عروس فردا بھی ہو سکتا تھا اور ویران وگمنام اس کے چہرے پر تفکرات کا پرتو تھا۔ زندگی کیسی بوجھل ہو گئی تھی بچارے کی ام کرنے کے بجائے ساری رات جاگ کر وہ صبح کے قدموں کی آہٹ کا انتظار ا۔

دوسرے روز جمعہ تھا۔ سویرے ہی سویرے وہ نادی پارک آیا اور شاہینہ کی یں داخل ہوا۔ گھر کی بوڑھی ملازمہ شاید اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی طرف ہوئی وہ بڑی بیتابی سے بولی۔

یہاں تو رات بھر سے تمہارا انتظار ہو رہا ہے

مونا کی امی کہاں ہیں

اپنے کمرے میں آپ ہی کا انتظار کر رہی ہیں

انہیں پھر میرے آنے کی اطلاع کر دو

اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ میرے ساتھ آیئے۔ بڑھیا اسے لیکر کے کمرے میں آئی۔ وہ میز پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس بڑی شفقت سے کہا۔

آؤ بیٹے! تم تو اس گھر کے لیے اجنبی ہی ہو گئے۔ تیمور اس کے سامنے بیا۔ شاہینہ نے اسے بھی چائے کا ایک کپ بنا کر دیا اور وہ پینے لگا۔ بغیر

کسی انتظار کے شاہینہ اپنے موضوع کی طرف آئی۔
سُنا ہے آپ کو میری مونا کی کچھ خبر ہے؟

ہاں میں جانتا ہوں

کہاں ہے وہ؟

یہیں اسی شہر میں

کیا وہ گھر سے بھاگ کر آپ کے پاس گئی تھی؟

نہیں ہ تیمور شاہینہ کو چکر دے رہا تھا

پھر آپ نے اسے کہاں دیکھا

کچھ روز قبل میری اس سے ملاقات ہسپتال میں ہوئی تھی۔ اس کی کو
ہے اور ہسپتال میں داخل ہے۔ وہ روزانہ اس کے پاس آتی ہے۔ ہب
پچا بھی داخل ہیں میں بھی انہیں ملنے جاتا ہوں۔ یوں ہم دونوں کی ملاقا
ہوئی تھی۔

شاہینہ نے بڑی بیتابی سے پوچھا
کیا آپ کو یہ بھی خبر ہے۔ وہ رہتی کہاں ہے

ہاں میں جانتا ہوں
شاہینہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ پھر مجھے اس کے پاس لے کر چلو
اپنی بیٹی کو گھر لانا چاہتی ہوں۔ میں اس سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگ
تم وہاں نہیں جاسکتی ہو

کیوں؟
وہاں مونا تمھیں ملنے سے انکار کر دے گی
پھر کس طرح میں اسے مل سکوں گی
میں اسے ہسپتال اس کی سہیلی کے پاس لے آؤں گا پھر یہاں آ کر آپ کو لے
ں گا اس طرح آپ مونا سے ہسپتال میں مل سکتی ہیں
مجھے منظور ہے
تیمور اب براہِ راست اپنے مقصد کی طرف آیا۔ میری دو شرطیں بھی ہیں۔
کیا ہیں تمھاری شرطیں؟
پہلی شرط تو یہ ہے کہ مونا کو طوائف بنایا جائے گا یہ نہ سمجھیں مجھے کچھ علم نہیں
کے متعلق مجھے وہ سب کچھ بتا چکی ہے
میں وعدہ کرتی ہوں اسے طوائف نہیں بنایا جائے گا۔ اور تمھاری دوسری شرط؟
دوسری شرط یہ ہے کہ مونا کے ابا کا نام کیا ہے؟
ان کا نام احسان ہے
وہ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں؟ سوچ کر جواب دیجئے گا۔ اگر آپ نے جھوٹ
رمیں آپ کو مونا سے نہ ملا سکوں گا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مجھے ہر بات کا
ہے صرف آپ سے تصدیق کرانا چاہتا ہوں۔
تھوک نگلتے ہوئے شاہینہ نے جواب دیا۔ وہ زندہ ہیں
کیا آپ نے ان سے باقاعدہ نکاح کیا تھا

ہاں۔ میں نے ان سے باقاعدہ نکاح کیا تھا

وہ کہاں رہتے ہیں

سرگودھا

تیمور کے ذہن میں خوشیوں کی برسات شروع ہو گئی تھی۔ اور چہرے پر ا
کی گہری جھلک چھا گئی تھی اپنی خوشی ضبط کرتے ہوئے اس نے پھر پوچھا۔

سرگودھا میں کس جگہ رہتے ہیں

سرگودھا سے آگے ایک قصبہ فاروکہ ہے۔ وہاں سے چند میل کے فا
پر ان کا گاؤں ہے جس کا نام نورنگر ہے۔

آپ دونوں کے اصل نام کیا ہیں

میرا نام کشور اور مونا کا اصل نام صدف ہے

آپ نے نام کیوں بدلے

یہ سب کچھ مونا کے ابو سے چھپنے کی خاطر کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ آج تک ت
ڈھونڈتے پھر رہے ہیں تیمور نے زہریلے انداز میں کہا۔

آپ اپنے شوہر کا گھر لوٹ کر کیوں بھاگ آئیں۔ مونا کی زندگی بھی تباہ ک
آپ کو اپنے شوہر کا گھر آباد کرنا چاہئے تھا۔

شاہینہ نے تعجب سے پوچھا۔ ان سب باتوں کا تمھیں کیسے علم ہوا

تیمور کھڑا ہو گیا۔ پتہ چل گیا کسی طور

مجھے پھر مونا سے کب ملاؤ گے

میں دوپہر کے قریب آؤں گا اور آپ کو مونا کے پاس ہسپتال۔
چلوں گا آپ گھر پر ہی میرا انتظار کریں۔ تیمور واپس مڑا اور باہر نکل گیا۔

تیمور مسکراتا ہوا ہوسٹل میں داخل ہوا۔ باہر برآمدے میں عرشی بیٹھی سیٹر پر
ئے بنا رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے ہی اس نے دعائیہ لہجے میں کہا۔

اللہ کرے بھائی جان! آپ کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہوں۔ آپ کا چہرہ
بتا رہا ہے۔ کہ کوئی خاص بات ہے۔

مونا کہاں ہے؟

وہ اندر ہے۔ اس سے بات کرنے سے قبل آپ پہلے مجھے بتائیں کہ کیا
خبر لائے ہیں

تیمور ہنس دیا

تو تم ہماری محبت پر سنسر شپ بٹھانا چاہتی ہو

ایسا ہی سمجھ لیں۔ میں کوئی بری خبر مونا کے پاس نہیں جانے دینا چاہتی۔ وہ
ا ویسے ہی کل سے بخار میں بھن رہی ہے۔ بھائی جان! آپ کو اسے مارنا
ں چاہئے تھا۔ بچاری یہاں آکر بہت روئی۔ ساری رات سوتے میں بھی
کا نام لے کر پکارتی رہی۔

اگر وہ مجھے پکار رہی ہے تو اس کی دعائیں قبول ہوئیں اور میں آ
ہوں اور اس کے لیے ایک خوش خبری بھی لایا ہوں۔

عرشی راستہ روک کر کھڑی ہو گئی

پہلے مجھے بتائیں پھر اندر جانے دوں گی

اچھا پھر کان ادھر کرو۔

عرشی نے کان آگے کیا اور تیمور نے سرگوشی کی

مونا میرے تایا ابو کی بیٹی ہے۔ اس کی امی نے ہی تایا ابو سے شادی کی
ان کا گھر لوٹ کر یہاں بھاگ آئی تھی۔ میں اس کی امی سے پوری تحقیق کر
آیا ہوں۔ پہلے مونا کو ہسپتال تایا ابو کے پاس لے جاؤں گا پھر اس کی ا
پکڑ کر وہاں لاؤں گا اور سب کے سامنے اس راز سے پردہ اٹھاؤ

کیا یہ سچ ہے بھائی جان۔ عرشی کی آواز میں بے پناہ خوشی پنہاں تھی

تو اور کیا میں جھوٹ بولتا ہوں

عرشی پیچھے ہٹ کر تالی بجانے لگی۔ ویری گڈ بھائی جان! آپ بہ
اچھے ہیں

اب میں اندر جا سکتا ہوں

ہاں جائیے اور مونا کو ذرا پیار سے سنائیے۔ میں آپ دونوں کے
چائے لاتی ہوں۔

تیمور کمرے میں داخل ہوا۔ مونا بستر پر یوں لیٹی ہوئی تھی جیسے گرند

ں ہو۔ تیمور کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اور اس کا بازو پکڑ کر دیکھا
بخار تھا۔ تیمور پریشان ہو گیا۔ مونا نے اپنی بھاری پلکوں کی بھاری جھالر اٹھا
ں سے تیمور کی طرف دیکھا اور رو پڑی

ہے؟

ر نے مونا کے سبک ہاتھوں کی نازک کلائیاں اپنے دونوں ہاتھوں
دیے کہا میں تمہارے لیے ایک خوش خبری لایا ہوں۔
نے بے بسی سے کہا۔ مجھ بد قسمت کے لیے بھی کوئی خوش خبری ہو سکتی ہے
اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ پھر بتاتا ہوں۔ مونا نے دونوں ہاتھ اوپر
ور نے انہیں تھاما۔ پھر ہوا میں لہرایا اور پوری قوت کے ساتھ اپنے
کے دونوں جانب مونا کے ہاتھوں سے طمانچے دے مارے۔ مونا
کر اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے اس نے بڑی بے چینی

چا۔

یا؟

ر نے سنجیدگی سے کہا۔ یہ ان طمانچوں کی سزا ہے جو کل میں نے تمھیں
تھے۔ مونا نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آپ کا ہاتھ مجھ پر اٹھ سکتا ہے
لے میں نے غصے کی حالت میں آپ کو یہاں سے نکالا تھا۔ جس کے
اب تک پچھتا رہی ہوں۔ میرا ہاتھ آپ پر نہیں اٹھ سکتا۔ مونا بڑے
تیمور کا منہ سہلانے لگی جہاں اس کی انگلیوں کے نشان بن گئے تھے

پھر تیمور کے گریبان کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے مکر سے کہا۔

آپ کے بٹن بھی ٹوٹے ہوئے ہیں جان!

میں تو خود ہی ٹوٹ گیا تھا۔ روح ہی الجھ کر رہ گئی تھی۔ اب کہیں اپنے م
میں کامیاب ہوا ہوں۔ تیمور نے مونا کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور
کے بغیر اس کی گلابی گلابی ہتھیلیاں چوم لیں۔ مونا کا صندلی اور جوان گلابی جسم تھ
اٹھا تھا۔ تیمور اس کے ہاتھوں کی لمبی لمبی اور مخروطی انگلیاں سہلانے لگا جو
ناخن لمبے اور پکھراج کی طرح چمکدار تھے۔ یوں لگا جیسے وہ مونا کے ہاتھو
حرارت اور سانسوں کی مہک میں کھو گیا ہو۔ پھر اس نے اپنا سر اوپر اٹھا کر
سے کہا۔

تمہارے لیے خوش خبری ہے

کیا؟

تم تایا ابو کی بیٹی ہو۔ تمہارا اصل نام صدف ہے

مونا کا جی ناچ اٹھا۔ اس کے کانوں میں شہنائیوں کی لہریں گونجنے لگیں ا
چہرے پر جیسے نغمات کی برسات شروع ہو گئی ہو۔ پھر اس کی آبی پرندوں کی ج
اور لہروں کی جلترنگ جیسی آواز سنائی دی

سچ جان

ہاں مونا! تمہاری امی سے ہی تایا ابو نے شادی کی تھی اور وہ ان کا گھر
کر بھاگ آئی تھی میں ابھی ابھی ساری باتوں کی تحقیق تمہاری امی سے کر کے آر

کیونکہ تایا ابو نے مجھے کہا تھا کہ اگر تم یہ ثابت کر دو کہ مونا کسی شریف باپ کا خون ہے تو میں تمہیں مونا سے بیاہ دوں گا۔ اب میں نے صرف یہ ہی ثابت نہیں کیا کہ مونا ایک شریف انسان کی بیٹی ہے بلکہ یہ نیا انکشاف اٹھایا ہے کہ مونا تایا ابو کی بیٹی اور میری کزن ہے۔ مونا اب میری اور تمہاری شادی کو کوئی نہیں روک سکتا۔

مونا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی جس میں بے رتی اور جان نثاری تھی گہری مسکراہٹ؟ شمپین کے گلابی گلابی بلبلوں جیسی رنگین مسکراہٹ مونا نے تھوڑی دیر تیمور کی طرف اس انداز میں دیکھا جیسے اپنے وجود کا پورا شہد نکال کر وہ تیمور پر نچھاور کر دینا چاہتی ہو۔ پھر اس نے حرکت کی۔ آگے کھسکی۔ اپنے دونوں بازوں پھیلائے اور پوری قوت کے ساتھ وہ تیمور سے لپٹ گئی۔

آپ میری جان ہیں تیمور! آپ نے مجھے موت سے بچا لیا ہے اس نے اپنا سر تیمور کی کشادہ چھاتی پر رکھ دیا تھا۔ تیمور نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

اب اٹھ کر تیار ہو جاؤ۔ پہلے میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گا۔ پھر تمہیں تایا ابو کے پاس چھوڑ کر تمہاری امی کو وہاں لاؤں گا اور اس کی موجودگی میں تایا ابو پر یہ ثابت کروں گا کہ تم ہی ان کی بیٹی ہو۔

مونا نے روٹھنے کے سے انداز میں کہا

میں ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤں گی جان!

کیوں نہیں جاؤ . گی۔ دیکھو کس قدر تیز بخار ہے تمہیں

مونا نے تیمور کی گردن چوم لی

بس اب آپ مجھے مل گئے ہیں۔ تو اس بخار کا علاج بھی ہو گیا ہے۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں اداس ہوں۔ تم پہلے ڈاکٹر کے پاس چلو ——— مونا نے اپنی گلابی اور مخروطی انگلی تیمور کے منہ پر رکھتے ہوئے کہا۔

آپ میری جان نہیں ؟ میں نے آپ سے کہا تو ہے اب میں بالکل ٹھیک ہوں

تو پھر اٹھ کر تیاری کر لوں تایا ابو کے پاس تو چلیں نا

ہاں۔ اپنے ابو کے پاس تو میں ضرور جاؤں گی۔ مونا نے تیمور کے گلے سے اپنی باہیں نکالیں علیحدہ ہوئی اور بستر سے اٹھ کر وہ غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

تیمور نے بیتاب ہو کر کہا۔

نہا نہ لینا جان !

مونا نے غسل خانے کا دروازہ بند کیا اور تھوڑی سی جھری رکھ کر اس میں سے دیکھتے ہوئے اس نے تیمور سے شرارت آمیز لہجے میں کہا

میں صرف ہاتھ منہ دھوؤں گی جان !

مونا نے ہاتھ منہ دھو کر لباس بدلا۔ عرشی نے چائے میز پر لا کر رکھ دی تھی تینوں نے مل کر پی۔ پھر مونا کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

تیمور ! عرشی کو بھی تو سارے حالات بتا دیں نا

عرشی مسکرا رہی تھی۔ میں سب کچھ سن چکی ہوں

مونا نے اس کا کان پکڑ کر کھینچا۔ بڑی جاسوس نکلی ہوں۔ تمہیں شرلاک ہوم ہیری میسن یا اپنے عمران کا سیکریٹری ہونا چاہیے تھا۔ تینوں قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔ مونا نے پیار سے تیمور کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں ہوسٹل سے باہر نکل گئے

دونوں پہلو بہ پہلو سڑک کنارے چل رہے تھے۔ اور اپنے پاس سے گزرنے والے رکشوں پر بھی گہری نگاہ رکھے ہوئے تھے تاکہ کسی خالی رکشے کو روک سکیں۔ وہ ابھی تھوڑا سا دور ہی گئے ہوں گے کہ پیچھے سے ایک رکشہ بڑی تیزی کے ساتھ ان کے پاس سے گزرا۔ اس کا پہیہ سڑک پر جگہ جگہ بھینسوں کے بکھرے ہوئے گوبر کے اوپر سے گزرا۔ پتلے پتلے گوبر کے چھینٹے اٹھے اور مونا کی شلوار کو داغ دار بنا گئے۔ تیمور بچ گیا تھا۔ مونا نے رونے کے انداز میں کہا یہ کیا بکواس ہے۔ ستیاناس کر دیا ہے میری شلوار کا اب پھر ہوسٹل واپس جا کر شلوار بدلنا پڑے گی۔ تیمور واپس مڑ گیا۔

آؤ پھر جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے۔ مونا اپنی شلوار جھاڑتی ہوئی اس کے ساتھ چل دی یہ بھینسوں والے بھی عجیب ہیں جان ! بھینسوں کے غول کے غول سڑکوں پر اس طرح گھماتے پھرتے ہیں جیسے شہر کی سڑک نہیں کسی نہر کی پٹڑی کا کنارہ استعمال کر رہے ہوں۔

تیمور ہنس دیا

یہ لاہور شہر کی بھینسیں بڑی نازک مزاج ہیں جان ! صبح اور شام دونوں وقت شہر کی سڑکوں یوں گزرتی ہیں جیسے نور افشاں چلی جا رہی ہو۔ اگر پیچھے سے

کوئی ہارن دے۔ تو ہارن کے میوزک پر سر دھننا شروع کر دیں گی اور اگر کوئی زیادہ ہی تنگ کرے۔ تو دم ہلا کر پیشاب کے چھینٹے دور دور تک اڑائیں گی اور یہ اس بات کی تنبیہ ہو گی کہ ہمارے پیچھے پیچھے آہستہ آہستہ آؤ۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے۔

گوبر کی یہ دیو ہاں اگر ٹریفک کے ہجوم میں ایک دوسرے کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو پھر باں باں کر کے نغمہ و نشاط کی محفلیں برپا کر دیتی ہیں۔ اس موقع پر اگر ان کے پیچھے پرائم منسٹر کی گاڑی بھی آجائے تو بھی راستہ نہ دیں گی بلکہ اور زیادہ تیزی کے ساتھ بچاری سڑک پر گوبر کے گرے دائتی چلی جائیں گی۔

مونا ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔ اپنا پیٹ پکڑ کر اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ بڑا زبردست نقشہ کھینچا ہے آپ نے ویسے ان بھینسوں کو شہر سے باہر ہونا چاہیے۔

تیمور نے پھر بھینسوں کی وکالت کی۔ شہر سے باہر کیوں ہونی چاہئیں وہ شہریوں کو خالص دودھ مہیا کرتی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کے مالک پانی کا بھر لو چھیر کر دودھ کو دگنا کر کے ناخالص بنا دیتے ہیں۔ پھر بھی وہ کچھ نہ کچھ تو انسان کو دیتی ہی ہیں نا جب کہ اس دور کا انسان ایک دوسرے کو کچھ دینے کے بجائے ہر ایک سے بیگانہ ہی نہیں بلکہ چھینا جھپٹی کرتا ہے رہ گئی بات ان کے گوبر کی تو یہ مسئلہ بھی اب حل ہو گیا ہے کیونکہ اب تو ان کے

گوبر کی گیس بن رہی ہے۔ شاید اپنی گیس کی خبر بھینسوں کے کانوں میں ابھی تک نہیں پڑی۔ ورنہ وہ اس خوشی میں جشن منا کر شہر کی سڑکوں پر گوبر کا پلستر کر دیں۔ ہنستے ہنستے مونا نے تیمور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بس کریں جان ——— اور تیمور خاموش ہو گیا۔

دونوں ہوسٹل میں آئے۔ عرشی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ لوٹ کیوں آئے ہیں تیمور نے مونا کی شلوار کی طرف اشارہ کیا۔

محترمہ نے اپنی شلوار پر گوبر کاری کرا لی ہے۔ عرشی مونا کے قریب آتی ہوئی بولی جلد جلدی کرو۔ دوسرا ڈریس پہن جاؤ۔ مونا نے جلدی جلدی کپڑے بدلے اور اس بار دونوں ہوسٹل کے سامنے کھڑے ہو کر رکشے کا انتظار کرنے لگے۔

تیمور اور مونا ہسپتال میں داخل ہوئے۔ احسان کے کمرے سے باہر تیمور رک گیا اور مونا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے روکتے ہوئے کہا۔

مونا! تم دروازے کے پاس باہر ہی کھڑی رہو۔ میں تایا ابّو کے ساتھ جا کر بات کرتا ہوں اور جب میں تالی بجاؤں تو تم اندر آجانا۔ آج تایا ابّو کے ساتھ ایک نیا ڈرامہ ہی ہی۔ مونا دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ تیمور اندر داخل ہوا۔ گاموں پانچ سے احسان کو دلیہ کھلا رہا تھا۔ تیمور کو دیکھتے ہی احسان نے دلیے کی پلیٹ ہاتھ سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

بس کرو گاموں! پھر تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے پیار سے کہا۔ آؤ بیٹے گاموں وہاں سے اٹھ گیا اور اس جگہ تیمور بیٹھ گیا۔ احسان نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

تمھارا چہرہ کہتا ہے تم کچھ کر کے آ رہے ہو

تیمور نے بڑے اطمینان سے کہا۔ میں بہت کچھ کر کے آیا ہوں تایا ابّو! اور آپ کے لیے ایک خوش خبری اور دھماکہ خیز خبر لایا ہوں۔

کیسی خبر بیٹے! احسان کی آواز میں ایک اجنبی سا استفہام تھا

میں نے آپ کی صدف کو تلاش کر لیا ہے ابّو۔

احسان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کیا ــــــــــــ کیا احسان کہیں کھو سے گئے تھے کہ تیمور نے پھر انہیں چونکا دیا

تایا ابّو! اگر میں آپ سے صدف کو اپنے لیے مانگوں تو آپ کا کیا جواب ہوگا احسان نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ صدف تو بچپن میں ہی تم سے منسوب تھی بیٹے! اسے تم سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ میں اس کا باپ بھی ایسا نہیں کر سکتا لیکن ــــــــــــ لیکن تمھاری مونا کا کیا ہوا؟

مونا ہی آپ کی صدف ہے تایا ابّو!

احسان تیمور کو شبہے کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ یہ کیسے ممکن ہے بیٹے!

میں اس کی امّی سے مل کر اور ساری چھان بین کر کے آیا ہوں ابّو! اس کی امّی نے ان دنوں اپنا نام شاہینہ رکھا ہوا ہے۔ ویسے اس کا اصل نام کشور ہے۔ ہے نا ابّو یہی نام؟ احسان عجیب شش و پنج میں پھنسے ہوئے تھے۔ نام تو یہی ہے بیٹا۔ اگر کہیں تو اس کا حلیہ بھی کہوں؟

کہو

لمبا قد اور بھاری نہ پتلا جسم ہے

ہاں!

ناک کا اگلا حصہ ۔۔۔ خوبصورت انداز میں ذرا اوپر اٹھا ہوا ہے

بالکل ٹھیک

آنکھیں بڑی بڑی اور گہری ہیں

اور ؟

اور ـــــــــ اور ـــــــــ ہاں بائیں گال کے جبڑے کے کنارے ننھا سا ایک سیاہ تل ہے۔ کیا میں نے درست کہا ہے ابّو!

احسان مسکرا دیئے تھے۔ سو فیصد درست کہا ہے۔ اب یقین کرتے ہیں کہ مونا ہی آپ کی صدف ہے۔

یقین تو اب کرنا ہی ہوگا بیٹے لیکن مونا اس وقت ہے کہاں ؟ اور پھر وہ مجھ سے نفرت نہ کرنے لگی ہوگی۔ آپ سے وہ کیوں نفرت کرے گی ابّو! کوئی اچھی اور سعادت مند بیٹی بھلا اپنے باپ سے بھی نفرت کر سکتی ہے۔

میں نے اسے جھڑکا تھا اس کا دل جو دکھایا تھا بیٹے!

پھر کیا ہوا۔ والدین اولاد سے اس سے بھی برا سلوک کر لیتے ہیں۔ تب بھی اولاد اولاد ہی رہتی ہے اور ماں باپ کی عزت اور تکریم اپنی جگہ قائم اور اٹل۔

احسان نے ایک آہ بھر کر کہا۔ تم مونا کو ساتھ ہی لے آئے ہوتے بیٹے!

آپ اس سے ملنا چاہتے ہوں گے ؟

کون بدقسمت باپ برسوں سے بچھڑی ہوئی اپنی بیٹی کو گلے لگانا پسند نہ کرے گا۔ احسان کی باتیں سن کر دروازے کے پاس کھڑی مونا رو رہی تھی۔

ن پھر بولے۔ جاؤ بیٹے مونا کو جا کر لے آؤ۔

ابو! مونا تو میرے دل میں ہے۔ میں اگر تالی بجاؤں تو وہ بغداد کی نیلوی پری کی طرح آپ کے سامنے کھڑی ہو جائے۔

اتنا اعتماد ہے اپنے آپ پر ؟

ہاں تایا ابو!

تو پھر بجاؤ تالی۔ میں بھی تو دیکھوں تمہاری تالی کا طلسم

تیمور نے تالی بجائی اور اس کے ساتھ ہی مونا اپنے آنسو پونچھتی اور بھاگتی کمرے میں داخل ہوئی اور زور سے وہ ابو پکارتی ہوئی احسان سے لپٹ

دونوں باپ بیٹی ایک دوسرے سے لپٹے رہے۔ مونا احسان کی چھاتی ر رکھ کر سسکیوں میں رو رہی تھی اور احسان اس کا سر چوم چوم کر اسے دے رہے تھے۔ وہ دونوں باپ بیٹی شاید اسی طرح لپٹے رہتے۔ پر حرکت میں آیا۔ اور مونا کا شانہ پکڑ کر اسے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

مونا یہ تو خوشی کا موقع ہے اور تم روئے جا رہی ہو۔ مونا علیحدہ ہو گئی اور نے آنسو پونچھنے لگی۔ احسان کو جانے کیا سوجھی مونا کے سامنے اپنے دونوں جوڑتے ہوئے کہا۔

بیٹی! مجھے معاف کر دو۔ میں نے تم سے غلط برتاؤ کیا اور تمہارا دل ا۔ مونا نے احسان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر علیحدہ کیے اور ان کی باہیں اپنے

گلے میں ڈالتے ہوئے پیار سے کہا۔

ابو! کبھی باپ بھی بیٹی سے معافی مانگتے ہیں۔

احسان کچھ کہنے والے تھے کہ تیمور نے مونا کا کان پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا میں نے تمہیں تمہارے ابو سے ملایا ہے اس خوشی میں کہو کیا کھلاتی ہو۔ مونا مسکراتے ہوئے کہا جو آپ کا جی چاہے گا کھلا دوں گی۔

تیمور کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ تایا ابو! آپ دونوں باپ بیٹی بیٹھ کر باتیں کر آنٹی کو لے کر یہاں آتا ہوں۔ کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کر رکھا ہے کہ آج اِسے مونا سے ملاؤں گا۔ احسان کچھ کہنے لگا پر تیمور اس سے پہلے ہی سے نکل گیا۔

تیمور جب راوی پارک آیا تو شاہینہ دھوپ میں بیٹھی شاید اسی کا انتظار رہی تھی۔ تیمور کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی۔ بہت دیر کر دی تم نے بیٹے صبح سے یہاں بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ ٹھہرو میں گاڑی نکالتی ہوں چلیں۔ مونا کو یہاں لا کر پھر بیٹھیں گے۔

شاہینہ نے گیراج سے گاڑی نکالی۔ تیمور فرنٹ سیٹ پر اس کے بیٹھ گیا اور گاڑی راوی پارک سے نکل کر سرکلر روڈ پر دوڑنے لگی۔ ہم میں گاڑی روک کر وہ نیچے اترے اور شاہینہ تیمور کی راہنمائی میں چلنے لگی۔

احسان کے کمرے میں آ کر تیمور نے شاہینہ کو روکتے ہوئے کہا۔ آپ یہیں رکیں میں اندر جا کر ایک ڈرامائی ماحول پیدا کر لوں۔ پھر آپ کو اند

ا۔ شاہینہ وہاں رک گئی۔ تیمور کمرے میں گیا اور احسان کے کان میں سرگوشی کی۔

ابو! میں آنٹی کو لایا ہوں۔ آپ اپنے منہ پر رضائی لے لیں۔ اسی لمحہ کمرے میں تیمور کی آواز بلند ہوئی۔

آنٹی! آجاؤ اندر!

شاہینہ اندر گئی۔ اور سامنے بیٹھی ہوئی مونا کو اپنے ساتھ لپٹا لینا چاہا۔ پر مونا نے ہاتھ بڑا کر بڑی بے رحمی سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اسے پیچھے ہٹا دیا یمور نے دروازے کی کنڈی لگا دی تھی۔

مونا نے احسان کے منہ سے رضائی ہٹائی اور نفرت سے شاہینہ کی طرف گھورتے ہوئے زہریلے لہجے میں اس نے کہا۔ ادھر دیکھو یہ کون ہیں۔ شاید یہ چہرہ تمہارا لیے شناسا ہو۔ شاہینہ نے جونہی احسان کو دیکھا وہ پیلی ہو گئی اور بدک کر فوراً کھڑی ہو گئی۔ مونا بھی اٹھی اور اس کے شانوں پر بوجھ ڈال کر اسے دوبارہ بٹھاتے ہوئے کہا۔

حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے اس قدر بوکھلا کیوں رہی ہو۔ کیا یہی ہے میرے ابو جن کی نگاہوں سے تم نے مجھے اتنا عرصہ اوجھل رکھا۔ تاکہ —— تا کہ تم ایک شریف باپ کی بیٹی کو اپنی مرضی کے مطابق طوائف بنا سکو۔ مونا اس پر بری طرح برس پڑی۔ جواب دو۔ تم نے کیوں میرے ابو سے دھوکہ کیا۔ کیوں ہمارے گھر کو لوٹا اور کس بنا پر تم نے میرے باپ کو دل کا مریض بنا دیا۔ جواب دو ورنہ ابو کے سامنے تمہارا چہرہ نوچ لوں گی۔

تیمور شاہینہ اور مونا کے درمیان کھڑا ہو گیا اس خیال سے کہ کہیں مونا غصے میں شاہینہ پر ہاتھ نہ اٹھا بیٹھے ساتھ ہی اس نے سوال کیا۔

تایا ابو! کیا یہی ہماری آنٹی ہیں

احسان نے غصے میں تھوک نگلتے ہوئے کہا

ہاں یہی ہے وہ زہریلی عورت جس نے میرے گھر کو لوٹا۔ اور میری بیٹی کا دا دکھایا۔ اس سے اپنی بیٹی حاصل کرنے کی خاطر میں اسے تلاش کرتے کرتے بوڑھا ہو گیا اور اب دل کا مریض بن کر اپنی زندگی کی ٹوٹتی ہوئی سانسیں گن رہا ہوں۔

شاہینہ نے پہلی بار زبان کھولی اور مونا کی طرف دیکھتے ہوئے سختی سے کہا

میرے ساتھ چلو مونا!

مونا نے طنزیہ کہا ساتھ چلوں؟۔ تاکہ تم ناگن بن کر مجھے ڈس لو

میں تمہاری ماں ہوں

میں اتنی بھولی نہیں۔ ماں اور طوائف میں تفریق کر سکتی ہوں۔ میرے ابو مجھے مل گئے ہیں میں اب تمھیں دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔ میں تیمور کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے میرے ابو سے ملایا۔ اور سنو تیمور کوئی غیر نہیں میرا کزن ہے اور ابو کے چھوٹے بھائی کا لڑکا ہے۔ وہی جو بچپن سے ہی میرا منگیتر ہے۔ تم اب چلی جاؤ۔ زیادہ الجھو گی تو جھگڑا ہو گا۔ جب کہ ہم یہاں گھر کے تین افراد ہیں اور تم اکیلی جاؤ اپنی تاریک دنیا کی طرف لوٹ جاؤ۔ ہم باپ بیٹی سے تمہارا کوئی رشتہ کوئی ناطہ نہیں۔

تیمور نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ اور آداب بجا لانے کے انداز میں اپنا جھکاتے ہوئے اس نے شاہینہ سے کہا۔

محترمہ! اب آپ کھڑی ہو جائیے۔ آپ کا انٹرویو ختم ہوا۔ آپ جا سکتی ہیں

ہینہ کھڑی ہو گئی۔ مونا پر ایک اجڑتی ہوئی اور تیمور پر قہر آلود نگاہ ڈالتی ہوئی رے سے باہر نکل گئی۔ احسان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بچوں کی طرح تیمور احسان سے کہا۔

ابو! دیکھا آج میں آپ کو کیسے کیسے ڈرامے دکھا رہا ہوں

احسان ہنس دیئے۔ تم اچھے بیٹے ہو۔ تیمور کو جیسے کوئی بات یاد آ گئی وہ کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

ایک تیسرا ڈرامہ ابھی رہتا ہے ابو جی!

وہ کیا بیٹے!

اب میں اپنے گھر جاؤں گا اور ابو امی کو لے کر آؤں گا تاکہ وہ آپ سے مانگیں۔ احسان چونک پڑے۔ مجھے یاد نہیں رہا بیٹے! کامران نے آج ارے متعلق اخبار میں تمہاری واپسی کا اشتہار دیا ہے۔ تمہاری امی پر فالج ے۔ اور انھوں نے تمہاری واپسی کی پرزور اپیل کی ہے پھر انھوں نے ایک ہیں میز پر اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

گامون! ذرا مجھے آج کا اخبار دینا۔

دینے دیں ابو! انیلا مجھے بلانے آئی تھی۔ مجھے پہلے ہی سے خبر ہے کہ ان پر

کوئی نئی مصیبت ٹوٹی ہے۔ میں ابھی ان کی طرف جاتا ہوں۔ آدھ گھنٹے تک لوٹ آؤں گا اور ابو ——— مونا نے بات کاٹتے ہوئے تیمور سے کہا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔

نہیں تم ابو کے پاس رہو میں اکیلا ہو آتا ہوں

احسان کی طرف دیکھتے مونا نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ ابو انہیں کہیں نا مجھے ساتھ لے کر چلیں انھوں نے وہاں جھگڑا کر بیٹھنا ہے۔ میں ساتھ ہوئی تو بیچ بچاؤ تو کر لوں گی نا۔ احسان نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مونا کو ساتھ لے جاؤ بیٹے! تمھارا کیا جاتا ہے

تیمور نے آگے بڑھ کر مونا کا بازو پکڑ لیا۔ اٹھو پھر چلیں۔ مونا فوراً کھڑی ہو گئی اور مسکراتی ہوئی تیمور کے ساتھ کمرے سے نکل گئی۔

مونا کے ساتھ بور راوی پارک اپنی کوٹھی کے سامنے اترا۔ گیٹ میں داخل تے ہوئے مونا نے تاسف کے انداز میں کہا۔

جان! آپ وہی ٹوٹے بٹنوں والا کوٹ پہن آئے ہیں۔ مجھے بھی آپ کو یرا کوٹ نکال کر دینے کا خیال نہیں رہا۔

تیمور نے مونا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم کون سا کسی سے رشتہ مانگنے جا رہے ہیں بہت شوق ہے آپ کو رشتہ مانگنے کا؟

تمھارے مل جانے سے میرا شوق ختم ہو گیا ہے ——— تیمور خاموش ہو گیا اپنے کوارٹر کی طرف سے نیلو بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ تیمور کے سامنے آ کر اس نے اسے سلام کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ بھائی جان! میں کئی بار آپ کے گھر گئی۔ پر آپ وہاں ملتے نہ رہے۔ تیمور کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مڑی اور تیمور کی ماں راحت کے کمرے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔

راحت اپنے کمرے میں بستر پر پڑی تھی۔ اس کے ایک طرف تپائی پر بجلی کا ہیٹر جل رہا تھا اور قریب ہی کامران بیٹھے تھے۔ دونوں کے چہرے اترے ہوئے

اور یوں اداس تھے جیسے کوئی ناتجربہ کار ملاح اپنی کشتی ڈبو بیٹھا ہو۔ یا کوئی خام کار مجرم پہلی بار جیل میں بند کیا گیا ہو۔

نیتو شور کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ تیمور بھیا آ گئے ہیں۔ کامران کھڑے ہو گئے۔ کہاں ہے تیمور؟ نیتو نے پھولتی ہوئی سانس میں کہا۔

وہ دیکھئے صحن میں آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکی بھی ہے۔

تیمور جب کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو کامران نے اپنے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے آزادر کشیدہ سی آواز میں کہا۔ ایک بار مجھ سے گلے مل جاؤ بیٹے۔ میں مجرم ہی سہی پھر بھی تمہارا باپ ہوں۔ تیمور کی گردن جھک گئی اور وہ سوچنے لگا۔ اسی وقت راحت کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

انکار نہ کرنا بیٹے! نہیں تو میں یہیں پڑی پڑی مر جاؤں گی۔ تیمور نے چونک کر راحت کی طرف دیکھا اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

ہمیں معاف کر دو بیٹے! آگے بڑھ کر اپنے ابو سے گلے مل جاؤ۔ کامران کے بازو ابھی تک پھیلے ہوئے تھے۔ مونا نے تیمور کو آگے دھکیلا۔

سوچنے کیا لگے ہیں۔ آگے بڑھ کر گلے مل جائیے۔ تیمور آگے بڑھا اور کامران سے لپٹ گیا۔ بستر پر پڑی راحت مسکرانے لگی تھی۔ دروازے پر کھڑی نیتو گویا خوشی سے ناچ اٹھی تھی۔ مونا کے لبوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے گلاب کی آپس میں ملی ہوئی دو پنکھڑیاں صبح کی ہوا کے نرم جھونکوں کے باعث بار بار ایک دوسری سے علیحدہ ہو جاتی ہوں اور ان کے اندر سے شبنم کے سفید سفید موتی جھانکنے

لگتے ہوں۔ کامران اپنی روہانسی آواز میں کہہ رہے تھے۔

بیٹے! ہم نے ہی تمہیں اجنبی جانا اور اس گھر میں تمہارا رہنا گوارا نہ کیا تم پر ناجائز سختیاں کیں میرے باپ نے مجھے میرے بُرے اعمالوں کے باعث عاق کیا تھا۔ پر میں بدقسمت نے تمہیں مجھے بُرے کاموں سے روکنے پر عاق کر دیا اور اس کی سزا ہمیں خوب ملی۔ آصف نے ہمیں اس کی اتنی بھیانک سزا دی ہے جس کا ہم تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ تم ایک پھول تھے میرے بیچے جسے ہم نے بیکار جان کر پاؤں تلے ‍سل ڈالا تھا۔ تیمور کو علیحدہ کر کے کامران نے رومال سے اپنی آنکھیں خشک کرتے ‍ہوئے کہا۔

اپنی ماں سے ملو بیٹے۔ اس پر فالج گرا ہے اور جسم کا ایک حصہ بیکار ہو گیا ہے۔ ‍ب یہ چلنے پھرنے سے قاصر ہے۔ چارپائی سے لگ گئی ہے۔ تیمور راحت کے ‍نگ پر آ گیا۔ راحت نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر تیمور کا چہرہ اپنے قریب گیا ‍ور والہانہ انداز میں اس نے تیمور کا منہ گال پیشانی اور بال چوم لیے۔ تیمور نے ‍ی ہمدردی سے پوچھا۔

امی! آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہوا؟

راحت بول پڑی۔ اب ان باتوں کو رہنے دو بیٹے!

پھر بھی آپ بتائیں تو؟

نیا جھگڑا اٹھ کھڑا ہو گا

نہیں امی میں کسی سے جھگڑا نہ کروں گا۔

آصف طوائف سے شادی کرنا چاہتا تھا بیٹے۔ ہم منع کرتے رہے۔ ایک روز اس نے مجھے تمہارے ابو کو خوب مارا۔ میں اپنا غم تو برداشت کر گئی۔ پر تمہارے ابو کی تکلیف برداشت نہ کر سکی اور اس حال کو پہنچ گئی۔

آصف کہاں ہے امی؟

اپنی بیوی کے ساتھ اپنے کمرے میں ہے؟

اس نے شادی کر لی ہے؟

ہاں

کس سے

اسی طوائف سے۔ اور اب وہ ہم سے جائیداد میں اپنا حصہ طلب کر رہا ہے۔

تیمور کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ میں بھیا سے بات کرتا ہوں

راحت نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ جھگڑا نہ کرنا بیٹے!

تیمور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ وہ میرا بھائی ہے اور میں اپنے بھائی سے کیوں جھگڑا کروں گا۔ میں اسے صرف سمجھاؤں گا۔ اور مجھے یقین ہے وہ میری بات مان جائے گا۔ تیمور کمرے سے باہر نکلا۔ مونا بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل گئی

تیمور نے آصف کے کمرے پر دستک دی۔ اندر سے آصف کی آواز سنائی دی

کون ہے؟

میں تیمور ہوں بھیا!

دروازہ کھلا ہے۔ اندر آ جاؤ۔

تیمور دروازہ کھول کر مونا کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سامنے صوفہ پر آصف اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بیٹھی تھی۔ تیمور اور مونا نے ان دونوں کو آداب کیا اور ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ آصف نے بے پروائی سے پوچھا۔

آج کدھر بھولے ہو؟

تیمور ہنس دیا۔ میں نے سوچا میرا بڑا بھائی تو کبھی مجھے ملنے نہیں آیا۔ میں ہی اس کی خیریت پوچھ آؤں۔ آصف بھی ہنس دیا۔

جھوٹا نہ ہو تو ابا نے اخبار میں تمہارے متعلق اشتہار دیا تھا اسے پڑھ کر آئے ہوں گے یا نیستو نے تمہیں کہیں خبر پہنچا دی ہو گی۔ کیونکہ اس گھر میں وہ تمہاری جاسوس ہے۔

آپ امی اور ابو سے کیوں جھگڑا کرتے ہیں

خود ہی جھگڑے والی باتیں کرتے تھے۔ میری شادی میں رکاوٹیں کھڑی کر کے میرا خرچ تک بند کر دیا تھا اب تو آپ کی شادی آپ کی پسند کے مطابق ہو گئی ہے اب آپ انہیں جائیداد تقسیم کرنے کو کیوں کہتے ہیں۔

تو میں کیا بھوکا مروں۔ ہم دونوں کوئی سانپ تو نہیں کہ مٹی کھا کر گزارہ کر لیں گے۔ تیمور ہنس دیا۔ اللہ نہ کرے آپ سانپ ہوں۔ پر ساری جائیداد تو آپ ہی کی ہے ——— صرف نام ہی کی ہے نا ہاتھ کوئی نہیں لگانے دیتا۔

اگر سارا کاروبار آپ کے ہاتھ میں دے دیا جائے۔ تو کیا میں امید رکھوں

کہ آپ ماں باپ کی خدمت کریں گے ———— کیوں نہیں کروں گا۔ بشرطیکہ وہ میری بیوی کو اس گھر کی بہو مان لیں۔

وہ ضرور مان لیں گے

بس تو پھر جھگڑا ختم ہوا

لیکن آپ کو امی ابو سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگنا ہوگی

مانگ لوں گا۔ اس سے گریز کیا۔ آخر وہ میرے ماں باپ ہیں ———— تیمور کھڑا ہو گیا تو پھر اٹھئے ان کے پاس چلیں۔ آصف کھڑا ہو گیا۔

چلو

تیمور نے اس کی بیوی سے کہا

بھابی آپ بھی چلئے۔ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ تیمور نے آصف سے کہا

بھیا آپ نے بھابی سے میرا تعارف ہی نہیں کرایا

میں اسے تمہارے متعلق پہلے ہی بتا چکا ہوں

لیکن میں تو ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا

آصف نے تیمور کا کان پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ اس کا نام ارم ہے اور یہ میری بیوی ہے۔ آصف اپنا منہ تیمور کے کان کے پاس لے گیا اور آنکھوں سے مونا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ کون ہے؟

تیمور نے بے ساختہ کہہ دیا۔ میری منگیتر ہے۔

آصف نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ بڑا زبردست پیس مارا ہے

تیمور نے زور سے کہا۔ میں کوئی کباڑیہ ہوں بھائی جان! آصف نے پھر اس کا کان پکڑ لیا۔ آہستہ بولو باہر رہ کر کچھ زیادہ شریر ہو گئے ہو۔ تیمور نے اپنا کان چھڑا لیا اور پیچھے ہٹ کر مونا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مونا! بھائی جان مجھے تمہارے متعلق کہہ رہے تھے کہ بڑا زبردست پیس مارا ہے۔ مونا شرمانے لگی آصف اور ارم نے ایک بھرپور قہقہہ بلند کیا۔ تیمور نے ان کے لیے نیا انکشاف کیا

بھائی جان! یہ تایا ابو کی لڑکی ہے۔ جس سے بچپن ہی میں میری منگنی ہوئی تھی

کیا انکل کو یہ لوگ مل گئے ہیں؟

ہاں بھائی جان

انکل خود کہاں ہے؟

ان پر ہرٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ ہسپتال میں ہیں

پھر تو ہمیں ان کے پاس چلنا چاہیے

ضرور چلیں گے پہلے امی ابو سے معاملہ طے کر لیں۔

چاروں باہر آئے۔ آصف ان کے آگے آگے تھا۔ راحت کے کمرے میں داخل ہوتے ہی آصف نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

امی ابو آپ بھی! دونوں مجھے معاف کر دیں ———— کسی کے بولنے سے قبل ہی تیمور نے کہا۔ ابو! آپ آصف کو اسی طرح گلے لگائیں

جس طرح مجھے لگایا ہے۔ اور امی! آپ اسے معاف کر دیں۔ راحت نے فوراً کہہ دیا۔

میں نے معاف کیا ——————— اور کامران نے آگے بڑھ کر آصف کو گلے لگا لیا۔ ماحول پھر خوشگوار ہو گیا تھا۔ تیمور آگے بڑھا اور راحت کے کان میں کہا۔

امی! اب تو بھائی جان نے شادی کر ہی لی ہے۔ ارم اب اس گھر کی بہو ہے آپ اسے بیٹی کہہ کر پیار سے بلائیں اور اپنے بستر پر بٹھا لیں۔ سب کا دل صاف ہو جائے گا۔ تیمور کے کہنے کے مطابق راحت نے ارم کو بڑے پیار سے پچکار کر بلایا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔

بڑے مرحلے سے فارغ ہو کر تیمور اپنے مقصد کی طرف آیا اور مونا کی طرف اشارہ کر کے اس نے کامران اور راحت کو مخاطب کر کے کہا۔

آپ نے اس کے متعلق تو پوچھا ہی نہیں۔

راحت نے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا

ہاں بیٹے! ہم اپنے مسئلوں میں ایسے الجھے کہ اس کے متعلق پوچھا ہی نہیں

اب تم بول ہی پڑے ہو تو خود ہی بتا دو کون ہے یہ؟

امی! یہ آپ کی متوقع چھوٹی بہو اور تایا ابو کی بیٹی ہے اس کا نام صدف تھا مگر حالات نے اسے مونا بنا دیا۔ کامران نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

بھائی جان کی بیٹی؟ کیا یہ لوگ انہیں مل گئے۔ اس کے ساتھ ہی کام

آگے بڑھے اور مونا کی پیشانی چوم کر اسے پیار کیا۔ راحت نے ہاتھ کے اشارے سے مونا کو اپنی طرف بلایا۔ مونا آگے بڑھی۔ راحت نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور پیار کرنے لگی۔ کامران نے پھر تیمور سے پوچھا۔

بھائی جان کہاں ہیں بیٹے!

ان پر ہرٹ اٹیک ہوا ہے ابو! وہ یہاں ہسپتال میں داخل ہیں۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں تاکہ آپ دونوں بھائی مل کر اپنی برسوں پرانی رنجشوں کو ختم کر کے پھر سے ایک ہو جائیں۔

کامران دروازے کی طرف لپکے آؤ میرے ساتھ۔ تیمور ان کے ساتھ ہو لیا۔ آصف نے کامران سے کہا۔ ابو! میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ کامران نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ آجاؤ بیٹے! مونا بھی کھڑی ہو گئی۔ پر راحت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

تم بیٹھو بیٹی!

مونا نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ چھڑایا۔ اور دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے کہا میں تیمور کے ساتھ آؤں گی آنٹی! آصف نے گیراج سے کار نکالی۔ کامران اس کے ساتھ آگے بیٹھ گئے تیمور اور مونا پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے۔ نیاز چوکیدار نے گیٹ کھولا تھا اور کار اپنے پہیے چرچراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کامران تیمور مونا اور آصف جب احسان کے کمرے میں داخل ہوئے تو بچارہ گاموں احسان کی بیڈ کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ وہ چاروں ٹھٹک کر دروازے کے قریب ہی رک گئے۔ کمرے میں احسان کی لرزاں اور ستم خوردہ سی آواز ابھری جیسے وہ آواز نہ ہو برسوں سے ان کے سینے میں رکا اور دبا ہوا ایک طوفان ہو جو ٹھیس بن کر باہر نکلا ہو۔

رو رہے ہو گاموں! میرے مرنے کے بعد تیمور اور میری بیٹی کا خیال رکھنا میں ان دونوں کو سمجھا دوں گا۔ وہ تمھیں کوئی دکھ نہ دیں گے۔ وہ دونوں بہت اچھے بچے ہیں۔

گاموں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا

میاں جی! جس روز آپ مر گئے۔ اس دن گاموں بھی ذہنی طور پر مر جائے گا میں نے آپ کے گھر زندگی کی ایک طویل مسافت طے کی ہے —— اگر —— اگر کشتی کا چلانے والا ہی مر گیا تو اکیلا مسافر کیا کرے گا

میاں جی!

احسان کی زنگ آلود سی آواز پھر ابھری

کشتی تو وہی رہتی ہے گاموں! پر اس کے چلانے والے اور مسافر بدلتے رہتے ہیں —— کامران تیمور مونا اور آصف ان دونوں کی گفتگو سن رہے اور آنسوؤں ہی آنسوؤں میں رو رہے تھے۔

گاموں نے خالی خالی سی آواز میں کہا

پر میاں جی! نئے مسافروں اور کشتی والوں کو آپس میں مانوس ہونے کے لیے ایک مدت درکار ہے۔

نہیں گاموں! یہ تمھارے اندیشے ہیں۔ تیمور اور مونا تمھیں میری کمی محسوس نہ ہونے دیں گے۔ اور سنو! جب میں مر جاؤں تو میری لاش میرے ماں باپ کے پہلو میں دفن کرا دینا وہ شفیق اور مہربان والدین تھے۔ میں اس جہاں میں بھی ان کی شفقت سے محروم نہیں ہونا چاہتا میرے بعد —— مونا نے آگے انہیں کچھ نہ کہنے دیا اس کے صبر کے بند ٹوٹ گئے تھے۔ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔ اور احسان کے گلے میں باہیں ڈال کر وہ پھٹ پڑی۔

ابو! آپ جینے سے دل بیزار کیوں کرتے ہیں —— پھر وہ پلنگ پر سر مار مار کر رونے لگی۔ ابو اگر آپ نے ایسی باتیں کیں تو آپ کی بیٹی آپ سے پہلے مر جائے گی تیمور بھی آگے بڑھا اور مونا کے اوپر آ کر کھڑا ہو گیا۔ کامران اور آصف کسی برسوں پرانے اور ایستادہ پتھر کی طرح وہیں کھڑے رہ گئے تھے۔ تیمور کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی تیز دھار مونا کی گردن پر گری۔

مونا نے چونک کر اپنا سر اوپر اٹھایا۔ آنسو بہہ آئی۔ آنکھوں سے تیمور کی طرف دیکھا اور اسے روتا دیکھ کر بچاری کٹ کر رہ گئی۔ چہرہ یوں ہو گیا تھا جیسے جسم نچوڑ کر خون نکال لیا گیا ہو۔

مونا کی آنکھوں کے تعاقب میں احسان نے تیمور کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر تک وہ اسے یوں گھورتے رہے گویا اپنے شعور کو تلاش کر رہے ہوں پھر انھوں نے سہمی سہمی اور اپنے اندر بھیانک سکوت رکھنے والی آواز میں کہا۔

تم کیوں روئے ہو بیٹے!

روتے روتے تیمور نے کہا۔ اپنی بدبختیوں پر آنسو بہاتا ہوں پاپا ابو!

کیا کامران نے پھر تمھیں ٹھکرا دیا ہے

نہیں

پھر کیوں روتے ہو؟

انھوں نے مجھے سینے سے لگا لیا ہے تایا ابو! پر میری ایذاؤں کا شاید ابھی خاتمہ نہیں ہوا کیونکہ آپ مجھ سے علیحدگی کی باتیں کرنے لگے ہیں۔

احسان کی آواز میں کسی پرانے اور تاریک کنوئیں جیسا گہرا دکھ تھا

ایک دن بچھڑنا ہی ہے بیٹے!

مونا نے احسان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ابو! خدا کے لیے اب ایسی باتیں نہ کیجیے۔ احسان چپ ہو گئے اور بیٹی کی طرف دیکھتے رہ گئے۔ کامران اور آصف جو ابھی تک احسان کی نگاہوں سے اوجھل کھڑے تھے آہستہ آہستہ آگے کھسکتے

ہوئے ان کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

احسان نے نگاہیں پھیر کر ان کی طرف دیکھا ———— اور دیکھتے رہے ———— کچھ یوں گویا اپنے ماضی اور اس سے لف کسی گم گشتہ دور کے دھندلے خواب یا ناکام امنگوں اور گرد آلود رشتوں کی کڑیاں اپنے ذہن میں جوڑنے لگے ہوں کامران ان کے سامنے کسی مجرم کی طرح سہمے ہوئے کھڑے تھے پھر شاید وہ برسوں پرانے ظلمات کا سینہ چیرنے میں کامیاب ہو گئے تھے اور خاموشی کی زبان کو ایک طرف رکھ کر بولے۔

کامران تم؟

کامران ان کے پائے سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ ہاں بھائی جان!

کیا تم میرے اور اپنے درمیان تعصب کی زنجیریں توڑنے اور برسوں کی دوریاں طے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔

میں آپ سے معافی مانگتا ہوں بھائی جان۔ آپ کو اس حالت میں پہنچانے کا ذمہ دار میں ہوں میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں۔ جو چاہے سزا دیں۔

ایک شرط پر معاف کروں گا

کیا ہے آپ کی شرط؟

تیمور ہمیشہ کے لیے مجھے دے دو۔ اس کے صدقے میں تمھیں معاف کر دوں اور چھوٹا بھائی جان کو گلے لگاؤں گا

میں نے تیمور آپ کو دیا بھائی جان!

میں نے تمھیں معاف کیا کامران!

کامران وہیں بیٹھ گئے۔ اور احسان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے بڑی عقیدت کے ساتھ سہلانے لگے۔ احسان کی بھر بھرائی گہری آواز ابھری۔

کامران! جو باتیں پہلے مجھے تیمور مونا اور گاموں کو سمجھانا تھیں اب تم سے کہوں گا۔

آپ بڑے اور باپ کی جگہ ہیں۔ جو بھی آرزو کریں گے میں اسکی تکمیل کروں گا

تو پھر سنو! میں ایک رہروان حشر ہوں کتنی مسافت طے کر چکا ہوں اور کتنی باقی ہے میرے ضمیر اور ذہن کی آنکھوں کے سامنے نقش ہو چکی ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ آج ہی تیمور اور مونا کی شادی ہو جائے۔ اس کے لیے تم مجھے اپنے گھر لے چلو تاکہ میں اپنی زندگی میں خوشی کی یہ پہلی رسم اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔

ہسپتال والے آپ کو جانے کی اجازت دیں گے

وہ مجھے کیوں روکیں گے یہ تو میرے من کی بات ہے علاج کراؤں نہ کراؤں

گاموں! جاؤ ڈاکٹر کو بلا لاؤ میں انہیں مل کر یہاں سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔

گاموں اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ساتھ ڈاکٹر بھی تھا۔ احسان نے کسی تمہید اور پیش بندی کے بغیر کہا۔

ڈاکٹر! آج میں آپ سے رخصت کی اجازت چاہتا ہوں

فکر گیر آواز میں ڈاکٹر بولا۔ اس حالت میں آپ کو میں جانے کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں ——— ٹھیک ہے مت اجازت دو تمھارے کہنے پر میں رک جاتا

ہوں۔ لیکن ڈاکٹر سنو! اس وقت میرے احباب مجھے لینے آئے ہیں اور تم روک رہے ہو۔ اور جب ——— جب موت کے فرشتے مجھے لینے آئے اور تم نے نہ روکا تو ڈاکٹر! میں تمھیں اخلاقی مجرم اور قاتل سمجھ کر تمھارا گریبان پکڑ لوں گا۔ کیا تمھیں میرے ساتھ یہ سودا منظور ہے۔

ڈاکٹر کی گردن جھک گئی اور شکست خوردہ آواز میں کہا

آپ جانا چاہیں تو چلے جائیں۔ میں آپ کو روک نہیں سکتا۔ ڈاکٹر باہر نکل گیا اور احسان نے گاموں سے کہا۔

گاموں میرا سارا سامان پیک کرو۔ گاموں اٹھ کر جب سامان سمیٹنے لگا تو آصف بھی اس کی مدد کرنے لگا۔ احسان نے کامران سے پوچھا

کاہے میں آئے ہو کامران!

اپنی گاڑی لائے ہیں بھائی جان!

تیمور! بیٹے مجھے اٹھاؤ اور گاڑی میں لے چلو۔ میں چل نہ سکوں گا۔ تیمور جو ابھی تک مجسمے کی طرح کھڑا تھا حرکت میں آیا اور احسان کو اپنے دونوں بازوں پر اٹھا کر باہر چل دیا۔ کامران اور مونا اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

تیمور گاڑی کے پاس آیا اور مونا سے کہا

مونا! پچھلا دروازہ کھول کر۔ پہلے تم اندر بیٹھو اور ابو کو سہارا دے کر اپنے ساتھ بٹھاؤ۔

مونا نے فوراً دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تیمور نے بڑے آرام اور احتیاط کے ساتھ احسان کو مونا کے ساتھ بٹھا دیا اور مونا نے موت کی دلدل میں ڈوبتے

ہوئے اپنے باپ کو اپنے بازوؤں میں لے کر سنبھال لیا۔

گاموں اور آصف سامان لے کر آگئے اور گاڑی کے پیچھے رکھ دیا۔ آصف سٹیرنگ پر بیٹھا۔ کامران اور گاموں سیٹ پر اس کے ساتھ سکڑ سکڑ کر بیٹھ گئے پچھلی سیٹ پر احسان کے ایک طرف تو مونا اور دوسری طرف تیمور ہو بیٹھا۔

گاڑی جب چل دی۔ تو تیمور نے احسان کو اپنی گود میں سمیٹ کر ننھے معصوم بچے کی طرح ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تایا ابو! یہ تیسرا ڈرامہ کیسا رہا۔ اس نے شاید احسان کو خوش رکھنے کی خاطر یہ موضوع چھیڑا تھا۔ احسان بڑے کرب کے ساتھ مسکرائے اور بڑی مشکل سے کہا۔

کامیاب رہا بیٹے! مونا بھی ان کی باتیں سن کر مسکرانے لگی تھی۔ کامران نے مڑ کر دیکھتے ہوئے احسان سے پوچھا۔

تیمور کیا کہتا ہے بھائی جان!

اس نے جب مجھے مونا سے ملایا تو کہتا تھا یہ پہلا ڈرامہ ہے۔ مونا کی امیؔ کو میرے سامنے لاکر ذلیل کرا کے اس نے اسے دوسرے ڈرامے کا نام دیا۔ اور اب تم سے راضی کرانے کے بعد مجھ سے پوچھ رہا ہے۔ تایا ابو میرا تیسرا ڈرامہ کیسا رہا۔

کامران بھی مسکرا دیئے شریر ہو گئے ہو تیمور!

تیمور نے خود ہی جواب دیا۔ ہاں ابو پہلے کی نسبت کافی فرق ہے۔ سب کھل کر ہنس دیئے۔

گاڑی کامران کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اور کورڈ ڈور کے سامنے رک گئی یور نے دروازہ کھولا اور احسان کو اٹھا کر اس کمرے میں لایا جس میں اس کی امیؔ ی۔ راحت کے سامنے احسان کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے تیمور نے راحت سے ہا۔

امیؔ! تایا ابو نے ہم سب کو معاف کر دیا ہے۔ راحت نے بڑی دقت کے ساتھ احسان سے کہا۔ آپ کی مہربانی ہے بھائی جان۔ اسی لمحہ کامران اندر آئے ور مسکراتے ہوئے راحت سے کہا۔

راحت بھائی جان نے ہمیں ایک شرط پر معاف کر دیا ہے

کیسی شرط؟

انھوں نے تیمور کو مجھ سے ہمیشہ کے لیے مانگا۔ اور میں نے تیمور انہیں دے دیا وہ تو پہلے ہی بھائی جان کا بیٹا ہے۔

بھائی جان کی خواہش ہے تیمور اور مونا کی شادی آج ہی بلکہ ابھی کر دی جائے۔

مجھے کیا اعتراض ہے۔ کامران نے آصف کو آواز دی۔ اور وہ اس کے سامنے آتا ہوا ولا جی ابو!

بیٹے! تم نکاح کے انتظامات کرو۔ میں بازار سے شادی کے لیے شاپنگ کر آؤں یور اور مونا تم بھی میرے ساتھ چلو۔ مونا نے عذر پیش کیا۔ انکل ہوسٹل میں میرا سامان پڑا ہے پہلے میں وہ لے آؤں پھر اس نے احسان سے اجازت لی۔

ابو! میں جا کر اپنا سامان لے آؤں؟

ے آؤ بیٹی۔ پر اکیلی نہ جانا۔ تیمور کو ساتھ لے جاؤ اور جلدی لوٹ آنا۔

کامران بے بس سے ہو کر بولے

میں پھر کسے ساتھ لے کر جاؤں

راحت نے جواب دیا میں اور مام آپ کے ساتھ چلتی ہیں۔ آپ دونوں مجھے چیز دکھاتے رہیں میں پسند کرتی رہوں گی۔ گاموں یہیں بھائی جان کے پاس بیٹھا رہے گا

تیمور بیٹے! تم مجھے اٹھا کر گاڑی میں بٹھاؤ۔

تیمور نے ماں کو اٹھا کر باہر کھڑی گاڑی میں لا بٹھایا۔ مام بھی اٹھ کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کامران نے سٹیرنگ پر بیٹھتے ہوئے تیمور سے کہا۔

تیمور بیٹے! تم مونا کے ساتھ دوسری گاڑی میں چلے جاؤ۔ جلدی لوٹ آنا میرے آنے سے بھی پہلے تیمور نے مونا کو آواز دی۔

مونا! آؤ چلیں

مونا باہر آئی اور دونوں دوسری گاڑی میں ہوسٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہوسٹل کے باہر تیمور نے کار روکی اور مونا کے ساتھ وہ ہوسٹل میں داخل ہوا عرشی باہر دھوپ میں ایزی چیئر پر بیٹھی مطالعہ کر رہی تھی۔ دونوں کو دیکھ کر وہ کھڑی ہوتی ہوئی بولی۔

ادھر ہی آجائیں۔ میں اور کرسیاں لاتی ہوں

تیمور دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرے میں آؤ عرشی! تم سے کچھ کہنا بھی ہے۔
مونا کمرے میں آ کر خاموشی سے اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ تیمور اس سے قریب ہوتا ہوا بولا۔

مونا! عرشی سے کہو ہمارے ساتھ چلے اور ہماری شادی میں شرکت کرے

مونا نے کپڑے اٹیچی میں جماتے ہوئے کہا۔

آپ ہی کہہ دیجئے پلیز!

تم خود کہو تمہاری سہیلی ہے

تو آپ میری جان نہیں ہیں؟

جان تو میں تمہاری ہوں۔ پھر یہ بات اسے تم ہی کہو گی

کہہ دیں نا جان۔ وہ آ رہی ہے

اور تمھیں شرم آتی ہے

ہاں

پھر تو میں تم سے ہی کہلواؤں گا

مونا نے اسے تیز اور سخت جتونوں سے دیکھا نہیں کہیں گے؟۔ تیمور نے پیار سے اس کے پہلو میں کہنی مارتے ہوئے کہا۔ کہہ دیتا ہوں دھونس کیوں جماتی ہو۔ شادی سے پہلے اگر یہ حالت ہے تو بعد میں کیا حلیہ بنے گا میرا۔ مونا شرما کر رہ گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتی ہوئی عرشی نے بھی شادی کے الفاظ سنے تھے اور نزدیک آتے ہوئے اس نے پوچھا۔

کس کی شادی ہو رہی ہے؟

تیمور نے مسکین صورت بناتے ہوئے کہا۔ میں نے مونا کو اس کے ابو سے کیا ملایا۔ اپنا ہی خانہ خراب کر لیا ہے۔ انھوں نے اس کی شادی ہی کہیں اور طے کر دی ہے بتاؤں کیسا ہے عرشی اس کا ہونے والا شوہر اس کا چہرہ بالکل دھوتو کی طرح لمبا ہے۔ اور مونا کو پیار سے پتر ہے وہ کہے گا۔ مدھانی ۔ بےشک دیکھ لو۔ مونا کا جسم بالکل ویسے ہی خوبصورت اور چکنا نہیں جس طرح مدھانی دودھ اور مکھن میں رہ کر چکنی اور نرم ہو جاتی ہے۔

عرشی پریشان ہو گئی۔ بھائی جان سچ کہیں کیا بات ہے

تیمور پھر سنجیدہ ہو گیا۔ بس میں نے جو کہنا تھا کہہ چکا۔ عرشی نے مونا کا کان پکڑتے ہوئے پوچھا۔ تم کیوں خاموش ہو۔ خود ہی بولو۔ مونا ہنس دی۔ وہ تو تمھیں بتا

ہیں اور تم ان کی باتوں میں آ گئی ہو۔ میری اور تیمور کی ——— تیمور بھاگ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ بس اس سے آگے والی بات میں کہوں گا تمھیں شرم آنا شروع ہو جائے گی۔ تیمور کرسی کھینچ کر مونا کے پاس ہو بیٹھا اور پر ٹانگ چڑھانے کے بعد اس نے مونا کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

دیکھو عرشی آج مابدولت کی شادی ہے اور اس لڑکی کو آج ہمارے حرم میں ل کر دیا جائے گا اس خوشی میں ہم تمھیں لینے آئے ہیں تاکہ تم ہماری شادی میں ل ہو۔ اب دیر نہ کرو۔ ہمارے پاس وقت کم ہے اور چلیں۔ میرے ابو امی مجھ سے راضی ہو گئے میں آج میں تمھیں اپنے گھر لے کر چلوں گا۔

عرشی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اچھل پڑی۔ ویری گڈ بھائی جان! آپ نے ی اپنی اور مونا کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ عرشی جب لباس بدلنے خانے میں گئی تو مونا تیمور کی طرف مڑی اور اس روز والا چیک جو تیمور کپڑوں کے کے ساتھ اسے دے گیا تھا اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ چیک آپ رکھ لیں جان! نہیں تو میں پھاڑ دوں گی

تیمور نے چیک لے کر فوراً جیب میں ڈال لیا۔ ہاں اس کی اب ضرورت پیش ئے گی۔ مونا نے ... اٹیچی سے تیمور کے لیے ایک نیا سوٹ نکالا جو تیمور اسے لوٹا یا تھا۔ آپ بھی اٹھ کر ڈریس بدل لیں۔ وہ ٹوٹے بٹنوں والا کوٹ اتاریں۔ اور یہ یا سوٹ پہن لیں اور ٹائی بھی لگائیں۔

تیمور نے ساری چیزیں اس سے لے لیں۔ اور کمرے کے دروازے پر جو پردہ

تھا اس کے پیچھے ہو کر وہ ڈریس بدلنے لگا۔ اتنی دیر تک مونا نے دو اپنے ایک تیمور کا اٹیچی کپڑوں سے بھر کر انہیں تالے لگا دیئے تھے۔

عرشی نے دروازہ بند کیا۔ ایک اٹیچی مونا اور دو تیمور نے اٹھا لیے۔ باہر کھڑی گاڑی میں آ کر وہ بیٹھے اور رادی پارک کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوٹھی میں آ کر تیمور نے کار روکی اور باہر نکلتے ہوئے عرشی سے کہا

عرشی میری بہن یہ ہے ہمارا گھر؟

عرشی نیچے اترتی ہوئی بولی۔ بہت اچھا ہے بھائی جان!

چوکیدار نیاز اور نیلو کا باپ تینوں اٹیچی اٹھا کر اندر لے گئے گھر خوب رونق ہو رہی تھی۔ کامران راحت اور ارم بازار سے لوٹ آئے اور راحت کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تیمور اور مونا بھی عرشی کو لے کر اسی کمرے میں آ گئے۔ سب سے پہلے عرشی کا تعارف کرایا گیا۔ اور تینوں ایک خالی صوفے پر بیٹھ گئے۔ قبل اس کے کمرے میں کسی موضوع پر بات شروع ہوتی احسان بولے۔

کامران! آج شادی کے بعد کل صبح میں تیمور اور مونا کو لے کر یہاں سے روانہ ہو جائے گا اس کے لیے ——— تیمور نے ان کی بات کاٹی

تایا ابو! ہم یہیں رہیں گے اور آپ کا مناسب علاج کرائیں گے۔

احسان نے اسے جھڑک دیا۔ تم خاموش رہو تیمور! یہ میری خواہش ہے پر کیا بیت رہی ہے یہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔ گاموں تم ابھی یہاں سے روانہ ہو جاؤ اور سرگودھا چلے جاؤ۔ گاؤں سے زمینوں اور بینک کے

ے کر تم کل بارہ بجے سے پہلے پہلے سرگودھا شہر آ جانا اور کلیار ہوٹل میں نتظار کرنا۔ اگر ہم تینوں وہاں پہلے پہنچ گئے تو ہم بھی کلیار ہوٹل میں ہی انتظار کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کل ساری زمین اور بینک میں میرا جتنا پیسہ ہے تیمور کے نام کر دوں۔

کامران نے بھی منت کی۔ بھائی جان! میں تو کہتا یہیں رہیں اور اپنا علاج کرائیں ں نے اسے بھی خاموش کر دیا۔ بس تم سب خاموش رہو۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں ں بہتری ہے آصف! بیٹے تم اٹھو اور گاموں کو بس میں چڑھا آؤ۔ میرے یس سے دو سو روپیہ نکال لو گاموں!

گاموں اٹھا بریف کیس سے سو سو کے دو نوٹ نکالے اور جب وہ آصف کے ساتھ لنے لگا تو تیمور نے آواز دے کر اسے روکا۔

ابا! میری بات سننا ذرا۔ گاموں تیمور اور مونا کے سامنے آ کر رک گیا۔ ے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا پچاس پچاس کے دو نوٹ نکالے اور گاموں کی طرف ے ہوئے کہا۔

اموں بابا! وہ دو سو روپیہ تو تایا ابو کی طرف سے ہے۔ سو روپیہ اور یہ پچاس پچاس مونا کی طرف سے گاموں نے نوٹ لے لیے اور آصف کے ساتھ باہر نکل ن کامران راحت اور مونا تیمور کے اس اقدام پر خوش دکھائی دے رہے تھے۔

راحت نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی ارم کو اشارے سے اور قریب ہونے کو م جب اپنا منہ ان کے قریب لے گئی تو راحت نے کہا۔

تم مونا کو اٹھا کر تیمور کے کمرے میں لے جاؤ اور اس کی تیاری کر
پھر انھوں نے عرشی کو آواز دی عرشی بیٹے! تم اور ارم مونا کو ساتھ لے
اور اس کی تیاری کراؤ۔ نکاح کے لیے محلے کے معزز لوگ ساتھ والے کمرے
میں آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیمور بیٹے تم بھی اٹھو اور اپنے ابو کے کمرے میں
وہاں تمہارے نئے کپڑے پڑے ہیں پہن لو جاکر۔ تیمور اٹھ کر جب باہر نکل گیا
احسان نے کامران سے کہا۔

کامران صبح مجھ سے چیک لے جانا۔ اور اسے کیش کرا کے تیمور کے نام
گاڑی خرید لانا مزا بہتر رہے گی۔ میں تیمور اور مونا اسی گاڑی میں یہاں
روانہ ہوں گے۔

کامران نے بڑی انکساری سے کہا

میں انہیں اپنے پاس سے گاڑی لے کر دوں گا۔ آخر وہ میرے بھی کچھ
ہیں۔ تیمور کا نکاح ہو جائے تو میں جا کر خرید لاؤں گا۔ میں ذرا جا کر تیمور کو
کردوں بھائی جان! کامران اٹھ کر باہر نکل گئے۔

آصف کے واپس آنے پر تیمور اور مونا کا نکاح ہو گیا۔ بڑی خاموشی
ساتھ کوئی شور شرابا اور ڈھول ڈھمکا نہ ہوا تھا اور ایسا۔ احسان کی خواہش
کے مطابق کیا گیا تھا۔

ارم اور عرشی مونا کو راحت کے کمرے میں لے آئی تھیں۔ مونا بے حد
اور زرق برق لباس پہنے ہوئے تھی جو کامران اس کے لیے خرید کر لائے تھے

ونا کو لا کر راحت کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ راحت بڑی مشکل سے آگے جھکی
ور مونا کی پیشانی چوم لی۔ احسان مسکرا کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے راحت نے
رم سے کہا تیمور کو بھی یہیں بلا لاؤ ارم! ۔ ارم باہر نکل گئی اور مونا کے پاس
رشی بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد تیمور بھی ارم کے ساتھ کمرے میں آیا۔ وہ علیحدہ
یٹ پر بیٹھنے لگا تو راحت نے اشارے سے اسے مونا کے ساتھ بیٹھنے کو
ہا اور وہ خاموشی کے ساتھ مونا کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ مونا اب اس کی طرف دیکھ
رہی تھی بلکہ شرماتے ہوئے اس نے اپنی گردن خم کر لی تھی۔

راحت کے کہنے پر وہیں کھانا لگایا گیا اور سب نے مل کر کھایا۔ اس کے
د چائے کا دور چلا۔ باہر اب اندھیرا ہو گیا تھا اور سردی بڑھ گئی تھی۔ راحت
ے تیمور سے کہا۔

تیمور! تم مونا کو لے کر اپنے کمرے میں چلے جاؤ بیٹے!

تیمور نے اپنی جگہ پہلو بدلتے ہوئے کہا

امی! میری آپ سے ایک التجا ہے۔

التجا کیسی تیمور! تم میرے بیٹے ہو۔ اور زور دے کر بھی اپنی بات منوا سکتے
ہو کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔

تیمور نے عرشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

امی! یہ عرشی ہے نا ——

ہاں ہاں تم کہو رکتے کیوں ہو

امی یہ میری اور مونا دونوں کی بہن ہے۔ کل میں اور مونا تو تایا ابو کے ساتھ سرگودھا چلے جائیں گے یہ بچاری اکیلی رہ جائے گی۔ اس نے مونا کی بڑی مدد کی ہے۔ لہٰذا میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے بعد آپ ابو یا آصف کو بھیج کر اس کی خیریت کا پتہ کرتے رہیں۔ اور عرشی! تم بھی سنو تمھیں جس چیز کی ضرورت ہو اس گھر میں آؤ اور میری امی کو اپنی امی سمجھ کر ان سے مانگ لو اگر تم ایسا نہ کرو تو ——— اچھا میں کچھ نہیں کہتا تم سمجھ ہی گئی ہوگی۔

راحت نے عرشی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ تم فکر نہ کرو بیٹے! عرشی اگر تمھاری بہن ہے تو میری بیٹی ہے۔ ارم تم عرشی کا بستر میرے کمرے میں لگوا دو اور احسان بھائی تیمور کے ابو کے کمرے میں سوئیں گے آصف رات کو ان کے پاس بیٹھے گا۔ تیمور! تم جاؤ اپنے کمرے میں بیٹے! تیمور کھڑا ہو گیا۔ راحت پھر بولی۔ مونا تم بھی جاؤ بیٹی۔

مونا اٹھ کر تیمور کے پیچھے پیچھے چلی۔ تیمور اپنے کمرہ میں داخل ہوا جسے خوب سجایا گیا تھا اور سامنے فوم کی ڈبل بیڈ نگ کو عروسی سیج بنایا گیا تھا تیمور کے پیچھے جب مونا بھی کمرے میں داخل ہو گئی۔ تو تیمور نے دروازہ اندر سے بند کیا اور مونا کے پیچھے پیچھے دبے پاؤں چلنے لگا۔

مونا پلنگ کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ تیمور نے اس کے قریب آ کر اسے پکارا مونا!

مونا نے کوئی جواب نہ دیا اس نے اپنی گردن جھکا رکھی تھی اور بری طرح …رمارہی تھی۔ تیمور نے ایک بار پھر اسے پکارا۔ مونا پھر بھی جب خاموش رہی تیمور نے اپنا آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

مونا! اگر تم نہ بولو تو تیمور کی ——— مونا نے فوراً اس …کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور پھر اس کی شرماتی ہوئی سی آواز بلند ہوئی ایسے گویا …اندی کی چھوٹی چھوٹی کنواری کلیوں سے جو ناکتھا لگانے والی چھپیاں ٹکرا …ی ہوں۔

میں تو بول رہی ہوں۔ پھر آپ اتنی بڑی بات کیوں کہنے لگے تھے۔ تیمور …نے مونا کا ہاتھ چوم لیا۔ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے اس نے مونا سے کہا آؤ بیٹھو۔ مونا آگے بڑھی اور اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ تیمور نے جیب سے وہی …یک نکالا جو مونا نے ہوسٹل میں اسے دیا تھا اور چیک مونا کی طرف بڑھاتے …وئے کہا۔

شادی کی خوشی میں یہ چیک لے لو اور رقم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کر لینا مونا نے …کلمے کر پھاڑتے ہوئے کہا۔ جب آپ مجھے مل گئے ہیں تو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں …یور نے مونا کو گلے لگایا اور مونا نے پیار سے اپنی باہیں تیمور کے گلے میں ڈال دیں۔

پھر ——— پھر گویا جسموں کی گرمی اور سانسوں کی نرمی کی لے پر احمریں ہونٹوں …رقص شروع ہوا تھا۔ برسوں پرانی اور خوابیدہ امنگیں جاگ اٹھی تھیں کمرے میں …انسوں کا سنگیت سنائی دینے لگا تھا، اور رات کیسی انگبیں ہو گئی تھی۔

دوسرے روز جب کہ سورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا۔ تیمور جب نہا کر غسل خانے
سے نکلا تو اس نے دیکھا۔ گیراج سے باہر نیم ہرے رنگ کی ایک مزدا کار کھڑی
تھی اور اس کے ابو کامران نمبر پلیٹ کی جگہ اسپلائیڈ فارکا بورڈ لگا رہے تھے۔ تیمو
تولیے سے سر کے بال خشک کرتا ہوا وہاں آیا اور کامران سے پوچھا۔

ابو! یہ نئی گاڑی کہاں سے آئی

تمہارے اور مونا کے لیے لایا ہوں بیٹے!

کس وقت لے آئے ؟

رات جب تم سونے کے لیے اپنے کمرے میں گئے۔ میں اور آصف جا
کر لے آئے تھے۔ تیمور اچھا ہوا تم علیحدہ مل گئے ہوں۔ ورنہ میں تمھیں اپنے
کمرے میں بلانے لگا تھا۔

کیوں ابو! تیمور نے پریشانی میں پوچھا

رات میں بھائی جان اور آصف ایک ہی کمرے میں تھے۔ بھائی جان کے
ساتھ میری طویل گفتگو ہوئی۔ میں انہیں روک کر یہاں ان کا علاج کرانا چاہتا تھا

ان کی حالت اور ان کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی زندگی سے
ہو چکے ہیں۔ اور پھر رات ان پر ایسا دل کا دورہ اٹھا تھا کہ مجھے خطرہ تھا
ی رات بھی نکال نہ سکیں گے۔ اب بھی ان کی حالت خراب ہے۔ بیٹے!
ل کہتا ہے۔ میرا بھائی خود نہیں اس کی موت اسے اپنے آبائی گاؤں کی طرف
بارہی ہے۔ میرے بیٹے! وہاں پہنچتے ہی مجھے خط لکھنا۔ میں بڑا
ن رہوں گا۔ اول تو میرا ارادہ ہے میں اور آصف بھی کل تمھارے پیچھے
وہاں پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ بھائی جان کی زندگی کے متعلق اب میں مشکوک
ہوں۔

انھوں نے اپنا سامان اندھیرے منہ ہی اس گاڑی میں رکھوا دیا تھا۔ اب
ری اور مونا کی تیاری کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں نے تم دونوں کو سویرے
نے کا ارادہ بھی کیا پر انھوں نے منع کر دیا۔ شاید وہ تم دونوں کے لیے
ن کا باعث نہ بننا چاہتے تھے اب تم جلدی جلدی تیار ہو جاؤ۔ مونا کہاں ہے

وہ میرے کمرے میں تیار بیٹھی ہے۔ مردہ سی آواز میں تیمور نے جواب دیا تھا۔
احسان کی حالت کا سن کر اس کے ذہن میں پریشانیوں اور الجھنوں کا تصادم شروع
تھا۔ کامران نے پھر اسے چونکا دیا۔

تم اپنے کمرے میں چلو بیٹے! میں بھی وہیں آنے لگا ہوں۔ میں مونا اور تم
ابھی بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ تیمور کا سر جھک گیا اور وہ پیچھے ہٹ گیا جب
رے میں داخل ہوا تو مونا غسل کرنے کے بعد لباس تبدیل کر کے صوفے پر بیٹھی

اس کا انتظار کر رہی تھی تیمور کو دیکھتے ہی مونا نے روٹھنے کے انداز میں ک
جان! اتنی دیر کر دی نہانے میں۔ میں کتنی دیر سے یہاں بیٹھی آپ
انتظار کر رہی ہوں ارم آپی دوبارہ ناشتے کے لیے بلا کر گئی ہے۔ وہ اور
ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔ بجھی اور بکھرتی ہوئی اندوگیں آواز میں تیمور نے

تم ناشتہ کر آؤ! مجھے بھوک نہیں۔

تیمور کی آواز میں دہکتے ہوئے انگاروں جیسا سوز اور کانٹوں کی چبھ
جیسا درد تھا۔ مونا کو یوں لگا جیسے کسی نے اس پر گرم گرم بھوبل ڈال دی
مونا اپنی جگہ سے اٹھی اور تیمور کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہو
پوچھا

خیریت تو ہے نا!

مجھے میرے کپڑوں کا کوئی دوسرا سوٹ لا دو جان!

پہلے آپ بتایئے۔ پریشان کیوں ہیں

کچھ بھی نہیں۔ تم میرے کپڑے لاؤ میں بہت جلد تیار ہونا چاہتا ہوں

اگر آپ اپنی پریشانی کی وجہ نہ بتائیں تو اپنی مونا کو ——
نے ہاتھ رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا۔ میں پریشان ہوں مونا۔ خدا کے
میرے کپڑے لا دو۔

مونا بیچاری پگھل کر اس موم بتی جیسی ہو گئی جسے ساری رات جلنے
باوجود بھی سحر نصیب نہ ہوئی ہو۔ مونا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکلی کامران۔

ے کے سامنے سے گزرتے وہ ٹھٹھکی۔ آصف، ارم اور عرشی احسان کی
ٹی کے گرد کھڑے تھے اور کامران انہیں سہارا دے کر چمچ کے ذریعے ان
نہ میں پانی ڈال رہے تھے۔

مونا بھاگتی ہوئی جب اندر گئی تو اس نے دیکھا۔ احسان نے آنکھیں بند
ی تھیں اور گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے نیچے اتار رہے تھے۔ مونا کو
ہی کامران نے کہا۔

اپنے کمرے میں چلی جاؤ بیٹی! اب ٹھیک ہے۔ مونا جب کھوئی کھوئی
ہیں کھڑی رہی تو کامران نے پھر کہا۔ اچھی بیٹیاں بات مانا کرتی ہیں۔
بے بس اور مجبور سی ہو کر باہر نکلی اور راحت کے کمرے میں آئی۔ اسے
ہی راحت نے مسکراتے ہوئے پوچھا کیسی ہو بیٹی!

مونا زبردستی اپنے آپ کو بدل گئی۔ ٹھیک ہوں آنٹی

تیمور کہاں ہے؟

ابھی نہا کر نکلے ہیں۔ میں ان کے کپڑے لینے آئی ہوں

لے جاؤ!

مونا نے تیمور کے کپڑے نکالے اور واپس کمرے میں آئی۔ تیمور بال بنانے
قد شیشے کے سامنے کرسی سے ٹیک لگائے گم سم بیٹھا تھا۔ جونہی مونا اندر
ہوئی۔ تیمور کھڑا ہو گیا۔ اور مونا سے کپڑے لے لئے۔ مونا نے منہ سے کچھ نہ
موشی سے تیمور کو کپڑے پہننے میں مدد دینے لگی۔

کپڑے پہننے کے بعد دوبارہ بال بنانے کے بعد تیمور جب پیچھے ہٹا تو مونا نے

اسے گھورتے ہوئے کہا میں آپ کی پریشانی کی وجہ سمجھ گئی ہوں۔ ابو کی حالت کر آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ تیمور نے اس کی توجہ ہٹانے کی خاطر کہا۔

جلدی جلدی اپنا سامان پیک کرو۔ تایا ابو روانہ ہونا چاہتے ہیں۔ وہ ہم د کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔ مونا جب پیچھے ہٹ کر اپنے اور تیمور کے گذشتہ شر کے بکھرے ہوئے کپڑے اٹھا رہی تھی تو کامران کمرے میں داخل ہوئے اور ان سے کہا۔

میرے پاس اب تمھیں کچھ اور کہنے کو وقت نہیں۔ بھائی جان جانے کے بیتابی کا اظہار کر رہے ہیں۔ تم دونوں تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھو۔ پھر انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو کے نوٹوں کی دو گٹھیاں نکالیں۔ ایک تیمو تھماتے ہوئے انھوں نے کہا۔

یہ رکھ لو بیٹے! راستے میں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ دوسری گٹھی انھوں نے کو دے دی۔ یہ تم اپنے پاس رکھو بیٹی۔ شادی کی خوشی میں تم دونوں کو میں نے کچھ نہیں دیا میں تمھارے پیچھے پیچھے کل سرگودھا آؤں گا اور جی بھر کر تمھیں بہ کچھ دوں گا۔ اب تم باہر نکلو اور اپنا سامان گاڑی میں رکھو۔ پچھلی سیٹ پر نے دو تھرماس رکھ دیئے ہیں۔ ایک میں پانی اور دوسری میں چائے ہے۔ تیم اپنا اور مونا کا سامان ڈگی میں رکھ دیا۔ جب وہ احسان کی طرف جانے لگا تو ا نے اسے روکا۔ تیمور بھائی آپ ناشتہ تو کر لیں۔

جی نہیں چاہتا آپی!

تھوڑا سا ہی لے لو۔ مونا بھی نہیں کر رہی۔ وہ بھی تمھاری طرح ہی جواب دے رہی ہے۔ تیمور کچھ کہے بغیر احسان کے کمرے میں آیا۔ مونا اور عرشی بھی وہاں آصف کے ساتھ کھڑی تھیں۔ احسان نے کراہتے ہوئے تیمور سے کہا۔

تیار ہو گئے بیٹے!

تیمور ان پر جھک گیا۔ میں تیار ہوں ابو!

پھر مجھے اٹھا کر گاڑی میں لے چلو۔ تیمور نے احسان کو اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا اور باہر لایا۔ مونا نے بھاگ کر کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ وہاں سیٹ پر پہلے ہی سے دو گدے بچھے ہوئے تھے اور ہلکی سی ایک ریشمی رضائی بھی پڑی تھی۔ تیمور نے احسان کو سیٹ پر بٹھا کر رضائی اوڑھاتے ہوئے کہا۔

ابو! میں آیا۔ امی سے مل آؤں۔ مونا آؤ تم بھی مل لو۔ تیمور اور مونا راحت کے پاس آئے اور اس کے قریب جھکتے ہوئے تیمور نے کہا۔

امی! اجازت دیں میں جا رہا ہوں۔ میرے لیے دعا بھی کریں۔ راحت نے دونوں کی پیٹھ پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ جاؤ میرے بچو! تم دونوں کا اللہ نگہبان! دونوں باہر آئے اور مونا نے ارم کے پاس کھڑی عرشی سے کہا۔

عرشی تو شام تک یہیں رہنا۔ یہیں کھانا کھا کر ارم آپی کے ساتھ گاڑی میں چلے جانا۔ اس طرح آپی تمھارا ہوسٹل بھی دیکھ لے گی اور تم سے ملتی رہے گی۔ عرشی کی آنکھوں سے آنسو کا سوتا بہہ نکلا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ مونا

بھی روتی ہوئی ان دونوں سے باری باری گلے ملی تھی اور کار کی پچھلی سیٹ پر احسان کے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔ ایک طرف نیتو کھڑی تھی۔ ویرانے کے کسی نظر انداز کیے درخت کی طرح خاموش اور اداس تیمور نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا اور نیتو اپنی آنکھیں پونچھتی ہوئی اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔ تیمور نے جیب سے دو سو روپے نکال کر زبردستی اسے تھما دیے پھر کامران اور آصف سے مصافحہ کرکے وہ سٹیرنگ پر بیٹھا اور گاڑی باہر نکال لے گیا۔

گاڑی راوی روڈ پر لاکر شاہدرہ کی طرف لیجانے کے بجائے وہ کریم پارک کی طرف مڑ گیا۔ مونا نے روتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

کدھر چلے ہیں

منصور سے مل کر جاؤں گا۔

مونا خاموش ہوگئی۔ تیمور نے منصور کے گھر کے سامنے کار لا روکی۔ جیب سے چیک بک نکال کر پانچ ہزار روپے کا ایک چیک کاٹا۔ ایک کاغذ پر سرگودھا کا پتہ لکھا اور مکان میں داخل ہوا۔

صحن میں ہی اسے منصور مل گیا۔ بغیر کسی تمہید کے تیمور نے چیک اور کاغذ اسے تھماتے ہوئے کہا۔ یہ پانچ ہزار کا چیک اور ساتھ میرا پتہ بھی ہے۔ میں سرگودھا جا رہا ہوں۔ بینک سے یہ رقم نکال کر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر لینا اگر اور رقم کی ضرورت ہوئی تو مجھے لکھنا میں بھیج دوں گا۔ بس تم عزت کی زندگی بسر کرنا کریموں اور ندیم کا خیال رکھنا۔ وہ دونوں کہاں ہیں

اندر کمرے میں ہیں۔ آؤ بیٹھو!

نہیں! میں جلدی میں ہوں۔ میرے ساتھ تایا ہیں۔ وہ بیمار ہیں اور میں انہیں سرگودھا لے جا رہا ہوں زبردستی ہی تیمور اس سے گلے ملا اور باہر نکل گیا۔ منصور دروازے پر آکر انہیں دیکھنے لگا۔ اور تیمور نے گاڑی وہاں سے ریورس کرکے آگے بڑھا دی تھی۔

ربوہ سے آگے جہاں شیشم کے جنگلات ہیں وہاں تک سفر خاموشی کے ساتھ گزرا تھا۔ صرف راستے میں دو بار احسان نے پانی مانگا اور مونا نے انہیں پلا دیا۔ وہاں آکر احسان نے اشارے سے مونا کو گاڑی روکنے کے لیے کہا۔

مونا نے تیمور کو آواز دی

ابو کہتے ہیں گاڑی روکیے۔ تیمور نے گاڑی سڑک سے اتار کر کھڑی کر دی اور نیچے اترتے ہوئے پوچھا۔

ابو! خیریت تو ہے۔ احسان نے دروازے کا شیشہ نیچے گرانے کو کہا مونا نے ہاتھ بڑھا کر شیشہ گرایا۔ احسان سر نکال کر یوں ہی خلاؤں میں ادھر ادھر کچھ اس حسرت سے دیکھنے لگے۔ جیسے اس فانی دنیا کو آخری بار دیکھ رہے ہوں۔ کھلی ہوا کے چند لمبے لمبے سانس لے کر انھوں نے اپنا سر اندر کر لیا۔ مونا نے دوبارہ شیشہ چڑھایا اور تیمور نے گاڑی چلا دی۔

سرگودھا آکر انھوں نے کلیار ہوٹل سے گاموں کو لیا۔ اب تیمور نے سٹیرنگ چھوڑ کر پچھلی سیٹ پر مونا اور احسان کے درمیان بیٹھ کر خود احسان کو سنبھال

دیا تھا اور گاڑی گاموں چلانے لگا تھا۔

یہاں انہیں کچھ دیر لگی تھی کیونکہ تیمور کے نام اکاؤنٹ کھلوا کر احسان نے اپنی ساری رقم اس کے کھاتے میں ڈال دی تھی اور زمینیں بھی اس کے نام کر دی تھیں۔

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ سرگودھا سے نکلے تھے۔

وہ ابھی تھوڑی دور گئے تھے کہ چونک پڑے احسان کے بڑبڑانے کی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں۔ تیمور اور مونا پریشان ہو کر احسان کی طرف دیکھنے لگے ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ کہہ رہے تھے۔

یہ دنیا بھی کیسی شکارگاہ ہے۔ موت ہر ایک کے پیچھے بھاگتی پھرتی ہے۔ کیا شیخ کیا شاب سب کو ایک روز اس کا شکار ہونا ہے۔ تیمور اور مونا ان کی باتیں سن کر رونے لگے تھے اور احسان اونچے اونچے سانس لے رہے تھے جیسے موت اپنے چہرے پر شیطنت کا رنگ لئے ان کے سامنے کھڑی ہو۔

باہر سورج زمین پر پگھلا ہوا سونا بکھیرتا ہوا غروب ہو گیا تھا شام کے سائے دھرتی کے آنچل کو ڈھانپنے لگے تھے۔ ہلکی ہلکی دھند فضاؤں میں بکھر گئی تھی اور سورج کے لہو میں نہائی ہوئی بے رحم شام تیرگی کے آخری کاروانوں کو مار بھگا رہی تھی۔ اندھیرا اجالا قاتم و متجاب کی طرح ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے۔

شفق اداس تھی۔ درختوں کی شاخوں میں سرد ہوا بدروحوں کی طرح چیخیں مار رہی تھی۔ دور کہیں کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی جیسے

کسی کرائے کی لڑکی کی چیخ ہو پھر جیسے اس کے ساتھیوں کے شور پر خوالا ہکی پھوٹ پڑی اور ایک ساتھ کئی کتے سوتانہ کیفیت میں بھونک اٹھے۔

کار کے اندر چونک کر تیمور نے احسان کے ناک پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ تو مصاف زندگی ہار کر ان سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ چکے تھے۔ تیمور نے چیخ مارتے ہوئے کہا مونا! ابو ہم سے روٹھ گئے۔ مونا تیمور کے کندھے سے لگ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اس کی دھاڑوں میں تیمور کے رونے کی آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں سٹیرنگ پر بیٹھے ہوئے گاموں کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب نکل کر اس کے دامن کو بھگو رہا تھا۔

کار کے اندر وہ تینوں رو رہے تھے باہر ملگجی فضاؤں میں چنگاڑتی ہوئی سرد ہوائیں ماتمی گیت گا رہی تھیں اور گاڑی بڑی تیزی سے اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی فاروکہ کی طرف جانے والی سڑک پر بھاگی جا رہی تھی۔

اسلم راہی ایم۔اے